

188808

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188808

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No.

Accession No. _____

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

ہماری جدید مطبوعات

محمد علی۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی زندگی کے مکمل حالات ہندوستان کے جادو قلم سیرت نگار مولانا عبد الماجد دریا بادی کے قلم سے۔ اس کے مطالعہ سے کسی ہندوستانی کو محروم نہیں رہنا چاہیے۔ قیمت (۱۱۲ عاں)
مضامین عبد الماجد دریا بادی۔ مولانا موصوف کے اُن ادبی جواہر پاروں کا مجموعہ جس کا مدت سے انتظار تھا۔ یہ مجموعہ آپ کو ضخیم ضخیم کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دے گا۔ قیمت (پے)

محسوسات مآثر۔ شاعر حیات مولانا ماہر القادری کا پہلا مجموعہ کلام جس کا پہلا ایڈیشن چند ماہ میں ختم ہوا تھا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔

قیمت صرف دو روپیہ بارہ آنہ (۱۱۲ عاں) مجلد

نغمات مآثر۔ شاعر حیات ماہر القادری کا دوسرا مجموعہ کلام رومانیت و واقعیت کا دل فواز مرکب، انسانی ذہن و روح کے لئے فکر و نشاط کا جدید پیمانہ نئے تصورات کی موثر نمائندگی۔

قیمت صرف تین روپیہ (سے)

رنگ محل۔ ساغر نظامی کی نظموں، غزلوں اور گیتوں کا مجموعہ قیمت (۱۱۲ عاں)

[ادارہ اشاعت اُردو عابد روڈ حیدر آباد دکن
رہنے کے پتے [سید عبد الرزاق تاج کتب عابد روڈ حیدر آباد دکن]

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
 کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا
 اکبر آبادی

مردوں کی مسیحائی

مولانا عبدالمجید دریابادی نڈلہ کے مقالاتِ سیرت

مرتبہ

غلام دستگیر رشید ام اے (عثمانیہ)

ناشر

ادارہ اشاعتِ اردو

عابد روڈ - حیدرآباد دکن

درجہ دوم ۳۲ روپے اعلیٰ کاغذ

قیمت درجہ اول آرٹ پپر ۳۲ روپے

۹۲۲۵۹
ح -

پہلا ایڈیشن
ایک ہزار
جنوری ۱۹۴۳ء

پروپرائٹرز

سید عبدالقادر اینڈ سنز

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدر آباد دکن

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدر آباد

فہرست مضامین مردوں کی میجانی

صفحہ	مضامین	نمبر
۱۸	مردوں کی میجانی	۱
۳۸	یتیم کا راج	۲
۵۴	یتیم کی جیت	۳
۷۰	دوراستے	۴
۸۶	ذکر رسولؐ کی بلندی	۵
۹۸	سیرت نبویؐ اور علمائے فرنگ	۶
۱۲۲	محبوب سے خطاب	۷
۱۳۶	فقر محمدی	۸
۱۴۶	صابر رسولؐ	۹
۱۶۲	خطبہ نکاح - سیرت و ہدایت رسولؐ کی روشنی میں	۱۰

۱۹۴	 مسئلہ طلاق کتاب و سنت کی روشنی میں	۱۱
۲۳۴	 عتاب محبوب	۱۲
۲۴۲	 میلاد می روایات	۱۳
۲۵۴	 ناک کا داغ	۱۴
۲۷۲	 اعدائے رسول کی ہجو	۱۵
۲۸۶	 اسوہ حسنہ	۱۶
۲۹۶	 تقدیس رسول	۱۷

عرضِ ناشر

انسان جسے پہلے ہی ظلم و جہول کے لقب سے ملقب کر دیا گیا ہے۔ اپنی زبان اور اپنے قلم میں اتنی طاقت کہاں سے لائے کہ خدائے بزرگ و برتر کی بے پایاں اور لامحدود نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکے۔ آج سے تقریباً پچاس برس پہلے ایک صاف دل شخص نے (اللہ اُس کو اپنی رحمتوں میں جگہ دے) کتابوں کی ایک دکان کھولی جس کا تجارتی نام سید عبدالقادر اینڈ سنس تھا۔ دکان دار نے خدمت کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا اور قدردانوں نے قدر دانی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اللہ کی رحمتوں نے ساتھ دیا اور یہ دکان بڑھتے بڑھتے ایک بڑا تجارتی فرم بن گیا۔ اس طرح اس فرم نے ایک چھوٹا سا چھاپہ خانہ قائم کیا۔ معارف پرور سلطان العلوم نے محبوب ولی عہد دولتِ آصفیہ کے لقب گرامی سے منوب کر کے اعظم ایسٹیم پریس نام عطا فرمایا۔ خدا کی رحمت دیکھئے اور قدردانوں کی قدر دانی کہ آج وہ جنوبی ہند کا عظیم الشان مطبع اور سب سے زیادہ نفیس کام کرنے والا چھاپہ خانہ ہے، لیکن کام یہیں ختم نہیں ہوتا ہے۔

ع - گیسوے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے۔

کاغذ بہت گراں ہے سامان طباعت نایاب ہے۔ لیکن اس تجارتی فرم نے بڑے نازک اوقات میں جرأت کے ساتھ خدمت کی ہے۔ اور آج بھی خدمت کر رہا ہے۔ چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری کے عاملانہ اشتراک سے اس فرم نے ایک وسیع ادارہ ”ادارہ اشاعت اُردو“ کے نام سے قائم کیا ہے۔ جس کی پہلی کتاب آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔

ہماری زبان آج ترقی کے اُس زینہ پر ہے جہاں ضرورت ہے کہ ادبیات، سیاسیات، علمی تحقیقات، ادب عالیہ، ادب نسوان، اور ادب اطفال کو اس کا مناسب مقام دیا جائے۔ ”ادارہ اشاعت اُردو“ اسی عزم کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ کہ مذکورہ بالا اصناف ادب کو ترقی دی جائے۔ بالفعل اس کا کام تین شعبوں میں منقسم ہے۔ ادب عالیہ، ادب نسوان، ادب اطفال، بلند بانگ دعاوی اور لمبی لمبی باتیں نہ کارآمد ہوتی ہیں اور نہ اچھی سمجھی جاتی ہیں۔

مشک آنت کہ خود بہوید

اللہ سے دعا ہے کہ بیش از بیش خدمت کا موقعہ عطا فرمائے۔ اور آپ سے درخواست ہے۔ کہ اس سلسلہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

ہماری زیرِ طبع کتابیں حبِ ذیل ہیں :-
 (۱) ”یقین و عمل“ از عبد القدوس ہاشمی - دُنیا کی موجودہ جہی
 کا جائزہ اور اُس کا علاج -

(۲) مضامین عبد الماجد دریابادی -
 (۳) ”محمد علی“ - مولانا محمد علی مرحوم کی زندگی اور مولانا عبد الماجد
 دریابادی کا قلم -

(۴) ”محسوسات ماہر“ - شاعرِ حیات جناب ماہر القادری کے
 کلام کا اولین مجموعہ -

(۵) ”نغمات ماہر“ - شاعرِ حیات جناب ماہر القادری کے کلام
 کا دوسرا مجموعہ -

(۶) ”جمہوریہ چین“ - از عابد علی خان -

(۷) ”گرداب“ - احمد ندیم قاسمی - افسانوں کا مجموعہ -

(۸) ”نغمہ و فریاد“ - جوہر فریادی کے کلام کا مجموعہ -

(۹) ”مضامین جمال الدین افغانی - یعنی فیلسوف مشرق افغانی
 کے خیالات - عبد القدوس ہاشمی کی ترجمانی

سید عبد القادر اینڈ سنس گورنمنٹ ایکوشنل پرنٹرز و پبلشرز
 و مالکان اعظم اسٹیم پریس - حیدرآباد دکن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

عرضِ نیاز

نہ شہم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ توفیقِ الہی کی
رفاقت نے صدق لانے والوں کے ساتھ تصدیق و تائید کی نسبت
بخشتی۔ ۴۔ بریں مژدہ گر جاں فشاںم رواست

پندرہ سولہ برس پہلے جامعہ عثمانیہ میں علم کا طالب بن کر داخل
ہوا تو اخبار ”سچ“ بھی میرے لئے اس علم کا ایک چشمہ فیض ثابت
ہوا جسے قرآن کی زبان میں (صدق) کہتے ہیں اور جس کے قائلِ حامل
کو صدیق۔ یہ استفادہ اب تک بفضلِ ایزدی جاری ہے۔ اس کا
جو پہلو جاء بالصدق (سچی بات لے کر آیا) کا مصداق ہوتا
ہے، بفضلہ دل میں صدق یہ (سچ مانا) کی کیفیت بڑھاتا ہے۔
زاد اللہ فیوضہ۔

دیگر مباحث کے ساتھ ساتھ، وقتاً فوقتاً میرے محرم مولانا عبدالحق

کے قلم سے سیرتِ نبویؐ پر چند نہایت بلیغ اور ایمان پرور مقالات
 شائع ہوتے رہے، دل کی دیرینہ تمنائیں تھیں کہ یہ سدا بہار پھول
 ایک بصیرت افروز گلدستہ کی صورت میں ناظرین کے سامنے آجائیں۔
 آج محترم مدیرِ صدق کی اجازت سے مجھے اس کی ترتیب اور
 ادارہ اشاعت اُردو کو اس کی اشاعت کی سعادت حاصل ہوئی
 اللہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطرِ خواست و آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید
 جناب مولوی سید عبدالرزاق صاحب، جناب مولوی سید عبدالوہاب صاحب
 مالکان، ادارہ و اعظم ایسٹیم پریس، اور چودھری محمد اقبال سلیم صاحب
 گلہندری مہتمم، ادارہ اشاعت اُردو، اس حُسنِ اقدام پر قابلِ
 مبارک باد ہیں۔

زندگی کا حقیقی جوہر حُسنِ سیرت ہے۔ زندگی کی رفعت اور
 عظمت کا مدار صرف سیرت پر ہے۔ انسانی فطرت کا بہترین مظہر
 سیرت ہی ہے۔ سیرت فطرتِ انسانی کے لوازم کا ایک اخلاقی
 نظام ہے۔ جس کا اعلیٰ نمونہ ایک متوازن، مربوط اور موصف شخصیت
 پیش کرتی ہے۔ سوسائٹی اور انسانی اجتماع کا خمیر ایسی ہی سیرت
 و شخصیت سے عبارت ہوتا ہے۔

جو ہر طینتِ آدم ز خمیرِ دگر است
 تو تو قع ز گِل کوزہ گراں می داری
 سیرت کی تکمیل بڑی صبر آزاں ہوتی ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت کا

معیار سیرت کی بلندی اور اس کا وزن ہے۔ زندگی میں تحقیق کامیابی کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم استوار سیرت ہے۔ پاکیزہ سیرت ہی نے بڑوں کی یاد کو دوام اور ان کے ذکر کو رفعت بخشی ہے۔ کمال سیرت کیا ہے علم و عمل کے اعلیٰ صفات کا توازن۔

انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہی تاریخ انسانی کا بہترین باب ہے۔ محاسن انسانی کا جامع ترین نمونہ سیرت محمدی یعنی ”خلق عظیم“ ہے۔ آنحضرت صلعم کا اسوہ حسنہ انسانیت کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے جس کی اشاعت اور اتباع کے بغیر صحیح انسانی تربیت ممکن نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سیرت نگاری کا نازک ترین مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ سیرت نگاری بقول شخصے عبارت ہے آئینہ کی عکس ریزی اور مصور کی قلم کاری سے۔ یوں بھی سیرت نگاری سارے فنون لطیفہ سے کہیں زیادہ اہم اور بلند ہے۔ لیکن ”خلق عظیم“ کے نقش و نگار بنانے میں اندازہ فرماتا کہ سیرت نگار کی ذمہ داری کس حد تک بڑھ جاتی ہے۔

ادب کا ہیت زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنبید و بایزید، اینجا
(غزت بخارائی)

توفیق الہی سے مولانا عبد الماجد صاحب (زاد اللہ اہلہ) نے یہ نازک مرحلے بڑی کامیابی سے طے فرمائے ہیں۔ ایک

سچے سیرت نگار کی طرح آپ کا مطالعہ سیرت نبویؐ بڑا گہرا ہے۔ صاحب سیرت کے ظاہر و باطن کے مشاہدہ اور احساس میں آپ نے کمال پیدا کیا ہے۔ علم دین اور معرفت کا یہی منتہا ہے مقصود ہے سیرت مبارک کے جن پہلوؤں پر آپ نے قلم اٹھایا ہے، ان سے آپ کی دقت نظر اور عمق فکر صاف ظاہر ہے۔ تلاش تحقیق کا کمال آئینہ ہے۔

آپ نے اُس مایوس کن ماحول کی تصویر کے اہم خط و خال بڑی خوبی سے پیش کئے ہیں جس میں ”خلق عظیم“ کا انقلابی فنیض تربیت شرع ہوا۔ تبلیغ و تعمیر میں آنحضرتؐ کی آواز کے خلاف کیوں کر دولت، امارت، حکومت، اور مذہبی اجارہ داروں کا ایکا تھا۔ اس کے مقابلہ میں تنگدستوں، ضعیفوں اور شکستہ حالوں کی ایک جماعت کو کامیابی اور کامرانی کی بشارت الہی کیوں کر ملی کیونکہ اس پر ان کے ایمان محکم ہی تھے، ان کو کامرانی کی منزلوں تک پہنچایا۔ جب ہم ان مقامات سے گزرتے ہیں جہاں افضل ترین رسولؐ اس حال میں پیش کیا گیا ہے کہ لوگ لڑ رہے ہیں، وہ صلح کر رہے ہیں، قوم چھینے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں، دنیا تحصیل و فراہمی میں لگی ہے، یہ عطار و بخشش میں، عالم مخلوق پرستی میں مبتلا ہے اور اس کے دل کو خالق کی لوگی ہے تو سیرت نگار کے احساس صدا اور کمال ہنر کا پتہ چلتا ہے۔

ان میں سے اکثر مضامین قرآن پاک کی بعض سورتوں کی تفسیر ہیں، واقعات سیرت کی روشنی میں۔ یہی اس تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ رسول واجب التعظیم کے خلق عظیم کی زبانِ عائشہؓ نے ”(كان خلقه القرآن)“ کے الفاظ میں ترجمانی فرمائی۔ اس مجموعہ کے بعض مقالات اسی حقیقت کے نہایت بلند پایہ نمونے ہیں۔

قرآن اور سیرت نبویؐ کا ربط، دین کی معرفت کا انتہائی مقام ہے۔

آشکارا دیدنش اسرارے ما

در ضمیرش مسجد اقصائے ما

خدا کی یہ کتاب حاملِ کتاب کی صداقت پر دلیل شاہد ہے تو حاملِ کتاب اصل کتاب پر گواہ ع

ایں دو شمع اند کہ از یکدگر آفر و ختہ اند

جو کچھ علوم قرآن کی بابت، بر بنائے حقیقت کہا جاسکتا ہے۔ وہی سیرت نبویؐ کی بابت حرفِ بحرف صحیح ہے۔ جس طرح حکمت قرآن انسانی ترقی کے سارے ممکنات کو حاوی ہے۔ سیرۃ نبویؐ بھی اپنی جامعیت میں سیرت انسانی کی ترقی کے سارے مدارج پر حاوی ہے۔ قرآن علمِ ایمانی کی لامحدود کائنات ہے۔ اور سیرت نبویؐ اسی عمل کا ایک لامحدود عالم۔ اس باب میں اجتہاد اور نئے نئے نتائج

کا استنباط نہ ختم ہوا ہے نہ کبھی ہوگا۔ رسول اسلام کے ذکر کی رفعت کسی نقطہ پر ٹھہری ہے نہ ٹھہرے گی۔ ہر اداسناں نبوت کی نظر عبثیت کے اس پیکرِ کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) چند خاص خط و خال پر پڑتی ہے اہل نظر اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ذکر رسول کا یہ مجموعہ لطیف بھی گوناگوں خصوصیات و امتیازات کا حامل ہے۔

ان مقالات میں بڑی خوبی سے اُس ہمہ گیر انقلاب کی تشریح کی گئی ہے جو رسول اسلام کی نظرِ کیمیا اثر کی بدولت ظہور میں آیا جس عظیم الشان انقلاب سے فیض پانے والوں کی کایا پلٹ کر رہ گئی۔ جس انقلاب کا اثر یہ ہوا کہ مشرک، توحید الہی کے داعی بن گئے۔ جو بدستی کے دلدادہ تھے، وہ دُنیا میں محرمِ شراب کے علمبردار بن گئے۔ جو چور اور اُچکے تھے، ان کا احساسِ دیانت اتنا نازک ہو گیا کہ دوستوں کے گھر کھانے میں بھی ان کو تامل ہوتا تھا۔ جو جیسے تھے وہ اس درجہ متدین ہو گئے کہ ان کے معمولی سپاہی ہزاروں اور لاکھوں کا مالِ غنیمت کمالِ دیانت سے اپنے پہ سالاروں کے ہاں پہنچا دیتے تھے۔ لوٹ کھسوٹ پر ہسر کرنے والے سود کو حرام اور زکوٰۃ و صدقات کے نظام کے قایم کرنے والے بن گئے۔ زر پرست، سرمایہ داری کو اس طرح مٹانے لگے کہ لوگ زکوٰۃ لیکر پھرتے تھے اور لینے والا نہ ملتا تھا۔ وہ جن کی نظر میں انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، اور اپنی بیٹیوں تک کو زندہ دفن کتے تھے

جان کا ایسا احترام کرنے لگے کہ کسی مَرُغ کا بھی بغیر حق قتل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ظلم جن کی اُفتاد طبیعت تھی اپنی جان و مال کے دشمنوں تک کے ساتھ عدل کا لحاظ کرتے تھے۔ اسی حیرت انگیز انقلاب کی تفسیر کی بدولت اس کتاب کا نام مُردوں کی میجانی تجویز ہوا جو اس کے اولین مقالہ کا عنوان بھی ہے۔ درحقیقت یہ اسمِ باسْمیٰ ہے۔

مقالاتِ نکاح و طلاق، سیرتِ نبویؐ کے درحقیقت متعلقہ پہلوؤں اور اُس ہمہ گیر انقلاب کے ان اقدار کو واضح کرتے ہیں جو نظامِ حیاتِ ازدواج میں نمودار ہوئے۔ تمدنِ جدید جن کا اپنی اصلاح میں حد درجہ محتاج ہے۔ ایک مضمون متشرعین کے اُن دقیق تلبیسات اور خفی دجل و کید کو بے نقاب کرتا ہے جو سیرتِ نگارمی کے سلسلہ میں وہ اختیار کرتے ہیں۔ غیروں کی تصانیف سیرت کے مطالعہ میں یہ ایک رہنما ہے۔ آپ نے نمایاں واقعات کے ساتھ ساتھ واقعاتِ سیرتِ پاک کے کئی ایسے اشاروں کو بھی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے جن کی روح پرور خاموشی اور کشش کا بھولنا ممکن نہیں۔ اس کے بغیر بے شمار خفیف اشارے اور جلوے ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے۔ اس کی اہمیت اور دلکشی آپ کی بصیرت کی ادا شناسی اور مہارتِ نفیات کا اظہار کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صاحبِ سیرتؐ کے اصلی اور بنیادی اجزاء ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہتے ہیں جس کے باعث دیگر اجزاء سیرت کا اصلی محل و مقام پہچاننے

میں حقیقی رہبری حاصل ہوتی ہے۔ سیرت کے اس مرتع کی بابت
بے اختیار زبان پر آجاتا ہے کہ ع

من نیر حاضری شوم تصویرِ جاناں دُغبل

معنوی محاسن کے علاوہ ادبی نقطہ نظر سے یہ مقالات انشاء
اور حسن بیان کے نہایت بلند پایہ نمونے ہیں۔ جگہ جگہ آدابِ نبوت
کے شایانِ شان تعبیر کے اندازِ مصنف کی تہذیبِ باطن، لطافتِ قی
ادب شناسی اور خوش بیانی کے کمالات کے آئینہ دار ہیں۔ سیرت
نگاری کا ایسا ہی کمال اپنی صداقت سے پڑھنے والوں کے ایمان
و یقین کو بڑھاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ حُسنِ عقیدت، کمالِ تحقیق، اور
حُسنِ تعبیر کا یہ نادر مجموعہ اُردو کے سیرت و ادب کے ذخیرہ میں نہایت
گراں بہا اضافہ ہے۔ دوامی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ خدا مصنف
کو ہم سب کی طرف سے بہترین جزا دے۔ آمین بحقِ ظلہ و سلین
یہ تو سیرت نگاری کے انسانی ممکنات و کمالات کا ذکر ہے مگر نہ
غالبِ شنائے خواجہ بہ زرداں گداز شتم
کا ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

محتاج دُعا، نیازِ کمیش

غلام دستگیر رشید

مردون کی میسجائی

مردوں کی مسحائی

گمراہی کی سیاہ چادر۔ انسان زندہ بنایا گیا ہے، لیکن یہی زندہ کبھی
مردہ بھی ہو جاتا ہے۔ دنیا روشن پیدا کی گئی ہے، لیکن یہی روشنی کبھی
تاریکی میں بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں میں
بڑے بڑے ہادی درہناتے اور گذر چکے۔ لیکن اب ایک مدت سے دنیا
انہی ہدایتوں سے محروم ہے۔ بارش اپنے موسم میں زمین کو خوب سیراب
کر چکی تھی، لیکن اب طبعی اور تپتی ہوئی زمین کے ہونٹوں پر پیاس سے خشکی کی
پٹریاں جمی ہوئی ہیں۔ آخری نبی حضرت مسیح کے زمانہ کو ساڑھے پانچ سو
سال کی مدت گذر چکی ہے، اور اب سطح زمین نورانیت کے فیض سے
یکسر محروم ہے۔ دن کی روشنی چھپ چکی ہے، اور عالم انسانیت پر
رات کی سیاہی چھائی ہوئی ہے۔ کسی ایک ملک کی تخصیص نہیں، آفتاب
کے طلوع ہونے کی جگہ، مشرق اور آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ
مغرب، سب گمراہی و گمشدگی کی اسی سیاہ چادر میں لپٹے ہوئے ہیں۔

۱۔ علیٰ حقیر ترجمہ من الہیہ (۲۷ ع ۳)
۲۔ یہاں اس زمانہ میں مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، ہر شے سے جن گزریوں میں مبتلا تھا، انکی
تفصیل اردو میں سیکل کی تاریخ ”اخلاق اورپ“ (مترجمہ عبدالماجد) کے مطالعہ سے معلوم ہو
سکتی ہے۔ اسکی کے علاوہ ڈریسٹر، لکین، اور دوسرے شہزادہ صنفین میں سے جس جس نے بھی سیکل
تقریبوں کی تاریخ، پانچویں اور چھٹی صدی مسیح میں لکھی ہے، سب نے اسی داستان کو اپنے اپنے
زبان میں دہرایا ہے۔ ڈریسٹر کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔
”یہ وہ زمانہ تھا، کوکلیا نے عیسوی کا شیرازہ پادریوں کے حب جاہ اور خباثت نفس کی وجہ
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ پر)“

بحر و بر شرق و غرب، عرب و عجم سب کی روحانی زندگی موت سے
ظلم الفساد فی البہر و البحر بما کیسبت ایدہی الناس (مزمعہ)،
تبدیل ہو چکی ہے، اور کائنات انسانی کی ساری فضا اشتقاقیت نفس پرستی
بدی و بدکاری، شرارت و نفاق کے گہرے بادلوں سے سیاہ ہو رہی ہے!
محروم عرب۔ یہ حال سارے عالم انسانیت کا ہے، لیکن براعظم
ایشیاء کے جنوب و مغرب کا وہ حصہ جو عرب کے نام سے موسوم ہے،
اس عموم میں ایک خصوص رکھتا ہے۔ یہ سرزمین جس طرح مادی حیثیت
سے بخر ہے، شاید اسی طرح اب تک فطرت کی روحانی بارشوں اور
بخششوں سے بھی محروم ہے۔ اس کی تباہ کاریاں اور تیرہ بختیاں سارے
عالم کے لئے ایک نمونہ عبرت ہیں۔ بیمار گل دنیا ہے، لیکن عرب کا مریض،
دق میں مبتلا ہے۔ خشک سالی سب کہیں ہے، لیکن یہاں تحط شدید
پڑا ہوا ہے۔ اس کی اخلاقی پستی حد سے گزر چکی ہے، اس کی روحانی
بیماریاں تقریباً لاعلاج ہو چکی ہیں، اس کی سرکشی و تباہ کاری خود پرستی

(باقی سلسلہ حاشیہ صفحہ ۱۲ پر آگندہ ہو رہا تھا، اجتہادات کو شان اجماع بخشنے کے بجائے
اکٹھ کونٹوں کے اجلاس منعقد ہوتے تھے لیکن انتقاد کا اصل مقصد پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ باوجود
ان کونٹوں میں جہاد ارتقا، وہودیاتی کا سماں نظر آتا تھا۔ مغرب میں بطریق کا عہدہ دو لفظوں
میں وحشت اور شگوفہ و طوطی کی ایسی نیت آزما ترغیبات پیش کرتا تھا کہ اس عہدہ پر کسی باوری
کے نامزد ہونے وقت غریب ریزہ سنگساروں کا داعی ہو نا سادات ہونگے تھا۔ یہ تمام فرقے
اگر عقائد میں ایک دوسرے کے حریف تھے، لیکن ایک بات قدر مشترک کے طور پر ایسی بھی تھی،
جس پر ان سب کا اتفاق تھا، اور وہ بات تھی آپس کی باہمی نفرت و عداوت، جس سے ہر فرقہ کو
دوسرے فرقہ کی جان کا دشمن بننا رکھا تھا (مگر مذہب و دین میں صفا و شہرہ پروری ظفر علی خاں صاحب)
لیکن کے بیانات کا خونہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

”گلیسا کی اشاعت بربروں کے درمیان ہو رہی تھی، جنہیں علم و تمدن سے کوئی رس نہ تھا۔
ظلم و جبر و غریب آوارگی و ادبائی کی وہ گرم بازاری تھی کہ ادنیٰ دانشیں پڑھتے پڑھتے لگ بھگ

الاعراب اشد کفرًا ونفاقًا واجدًا لا یعلموا حد وودما
انزل اللہ علیہا سورہ (توبہ، ع ۱۲)

خدا فراموشی، عقائد کی خرابی، اور اعمال کی اتبری نے اسے اس
لائق بھی نہیں رکھا ہے، کہ کوئی بشری کوشش اصلاح حال میں کامیاب
ہو سکے۔ رشد و ہدایت، پاکبازی و پاکیزہ خوئی حسن عمل و نیک کرداری
کا کیا ذکر ہے، اب تو اس قوم کی ساری زندگی کا خلاصہ صرف ایک لفظ
گمراہی یا ضلالت میں بیان کیا جاسکتا ہے اور ضلالت بھی کیسی ؟
وان کا فواصن قبل لفی ضلال صبین (جمعہ، ع ۱)

تاویل و توجیہ کی گنجائش سے ماوراء بالکل واضح و صریح اساری اصلاح
کی بنیاد قلب کی صلاحیت پر ہوتی ہے۔ قلب میں جب تک نرمی گداز
باقی ہے، اُس وقت تک اصلاح حال کی اُمید قائم کی جاسکتی ہے لیکن
ان بھیبوں کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ان کے سینوں میں
انسانیت کی نرمی، اور قلبوں میں آدمیت کے چشے خشک ہو چکے ہیں۔
فہی کا لججاس تہا و اشد قسوا (بقرہ)

اور اس کے بجائے دلوں میں پتھروں کی سی سختی، بلکہ پتھروں سے بھی
بڑھ کر سختی پیدا ہو گئی ہے، اور قبول حق کے گویا سارے دروازے انھوں نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳) ملکہ فریڈرک و ملکہ برٹنھاٹ کا منہ اپنی خوں آشایہوں اور ہوساکیوں کے لحاظ سے
ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ اور غیرہ دونوں ملکہ بھی، ہر طبقہ نے فتنہ دہور دسیہ کاری کو اڑھنا
پھوٹا بنا رکھا تھا۔ غرض اس زمانہ کی تاریخ کے جس کسی صفحہ کو ہم کھولتے ہیں، ہر جگہ ظلم و شقاوت
سفاکی و فحش بد چلنی و شہوت پرستی کے مناظر سے دوچار ہونا پڑتا ہے، (تاریخ اخلاق یورپ
جلد ۲ صفحہ ۱۵ مترجمہ عبد الماجد)

اپنے ہاتھوں اپنے اوپر بند کر لئے ہیں! بدکاریوں اور بدکرداریوں میں
سلسل بتلا رہتے رہتے ان کے دل و دماغ، انکی عقل و ذہن مسخ ہو چکے
ہیں، حق و باطل، نیک و بد، نور و ظلمت کا فرق ان کی نظروں سے مٹ
اور لٹکے کا لا نعام بل ہم اضل (فرقان)

چکا ہے۔ جانوروں کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، بلکہ اپنی کج فہمی بے پھر
اور تنگ نظری میں جانوروں سے بھی کچھ آگے نکل چکے ہیں!
مورخین کا بیان۔ یہ تصریحات اُس کتاب پاک کی ہیں، جو ہر قسم کے
مبالغہ و افراط سے بالاتر ہے، اور جس کا ایک ایک حرف، صداقت
و حقیقت کے اونچے سے اونچے معیار کا نمونہ ہے، تاہم بہتر ہوگا، کہ اس
زمانہ کے ”روشن خیال“ اپنی تشفی کے لئے ”محققین فن“ و ماہرین
تاریخ کے بیانات پر بھی ایک سرسری نظر کرتے چلیں۔

”دور جاہلیت کی سترہ سو جنگیں مشہور چلی آتی ہیں، یہ
لڑائیاں اس شدت عناد کے ساتھ قائم رہتی تھیں جو خانہ جنگیوں
کی خصوصیت ہے۔ پشہا پشت کے کسی بھولے سرے واقعہ
کا نظریان نظم میں تذکرہ، عداوتوں کے خرمین میں چنگاری بجائے
کے لئے بالکل کافی ہوتا تھا، پھر ہر فرد اگر نہیں، تو کم از کم
ہر خاندان تو ضرور اپنے تئیں ہر فیصلہ اور انتقام کا پورا مجاز سمجھتا
تھا۔۔۔۔۔ عورتوں اور ڈاڑھیوں کی توہین بات بات میں نکل
آتی تھی۔ کسی نے ذرا بھی بیجا شوخی کی، کسی نے ذرا بھی ہتک آمیز

بات کہی پس پھر مجرم کے خون کے بغیر جنگ نہیں فرو ہو سکتی۔ اور کینہ بھی اس بلا کا، کہ مہینوں بلکہ برسوں تک انتقام کا سلسلہ نہیں ختم ہوتا؟ یہ الفاظ مشہور مورخ رومہ، ایڈورڈ گبن کہے ہیں۔ (تاریخ زوال مملکت رومہ باب ۵۰)

”کہ اور سارے جزیرہ نمائے عرب پر ایک بے انداز مدت سے روحانی موت طاری چلی آرہی تھی۔ یہودیت، مسیحیت، اور عقلیت، کا دماغ عرب پر کل اتنا ہی اثر ہوا تھا، کہ جیسے ایک پرسکون جھیل کی سطح پر کچھ ہلکی موجیں لہرا نے لگیں، اور نیچے بدستور سکون قائم رہے۔ یہ لوگ دہم پرستی، شقاوت، و بدکاری میں ڈوبے ہوئے تھے، ایک عام دستور یہ تھا، کہ بڑے بیٹے کو باپ کی جائیداد کے ساتھ اسکی بیویاں بھی ترکہ میں مل جاتی تھیں۔ جذبہ غور، نیز افلاس کی بنا پر دختر کشی کی رسم بھی ان کے ہاں جاری تھی۔ ان کا مذہب شدید بت پرستی تھا۔۔۔۔۔ حشر و جزائے کے عقیدہ سے گویا بالکل نا آشنا تھے“

”محمدؐ کی بعثت سے قبل، عربوں میں مذہبی اصلاح کا ہو جانا ایسا ہی بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا، جیسا کہ ان کا ملکی دیاسی حیثیت سے ایک قوم بن جانا۔ دین عرب کی بنیاد ہست گہری بت پرستی پر تھی، جس کی اصلاح کی، مصری و شامی مسیحیت کی جانب سے صدیوں سے کوشش ہو رہی تھی اور ہمیشہ ناکامی ہی رہتی تھی۔“

یہ اعترافات سرولیم میرو کو کرنے پڑے ہیں۔ (لائف آف محمد: باب ۱۲۔ نیز مقدمہ الکتاب)

”انسان کی جان لے لینا سرے سے کوئی اخلاقی جرم ہی نہ تھا، نہ قتل اتفاقی و قتل عمد کے درمیان کوئی فرق کیا جاتا تھا.... قتل کا انتقام نہ لینا باعث توہین تھا.... شہوت پرستی دے بے ہمتی کی گرم بازاری تھی۔ دوسرے کے مال کی حفاظت، پاس و فدا اور عزت کے جذبات کی، عرب جاہلیت میں کچھ قدر نہ تھی۔“

یہ شہادت اس مشہور دشمن اسلام کو دینی پڑی ہے، جسے دنیا، اکسفرڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگولیس کے نام سے پکارتی ہے۔ (محمد، بسلسلہ سوانح مشاہیر اقوام، باب اول)

”مکہ کے مادی تجارتی شہر میں غرض پرستی اور سود خوری کا دور دورہ تھا لوگوں کے وقت گزاری کے لئے عورتیں تھیں، شراب تھی جو انتہا۔ جبکی لائٹھی اُس کی بھینس کا قانون جاری تھا۔ بیوہ عورتوں، یتیموں، اور کمزوروں کا کوئی حق نہ تھا.... اللہ کے نام سے اہل مکہ ضرور واقف ہو گئے تھے، لیکن اپنی علی زندگی میں انھوں نے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھا تھا، اس لئے کہ خالق کے معنی ان کے نزدیک حاکم و مالک کے نہ تھے۔ اپنے نفع و نقصان اور مشرکانہ رسوم کے لئے ان کے سر ہر صنف موجودات کے آگے جھکے ہوئے تھے۔“

یہ تحقیقات، لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے مشہور تازہ ”ماہر عربیات اسٹاک“
 پروفیسر ہرگرونج کی ہے، جو امریکہ کی یونیورسٹیوں کے سامنے مخصوص اسی
 موضوع پر تقریریں کرنے کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ (معموزم، باب اول)
 خلاصہ بیان کو ایک روشن خیال مسلمان کی زبان سے جنھوں نے
 اپنی قوم کے روشن خیالوں ہی کے لئے سیرت محمدی پر ایک ضخیم کتاب
 تالیف فرمائی ہے، سن لینا چاہئے:-

”بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ
 بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی
 جائز تھی۔ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قمار بازی، شراب خاری،
 زنا کاری کا رواج عام تھا۔ بیچائی کی یہ حالت تھی، کہ سب
 سے بڑا نامور شاعر امر القیس، جو شاہزادہ بھی تھا، قصیدہ
 میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا واقعہ مزے
 لے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ در کعبہ پر آویزاں کیا جاتا
 ہے۔ لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ
 چاک کر دینا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا۔“ (سیرۃ ابنی
 مولانا شبلی، جلد اول، ص ۹۱)

فضا اور بعثت - یہ فضا ہے، جس میں ایک سیکیں و بے یاد،
 یتیم اور ان پڑھ بچہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے۔ کارساز فطرت کی مشیت
 یہ ہوتی ہے، کہ اسی سیکیں و ناتواں کے ذریعہ سے، ایک قبیلہ کی نہیں،

ایک قوم کی نہیں، ایک ملک کی نہیں، سارے عالم، بلکہ سارے عالموں
 لیکون للعالمین نذیراً۔ کی اصلاح کا کام لیا جائے، اور اُسے
 سارے جہانوں کی جانب یہ پیام دیکر بھیجا جائے، کہ فطرت سے
 بغاوت کرتے رہنے والوں کا بالآخر کیا انجام ہو نیوالا ہے۔ پیامبر اپنا
 پیام پہنچاتا ہے، اور اس کے گرد و پیش کی ساری شیطانی قوتیں دُش
 وقوت کے سایہ میں جمع ہو کر اس کی مخالفت و عداوت پر کمر بستہ ہو جاتی
 ہیں۔ اس عالی ظرف کا ظرف، سا لہا سال تک، ہر قسم کی تکلیف
 و توہین، اذیت و رسوائی کے مقابلہ میں سپر بنا رہتا ہے، لہذا ان کے مخالفین
 کے حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں، اور کھلم کھلا یہ مطالبہ ہونے لگتا ہے،
 اگر حق کی قوت و نصرت اس کے ساتھ ہے، تو آخر حق و باطل، نور و ظلمت
 میں کھلا ہوا فرق، فرقان اس پر کیوں نہیں نازل کر دیا جاتا، جواب
 ملتا ہے، کہ فرقان تو شروع ہی سے اس کے ہمراہ ہے، قلین
 المرشد من الغی۔ حق و باطل کی راہیں تو آغاز ہی سے الگ
 الگ ہیں، البتہ اے بے بصیر، تم جو سوامادی فتح و فیروز مندی کے
 کسی اور فرقان کو محسوس کرنے سے معذور ہو، اور دن رات اس قسم
 کے واہی تباہی خیالات اور بچوں کے سے مطالبات پیش کرتے رہتے
 ہو، کہ یہ پیسہ تو ہم ہی انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، اور بازاروں میں
 مالِ حدّ الرسول یا کل الطعام ویشی فی الاسواق لولا
 لہ الفرقان ابلغ من الفرق لا ندیستعمل فی الفرق من الحق والباطل۔ (راغب)

انزل الیہ ملائکہ، فیکون نذیراً اولیٰقی الیہ کنزاً و تکلون لہ
 جنة یا کھل منها - چلتا پھرتا ہے، اُس کے ساتھ انسانی قوی سے
 مادر اور کوئی فرشتہ کیوں نہ اُتارا گیا، یا اسے فکر معاش سے بے نیاز
 کرنے اور عیش سے زندگی گزارنے کو غیب سے کوئی خزانہ اُس کے پاس
 کیوں نہیں اُتر آتا، یا اسے جنت کے موعودہ اور مفروضہ باغوں کی طرح
 کوئی باغ کیوں نہیں نصیب ہو جاتا! سو اپنی ان خام خیالیوں اور بے
 مغزیوں کے جواب میں تیار ہو جاؤ، اسی دنیا میں فرقان اتر کر ہیگا
 اور ایسا فرقان، جسے تمہارے مادی حواس بھی محسوس کر کے رہیں۔
 تم ایک غیبی قوت، فرشتے کے نزول کا مطالبہ کر رہے ہو، اس نبی کا
 مرتبہ تو کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، اس کے غلاموں پر ان اگلی غیبی قوتوں کا
 نزول ہو گا جس کی توجیہ و تاویل، تاویل و تعلیل میں تمہارے بڑے
 سے بڑے فلسفیوں اور حکیموں، عاقلوں اور داناؤں کی دانائی و زیرکی
 عاجز رہ جائے گی۔ نبی ماریک الذی نزل الفرقان علی عبدہ
 اور آج تم ایک باغ کو انتہائی نعمت سمجھ رہے ہو کل دیکھنا کہ اسی بندہ
 کے غلام، ان غلاموں کے غلام قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیں گے،
 رومہ و ایران کی زبردست شہنشاہیاں زیر و زبر کر دیں گے، اور مصر
 و افغانستان، عراق و ایران، ترکی و ہندوستان کے چین و گلشن
 سبزہ زار و گلستان ان کے قدموں سے پا مال ہو کر رہیں گے۔
 ہدایت کی روشنی - کیسی بابرکت، کس کثرت سے برکت نازل کرنوالی

کس طرح دائمی مسلسل برکت نازل کرنے والی، وہ پاک رات ہے جسے
 تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیہا سماءاً و قمرًا
 منیرا۔ آسمان میں ستارے اور روشن آفتابے اور اجالا کرنے والا
 چاند بنا دیا۔ جس پر دروگہ کرنے مادی رہنمائی و روشنی کے لئے سب کچھ
 سامان ہتیا کر دے ہیں، کیا وہ اپنے بندوں کو روحانی روشنی و رہنمائی
 کے سامان سے محروم رکھے گا؟ آفتاب اُسی وقت طلوع ہوتا ہے،
 جب پہلے تاریکی اچھی طرح چھا چکی ہوتی ہے، دنیا کی روحانی تاریکی
 اب اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، وقت آگیا ہے، کہ سراج منیر، تمام
 عالموں کے روشن کر دینے والے چراغ کا طلوع ہو۔ آفتاب جب
 طلوع ہوتا ہے، تو اس کی تڑپ سے چاند بھی جگمگا اٹھتا ہے، اور خود
 روشن ہو کر دوسروں کو روشن کر دیتا ہے۔ اس آفتاب روحانی کی

ضیا باری بھی اسی شدت و قوت کی ہوگی، اس کی شعاعیں، دوسروں
 کو متور کر کے انھیں خود چاند کی طرح نورانی و نور افکن بنا دیں گی۔ پھر
 یہ اُسی کار ساز مطلق کا بنایا ہوا عام قانون فطرت ہے کہ رات اور
 وہو الذی جعل اللیل والنہار خلفہ لمن اسر ادا ان یندکما
 او اسر ادا شکوہا۔ دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے
 ہیں، اور جن کے دلوں میں نصیحت قبول کرنے اور بندہ شکر گزار بننے
 کی صلاحیت ہے، ان کے درس کے لئے یہ قانون مادی بالکل کافی ہے۔

لہ عن قتادہ، قال البروج الخوم (ابن جریر) لہ عن قتادہ قال السراج اٹس (ر)

جب عالم جسم و مادہ میں ہر رات کے بعد دن کا آنا لازمی ہے، تو کیا کائناتِ جان و روح میں ہمیشہ تاریکی ہی چھائی ہوئی رہیگی؟ نصیحتی و خدا فرشتہ کی طویل شب دیجور کا ختم ہو کر رہنا لازمی تھا، وہ ختم ہوئی اور روحانیت کا آفتاب، اصلاح و ہدایت کا سورج طلوع ہو گیا۔

زندہ فرقان۔ اس زندہ فرقان کی عظمت کو دیکھو، اس نے دیکھتے ہی دیکھتے تمہاری آنکھوں کے سامنے، اخلاق کی دنیا میں کیا سے کیا انقلاب پیدا کر دیا۔ تم اس کے پیام میں طرح طرح کی جھٹیں نکالتے ہو، سرے سے رحمن ہی کے وجود میں شک کر رہے ہو اور ڈھٹائی سے پوچھتے ہو، کہ وہ الرحمن؟ سو اپنے اس آن دیکھ رحمن کی شانِ رحمت کو دیکھو، اس کی برکاتِ رحمانیت کا مشاہدہ کرو، کہ تمہاری ہی بجز سرزمین ہے، تمہاری ہی مردہ قوم ہے، تمہارے ہی گرد و پیش کیسے کیسے بندگانِ رحمن پیدا ہو گئے ہیں، جو لوگوں سے بات بات پر

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ لڑنا، بلا وجہ الجھنا، تو الگ رہا، صدیوں کی اس عادت اور پشہا پست کی اس خصلت کو چھوڑ کر اب اس قدر خاکسار و سکیں ہو گئے ہیں، کہ ہاتھ پیر کی زیادتیوں اور بات چیت کی سختیوں کا ذکر نہیں، انکی رفتار تک انکی فروتنی و علم پر گواہی دے رہی ہے؟ اور از خود تو اب کسی سے کیا چھیڑ کریں گے۔ جب دوسرے اپنی نادانی و سفاہت سے اپنی شرارت و خباثت سے

انہیں چھیڑتے ہیں، انکی دل آزاری کے لئے ان پر اعتراضات کرتے ہیں، تو اس کے معاذ خدا میں بھی انکی حسین تحمل پر شکن نہیں پڑنے پاتی، بلکہ علم و آشتی، صلح و نرمی کے لہجہ میں اُن سے اپنی سلامتی چاہتے یا انکے حق میں سلامتی کی دعا کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں! ابھی کل کی بات ہے، کہ ساری ساری رات، شرابخواری، ناچ رنگ، اور بیجیائی کے دوسرے مشغلوں میں گاٹ کر صبح کر دیتے تھے، پر آج وہی خدائے رحمن کے بندے ہیں، والذین ہیبتوں لہہم سجد اوقیاماً جو یہی نہیں، کہ اپنے اُن گندے مشغلوں سے یکسر تائب ہو چکے ہیں، بلکہ اب انکی پوری پوری راتیں نماز و عبادت کی، دعا و قرآن خوانی کی، اور تہجد کے سجود و قیام کی نذر ہونے لگی ہیں! اور کچھ یہ نہیں، کہ یہ کسی کے ڈر اور دباؤ سے، کسی کی محنت میں، یا ریاد غائیش کی غرض سے کر رہے ہوں بلکہ قانونِ پاداشِ عمل کی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو چکی ہے، والذین یقولون سرہنا اصراف عنا عذاب جہنم ان عذابہما کان عذاباً انہما ساءت مستقراً و مقاماً۔ ہر بدی کے نتیجہ، بد کا خوف ان پر غالب آچکا ہے، اور آخری سزا گاہ، دوزخ کی سختیاں انکی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتیں، اس لئے کمال خلوص و خضوع، اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہتے ہیں، کہ ان سے انہیں محفوظ رکھے، اور جس پر اس قدر ہیبت الہی غالب ہوگی، کہ وہ

لازمی طور پر اپنی زندگی کے ہر لمحہ خیر میں نیکی و نیک کرداری تقویٰ و حسن عمل کی ٹوہ میں برابر لگا رہے گا پس یہ نیک اور برگزیدہ بندے
والذین اذا انفقا لم یسہوا اولم یفتروا وکان بین
ذالک قواماً۔ بھی محض حقوق اللہ کی ادائیگی میں مستعد نہیں،
بلکہ حقوق العباد کے ادا کرنے میں بھی ویسے ہی محتاط و ذوق شناس
ہیں۔ چنانچہ خرچ کے معاملہ میں 'یہ گناہوں میں خرچ کرنے سے
رکے رہتے ہیں، عیاشی میں یہ نہیں خرچ کرتے، شرابخواری
میں یہ پیسہ نہیں برباد کرتے، نام و نمود کے لئے یہ اپنی تھیلیا
نہیں کھولتے، اور جب طاعت میں خرچ کرنے کا وقت
آتا ہے، جب غریبوں اور سیکسوں کی امداد کا وقت آتا
ہے، جب اللہ کے نام پر پیسہ لگانے کی ضرورت پڑتی
ہے، تو اس وقت ان کا ہاتھ نہیں رکتا، اس وقت یہی
سب سے بڑھ کر خرچ کرنے والے نکلتے ہیں، اور اس طرح
ان کے مصارف، اسراف و بخل دونوں برائیوں سے بچکر
ٹھیک اپنے صحیح موقع اعتدال پر ہیں۔

حکمائے قدیم نے کہا، رعا صی کو انسان کی تین قوتوں کا نتیجہ
بتایا تھا، قوت وہمہ، قوت غضبیہ، قوت شہویہ۔ اور ان تینوں کے
نتائج شرک، قتل، دزنا کاری کی صورتوں میں ظاہر ہوتے تھے۔
حکمائے حال کی تحقیق میں نفس انسانی کی تحلیل، عقل، ارادہ،

و جذبات کی عناصرِ شلشہ میں کی گئی ہے، اور ان تینوں میں جب
 اختلال و بد نظمی پیدا ہوگی، تو اہم گناہوں کی یہی تین صورتیں
 نمایاں ہونگی، انتہائی بد عقلی، نا فہمی، و جہالت کا نتیجہ شرک
 ہے، قوتِ ارادی کا بے قابو ہو جانا، قتل و ہلاکت پر حتم
 ہوتا ہے۔ جذبات پر قابو نہ رکھنے کی آخری صورت زنا کاری
 ہے۔ نسلِ انسانی جب کبھی اور جہاں کہیں بھی تباہ ہوئی ہے
 انھیں معاصی میں مبتلا ہو کر تباہ ہوئی ہے۔ عرب جاہلیت
 موجودہ جاہلینِ فیرنگ کی طرح، خصوصیت کے ساتھ انھیں
 بلاؤں میں مبتلا کئے۔ ”زندہ فرقان“ کا اعجاز یہ تھا

اعجازِ ریا انقلاب - ”زندہ فرقان“ کا اعجاز یہ تھا کہ اس زہری
 فضاء اس دہائی ماحول میں بھی اپنے مرید، بندگانِ رحمن کو ان دباؤں
 کے اثرات سے بالکل محفوظ کر دیا، کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خدا کیستے
 والذین لا یدعون مع اللہ الہا آخر ولا یقتلون النفس النبی
 حرماً اللہ الا بالحق ولا یزنون ۝ ۱۵ ۝ یفعل ذلک بلیق اثاماً
 یضعف لہ العذاب یوم القیمۃ و یجحد فیہ ما نالہ من
 تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فا ولئک یمد اللہ سبیلہم
 حسنت و کان اللہ غفوراً رحیماً۔

کسی اور معبود کو پکارتے ہیں، نہ ناحق کسی کو قتل کرتے ہیں،
 اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جانتے رہتے ہیں کہ ان بد اعمالیوں

میں پڑنے والے اپنے کینفر کردار کو پوری طرح پہنچ کر رہیں گے۔
 البتہ ان بد اعمالیوں کے بعد جس نے انھیں بڑا سمجھ کر ترک کر دیا، اور نیکی
 کے راستہ کو پہچان لیا، اور پھر اسی راہ پر چلا بھی، سو خدا نے غفور و رحیم
 خواہ مخواہ تکلیف کسی کو نہیں دیتا، وہ انہی موجودہ نیکیوں سے انہی پھیلی
 برائیوں کو محو کر دیگا۔ اور ایسا ہونا تو اُس کے بنائے ہوئے قانون
 فطرت کے عین مطابق ہے، اس لئے کہ جس کسی نے بدی کو بد سمجھ کر
 ومن تاب وعمل صالحا فاندیتوب الی اللہ متاباً۔

ترک کر دیا یا بالفاظ دیگر اُس سے توبہ کر لی، اور اس کے بعد نیک عمل
 کرنے لگا، تو اس کے معنی ہی یہ ہیں، کہ اسے شیطان سے اپنی دوستی
 قطع کر کے، اللہ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، اور ٹیڑھے راستہ کو چھوڑ کر سیدھے
 راستہ پر پڑ گیا۔

جھوٹ اور لغو سے بچاؤ۔ اب تک انہی زندگیوں کا سرِ ششہ جھوٹ
 اور ناراستی، نمود و نمائش، ریا اور بناوٹ کے دامن سے وابستہ تھا،
 آج یہ دیکھتے دیکھتے اتنے پاک و صاف ہو گئے ہیں، کہ خود جھوٹ بولنا
 والذین لا یشہدون النور، واذ امر و ابال لغوم و اکلم
 اور جھوٹی کارروائیوں میں شریک ہونا تو دور کرنا، جھوٹی زندگی رکھنے
 والوں کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔ جھوٹ اور تصنع انکے شہود میں سرے
 سے آتا ہی نہیں، اور اگر محض اتفاق سے کسی ایسے مجمع میں پھنس جاتے
 ہیں، جو کسی لغو و لاعینی مشغلہ میں مبتلا ہوتا ہے، تو یہی نہیں، کہ ان کے

پاک نفوس ان شیطانی ترغیبات کی جانب سے بے رغبت رہتے ہیں، بلکہ ان کے شیوہ کریمانہ اور روش بزرگانہ کو دیکھ کر خود وہ حجت متاثر ہو جاتی ہے۔ وہ زمانہ گزر گیا، جب ان کے سامنے اللہ کی والذین اذا ذکرہم وبایات مہم لم یخروا علیہا صاعاً و عمیانا۔ نشانیاں۔ اس کی قدرت و عظمت کی نشانیاں گذرتی رہتی تھیں، اور یہ بہرے اور اندھے بنے ان کی طرف سے غافل اور بے خبر رہتے تھے۔ اب ان کے کان کھل گئے ہیں ان کی چشم بصیرت روشن ہو چکی ہے۔ اب دنیا ان کے لئے ایک تماشا گاہ نہیں، بلکہ دار العمل ہے۔ اب یہ نیکی و بدی کے قانون کو، عمل و جزائے عمل کے اصول کو رب رحمن و رحیم کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ خود ان کی زندگیاں تو اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے بالکل پاک ہو چکیں۔ اس منزل سے گذرنے کے بعد قدرتاً اب انکے دل میں یہ تمنا غالب ہے، اور یہی اسی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں! ان کے قریب ترین تقاضے والذین یقولون ربنا ھب لنا من انہما و اجنا و ذریۃنا قرةً اعین واجعلنا للمتقین اماماً۔

رکھنے والے، انکی بیویاں اور انکی اولادیں انکی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں، خود انھیں کے رنگ میں رنگ جائیں انکی زندگیاں بھی انھیں کے نمونہ پر ڈھل جائیں، اور دوسروں کو

راہ راست دکھانے کا جوش انھیں اس درجہ بیتاب
 کئے ہوئے ہے، کہ محض اپنی زندگی کے سدھارنے پر قلع
 نہیں بلکہ دوسرے متقیوں کے لئے اپنی زندگی کو بطور نوہ پیش
 کرنا چاہتے ہیں! اللہ اکبر! کمال روحانیت کی ترقی کو دیکھنا
 یہی نہیں کہ خود اچھے بن گئے، یہی نہیں کہ دوسرے اچھوں کے
 ساتھ ہو گئے بلکہ اس مرتبہ کی تمنا اور طلب، کہ دوسرے
 پاکوں اور اچھوں کی پیشوائی اور امامت حاصل ہو جائے
 جس کو سارے متقی مل کر اپنا امام و مقتدی تسلیم کریں اس کے
 مرتبہ کمال، اس کے ارتقاء روحانیت کا کچھ ٹھکانا ہو سکتا
 ہے! اس کی زندگی جو دوسرے کاموں کے لئے نمونہ کا کام
 دے سکے، خود کس درجہ کامل ہوگی؟

خزاں اور بہار - زمین خشک اور پیاسی پڑی ہوتی ہے، بارش
 کے فیض سے افسردہ چمن لہلہانے لگتا ہے، مردہ کھیتی میں جان بڑھ جاتی
 ہے، سویا ہوا سبزہ جاگ اٹھتا ہے - باغ سنان پڑا ہوتا ہے،
 پتیاں مرجھا مرجھا کر گر چکتی ہیں - بہار کی ہوا چلتے ہی نئی اور ہری پتیاں
 نکل آتی ہیں، اور اُبڑا ہوا باغ پھر سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے -
 عالم پرشب کی سیاہی چھائی ہوتی ہے، ہر شے تاریکی میں گم ہوتی ہے -
 صبح کے طلوع ہوتے ہی، ہر طرف اُجالا پھیل جاتا ہے، اور ہر ذرہ
 روشن ہونے لگتا ہے - ایک پاک روح دنیا میں اصلاح و تزکیہ

کے لئے آتی ہے اور اپنے فیض صحبت سے، بہت سے اندھوں کو بینا، بہت سے بیماروں کو تندرست اور بہت سے مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ کارخانہ فطرت میں اس قانون فطرت کی نظیریں برابر ملتی رہتی ہیں۔

مُردوں کی میسجانی۔ لیکن دنیا میں یہ انقلاب روحانی پیدا کر دینا کہ کل تک جو رہن تھے، وہ آج اچھے رہ رہ رہی ہیں، بلکہ بہتریں رہ رہ رہی ہو جائیں، کل تک جن کی زندگی فسق و فجور کی نذر تھی، آج وہ استنہ بلند و مقدس مرتبہ پر پہنچ جائیں، کہ خود صداقت و پاکیزگی کو ان کے اقتساب سے شرف ہو جائے، کل تک جو مردہ تھے، وہ آج زندہ ہی نہیں، بلکہ دوسروں کو زندہ کر دینے والے بن جائیں، ایسے آفتاب کا طلوع جو ہر ذرہ کو آفتاب بنا دے، ایسے مسیح کا نزول جو مُردہ کو مسیح بنا دے۔ اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں بجز سرور عالم کے صحابیوں، بجز محمد کے غلاموں کے اور کہیں بھی مل سکتی ہے؟

نادانوں کا قول ہے، کہ خاتم النبیین نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حالانکہ یہ پاک زندگی شروع سے آخر تک خود ایک معجزہ تھی، اور اس کا کوئی جزئیہ ایسا نہ تھا، جو اپنے اندر ایک اعجازی رنگ نہ رکھتا ہو!

اس ”زندہ فرقان“ کے ان زندہ معجزوں کے ہوتے ہوئے، کشتی نوح، گلزار خلیل، عصاے موسیٰ، تخت سلیمان، حسن یوسف، دم عیسیٰ، کسی محدود، وقتی و مقامی معجزہ کی کچھ بھی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی نہ اُس وقت راز تھی، نہ آج راز ہے۔ ابولہب و ابوجہل اور انکے سارے ہمنشینوں نے اُس وقت دیکھا، کہ بدبودار اور پُرعفونت کھاد، گلے میں پڑی، اور انکی آنکھوں کے سامنے، شاداب و خوش رنگ مہکتے ہوئے گلاب کے پھول میں تبدیل ہو گئی، حق کی قوت، ہر زوید و تغلیط کے خطرے سے بے پروا ہے، زندہ معبود کے زندہ رسول کے زندہ معجزہ کا جواب نہ اُس وقت بن پڑا، نہ آج حق کے جھٹلانے والوں، محمد کے دشمنوں، اور ابولہب و ابوجہل کے موجودہ جانشینوں میں سے کسی کے بس کی بات ہے!

اللہ مراتب بلند کرے، اکبر الہ آبادی کے سارے مضامین نعت کا عطر ایک شعر میں کھینچ کے رکھ دیا ہے۔

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو میسما کر دیا!

یتیم کاراج

۳۸ یتیم کالج

تمدن کی نمائش گاہوں سے دُور کچھ کم چودہ سو برس کا زمانہ گذرتا ہے،
کہ تمدن کی نمائش گاہوں سے کوسوں دُور تہذیب کے سبزہ زاروں
سے الگ، ایک ویران و بے رونق بستی میں، چلچلاتی دھوپ والے
آسمان کے نیچے، خشک اور پتھر پرستی سرزمین کے اوپر، ایک شریف
لیکن ان پڑھ اور بے زرخاندان میں، ایک بچہ عالم آب و گل میں آنکھیں
کھولتا ہے۔

دعویٰ کی دلیل، صرف خدا کا سہارا۔ شفیق باپ کا سایہ پہلے ہی سے
اُٹھ چکا ہے، ماں بھی کچھ ہی روز بعد سفر آخرت اختیار کر لیتی ہیں۔ تربیت
کے جو ظاہری قدرتی ذریعے ہیں۔ وہ یوں گم ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے
دادا اپنے آغوش تربیت میں لے لیتے ہیں۔ لیکن بچہ کا بچپن ابھی ختم
نہیں ہونے پاتا کہ وہ بھی ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں۔ گھر میں نہ نقد ہے
نہ جائیداد، نہ حکومت ہے نہ ریاست۔ خانہ ویرانی کا یہ عالم ہے، کہ
نہ ماں ہے نہ باپ۔ نہ دادا ہیں نہ دادی، نہ بھائی ہیں، نہ بہن۔
تنہا بے ساز و سامان، بے یار و مددگار، ایک نو عمر اشد کاہنڈ
ہے، جسے سہارا ہے تو اُسی نظروں سے اوجھل مولا کا، اور
آسرا ہے، تو اُسی نگاہوں سے غائب مالک کا !

۳۹ عربوں کی حالت

ملک کی حالت یہ کہ شرک کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی، ساری قوم مخلوق پرستی میں ڈوبی ہوئی، بدکاری فیشن میں داخل۔ انسانی ہمدردی کے مفہوم سے دماغ نا آشنا۔ ہر قسم کے فسق و فجور کی گرم بازارا بات بات پر لڑنا، اور پشتہا پشتہ تک لڑتے رہنا۔ یتیموں کی حق تلفی، غریبوں کے ساتھ بیدردی۔ اخلاقی و بائیں اور روحانی بیماریاں گھر گھر پر مسلط۔ یہ حد سے گزری ہوئی حالت تو خاص اُسی قوم کی اور اور اُس کے ملک کی۔

دنیا کا رنگ۔ باقی جتنی ہمسایہ قومیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی زندگی، پاکی و پاکیزگی کے معیار پر نہیں۔ مصر و ایران، چین و ہندوستان، مشہور تھا کہ یہ تمام ملک ایک زمانہ میں علم و فن تہذیب و تمدن کے گہوارے تھے، لیکن اس وقت سب کے سب اخلاقی گندگیوں اور روحانی ناپاکیوں کے زینے بنے ہوئے تھے، توحید و خدا پرستی جو سارے اخلاقی نشوونما کی جڑ ہے، سے وہی کٹی ہوئی۔ خالق کی یاد دلوں سے غائب، اور طرح طرح کے وسیلوں اور واسطوں کی پرستش ہر دل میں رچی ہوئی، متفرق طور پر کہیں کہیں اصلاح کرنے والے بھی پیدا ہوتے ہیں، لیکن سیلاب کی رو میں کس کے قدم جم سکتے ہیں؟

ظہورِ قدسی

فضائے ملک، بلکہ فضاے عالم کی اس تیرگی میں یہ نوعِ متیم کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی پاک و پاکیزہ کتابِ زندگی کے ہر ورق کو کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اور اپنی زندگی کا ایک کامل و مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے حوصلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو بھی اپنا جیسا بنایا جائے۔ ایک طرف ساز و سامان سے محرومی ہے ہر پہلو سے بیکسی اور بے بسی ہے، ہر اعتبار سے بے اختیاری ہے، اور دوسری طرف ملک و قوم کی اصلاح کی انگلیں ہیں، بلکہ کہنا چاہئے، کہ ساری کائنات انسانی کے سدھارنے کے حوصلے ہیں۔ لیکن ”اصلاح قوم“ آج کل کے مفہوم میں نہیں۔ اس لئے نہ کسی انجمن کی بنیاد پڑتی ہے، نہ کوئی پارٹی بنائی جاتی ہے، نہ کسی کمیٹی کے لئے کوئی فنڈ کھولا جاتا ہے۔ بلکہ سارا وقت، اور ساری قوت اپنے آپ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے! یہ نوع، حسین و خوش رو ہے، نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا ہے، ملک میں گھر گھر فحش و بے حیائی کے چرچے ہیں، لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیا و ارمی قربان ہو ہو جاتی ہے۔ مئے ناب کے ساغر ہر طرف جھلک رہے ہیں، پیمانہ چاروں طرف گردش میں ہے، لیکن اس کے دامنِ تقویٰ پر فرشتے تک

۴۱
نماز پڑھنے کے آرزو مند ہیں۔ لوگ لڑ رہے ہیں، یہ صلح کر رہا ہے۔ قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں۔ دنیا تحصیل و فراہمی میں لگی ہوئی ہے، اور یہ عطا و بخشش میں۔ عالم مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے، ایک اُس کے دل میں کائنات کی نو لگی ہوئی ہے۔

اصلاح کی جڑ خدا پرستی و توحید۔ ساری اصلاحوں کی بنیاد تو ایک ہی اصلاح ہے، یعنی بندہ کا مالک سے تعلق پیدا ہو جانا، اس ٹوٹے ہوئے رشتے کا جڑ جانا، اور شرک کی بھول بھلیاں سے نکل کر توحید کی شاہراہ پر آ جانا۔ یہاں بھی دھن تھی، تو اُسی کی اور فکر تھی تو اُسی کی۔ رات کی نیند، دن کی مشغولی، ہر شے اُسی کی لذت تھی۔ تڑپ اور وحی۔ آفتاب اور ماہتاب کی گردشیں اپنی اپنی میعاد پوری کر رہی ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں، اور جوان ادھیڑ ہو رہے ہیں۔ موتی صدف کے اندر اور لعل و جواہر کانوں میں نشوونما پا رہے ہیں۔ عالم قدس کا یہ دُرِ قیم چالیس برس کے سن میں اپنی پختگی کو پہنچتا ہے۔ عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ راہ ہدایت پانے کا جوش و ولولہ بھی ترقی پر ہے اور ”یافت“ کی تڑپ روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ نوبت یہ پہنچتی ہے، کہ آبادی کے شور و غل سے الگ، انسانوں کے مجمع سے دُور ایک غار کے سکون و خلوت میں ہفتوں کے ہفتے اسی سوچ بچار، اسی گرہ کی کشائش کے نذر ہونے

گتے ہیں۔ اس وقت ایک غیبی سہارا دستگیری کرتا ہے، اور منصب
 ارشاد خلق و ہدایت عالم پر سرفرازی کا پروانہ ملتا ہے۔
 کٹھن کام۔ کٹھن کام اب شروع ہوتا ہے ایک طرف ملک مجازی
 قوت و جمعیت ہے اور دوسری طرف تن تنہا ایک فرد اصلاح و ہدایت
 کا کام ہاتھ میں لینے والا صدیوں کی پڑی ہوئی خصلتوں کا چھڑانا
 سینکڑوں برس کے زنگ دلوں سے دُور کرنا، ایک دُشمن
 نہیں، ایک خاندان نہیں، ایک قبیلہ نہیں، سارے ملک
 کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنا۔ پھر زندگی کی کوئی ایک
 صنف نہیں، ہر صنف اور ہر شعبہ زندگی کو نئے سرے سے بدلنا!
 اور یہ پیام پہنچانا کہ اپنی زندگی بالکل نئی کر لو، مال دولت
 کی محبت چھوڑ دو، بخل اور بغوسی کو چھوڑ دو، حرص حکومت دہوس
 جاہ کو چھوڑ دو، اپنی جھوٹی شاعری اور موسیقی کو چھوڑ دو، رشوت
 اور سود خواری کو چھوڑ دو، خیانت اور بد معاہدگی کو چھوڑ دو،
 جوتے اور شراب کو چھوڑ دو، بیچیاں اور بدکاری کو چھوڑ دو،
 عورتوں اور غلاموں پر ظلم کرنے کو چھوڑ دو، لڑکیوں کے زندہ دفن
 کر دینے کو چھوڑ دو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے معبودان باطل
 کو چھوڑ دو۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا، کہ گویا ایک نازک
 و لطیف شیشہ کی ٹکڑ، ایک ٹھوس اور سخت چٹان سے ٹکی ساری
 شیطانی اور طاغوتی قوتوں نے اکٹھے ہو کر اس زمرہ سرے توحید پر

یلغار کر دیا۔ کنبہ والے بگڑے کہ سارے کنبہ سے یہ انوکھی بات کیسی
 زبان سے نکالی، 'برادری والے رُوٹھے' کہ باپ دادا کی ریتِ رحم
 کو کس منہ سے بُرا ٹھہرایا۔ بستی والے اُلجھے کہ امن و چین کی زندگی میں
 یہ خواہ مخواہ ایک تفرقہ و فساد کھڑا کر دیا۔ غرض خاندانِ مخالفت
 برادریِ مخالفت، شہر کی ساری آبادیِ مخالفت، وطن کے درو
 دیو اور مخالفت، اور چشمِ ظاہر میں تو یہ نظر آنے لگا کہ وہ جو اس بزمِ ہستی
 کا صدر بنا کر بیجا گیا، زمین کے ذرے اُس کے مخالف، آسمان کے
 تارے اُس کے مخالف

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اور ہم نے تو تیرا ذکر بلند کر رکھا ہے

بلندیِ ذکر کی بشارت۔ ایک طرف ادائے فرض کا احساس
 دوسری طرف مخالفتوں کا یہ ہجوم بے پایاں! عین اس وقت جب کہ
 عالمِ بشریت میں سامانِ تسکین و تسفی ممکن نہ تھا، یہ صدائے غیب
 کانوں میں آتی ہے کہ اے ہمارے پیارے اور فرمانبردار بندے
 گھبرانے اور ہمت چھوڑنے کی کوئی بات نہیں

الْمَدَنِي نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ۔ ہم نے تو تیرے اوپر وہ لطف
 و کرم کیا ہے جو کبھی کسی بندہ پر نہیں کیا تھا، موسیٰ کلیمِ اللہ کو ہم سے

لے سورہ انشراح کا زمانہ نزول بحث کے ابتدائی ایام میں ہے جبکہ مخالفت کا شباب تھا۔

شرف ہمکلامی کے بعد بھی شرح صدر کی آرزو باقی رہی، انہوں نے اس نعمت کے لئے دعا کی، تجھے یہ نعمت عظمیٰ ہم نے بلا طلب عنایت کی تیرے سینے کو اپنی معرفت کے لئے کھول دیا، اُسے اپنی نورانیت سے لبریز کر دیا، اور اپنی آیات و دلائل کو تیرے اوپر واضح و روشن کر دیا۔ اصلاح خلق کے لئے ہم تیری تڑپ دیکھ رہے تھے، یہ فکر تجھے ہلاک کے ڈالتی تھی، کہ لوگوں کو کیونکر راہ راست پر لایا جائے۔ مرام شرک سے تجھے شروع سے نفرت رہی ہے، وہ ہماری نظر سے چھپی ہوئی نہیں، اصلاح خلق کے لئے تیری دُھن، خود راہ راست دکھانے کی فکر کا بار۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ تیری پشت کو توڑے ڈالتا تھا، ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس بار سے تجھے نجات دیدی، اور یہی نہیں، کہ وحی کی روشنی دے کر خود تجھے راہ راست پوری کی پوری دکھا دی، بلکہ اس نعمت سے بھی سرفراز کر دیا، کہ دوسروں کو بھی راہ ہدایت

سبح و ب اشہاح لی صدری (طالع ۱۲) لکھ شرح الصدر امی بسط نور الہی و سکنتہ من جنتہ اللہ و روح منہ (راغب)۔ لکھ لعلک باخج نفسک الایکولوا مو متبنین (شعراء - ۱۴)۔ لکھ ولا انا عابد ما عبدتم۔
 ۱۔ دزر کے معنی بعض ارباب شرح و تفسیر نے "اٹھ" گناہ کئے ہیں، حالانکہ لغت عرب میں اس کے معنی مطلقاً "ثقل" (بار) کے آتے ہیں۔ یہاں متن میں جو پہلو اختیار کیا گیا ہے، بیضاوی نے اسی ماہ اشارہ کیا ہے۔ ہوا مائل علیہ من... ۱۰۔ واما کان بری من ضلال قومہ مع الجن عن ارشاد ہم نبویؐ نے اس سے بھی زیادہ مراجعت کے ساتھ کہہ دیا ہے کہ و زر سے مراد قوم کی بکاریاں ہیں، جن کی فکر و فتنہ آپ کو دانگیل کرتی تھی۔ و قیل ذنوب ملک فاضا فلہا الید لاشتغال قلبہ بہم (معالم دغاغان)

دکھتا رہ۔ مخالفین کے منصوبوں اور شرارتوں سے تنگ دل نہ ہونا،
 تو ہماری حفاظت میں ہے، یہ تیرا کچھ بھی نہیں کر سکتے، آج یہ نالائق اپنے
 نزدیک تجھے مٹا دینے کی فکر میں ہیں، لیکن ہم نے تو تیرا ذکر بلند کر رکھا
 ہے، پھر جس ذکر کو ہم بلند قرار دیں، کون بشر اس کی بندی کا پورا اندازہ
 وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ - کر سکتا ہے۔ یہ مخالفتیں اور یہ سازشیں
 تجھے تو کیا میٹ سکیں گی، مخالفین اور سازش کرنے والے خود ہی مٹ
 جائیں گے، اور تیرا نام ان سب کو پست و سمرنگوں کر کے خود ممتاز و بلند
 رہے گا۔

کایا پلٹ - یہ آواز اُس وقت دنیا کے سامنے بلند ہوئی تھی
 جب اسلام کے خلاف دولت، امارت، حکومت کی ساری قوتوں
 کا ایکانتھا، جب اسلام محدود تھا، تنگ دستوں اور بکیوں، ضعیفوں
 اور شکستہ حالوں کی ایک مختصر سی جماعت میں جب اللہ کا نام زبانا
 پر لانے کا انعام ملتا تھا، گالیوں اور ذلتوں، تازیانوں اور عتوتوں
 سے۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ چند ہی روز میں کبھی کبھار پلٹ
 قریش کے زور آور سردار خاک میں مل گئے۔ اُن کے حلیف اور حمایتی
 مٹ کر رہ گئے۔ دولت مند یہود کا تختہ الٹ گیا۔ اور جن کی عقل و فہم
 پر قوت و اثر پر، دولت و سرمایہ پر زمانہ کونا رہتا تھا، اُن کے نام تک
 صفحہ روزگار سے مٹ گئے۔ سارے تیرہ سو برس کی مدت میں دیا
 کہاں سے کہاں پہنچ گئی، عقل و دانش کی کتنی منزلیں، حد و حساب سے

باہر، عدد و حساب سے خارج، طے ہو چکیں۔ الحاد و مادیت کی تلمذ و کتنی
 وسیع ہو چکی۔ پر آج خالق کے نام کے ساتھ جس مخلوق کا نام
 زبانوں پر آتا ہے اللہ کے ذکر کے ساتھ جس بندہ کا ذکر کا لو
 تک پہنچتا ہے۔ وہ کسی قیصر و کسریٰ کا نہیں، کسی زار و فغور کا نہیں،
 دنیا کے کسی شاعر و ادیب کا نہیں، کسی حکیم و فلسفی کا نہیں، کسی جنرل
 اور سردار کا نہیں، کسی گیانی اور کسی راہب کا نہیں، کسی رشی کا
 نہیں، یہاں تک کہ کسی دوسرے پیغمبر کا بھی نہیں، بلکہ عبد اللہ
 کے تحت جگر آسنہ کے نورِ نظر خاکِ بطنی کے اُسی بیکس بے بس
 یتیم کا، جسے قریش کے زور آور جہل و نخوت کے نشہ میں اپنا ہی
 جیسا محض ایک مشت خاک سمجھ رہے تھے۔ کشمیر کے سبزہ زار میں
 دکن کی پہاڑیوں میں، افغانستان کی بلندیوں میں، ہمالیہ
 کی چوٹیوں میں، گنگا کی وادیوں میں، چین میں، جاپان میں،
 جاوا میں، برما میں، روس میں، بخارا میں، مصر میں، ایران
 میں، عراق میں، شام میں، فلسطین میں، ترکی میں، نجد میں،
 یمن میں، مراکش میں، طرابلس میں، ہندوستان کے گاؤں
 گاؤں میں، اور ان سب مہذب، نیم مہذب ملکوں کو چھوڑ کر
 خاص نام تمدن و مرکز تہذیب، لندن، پیرس، اور برلن
 کی آبادیوں میں ہر سال نہیں، ہر ماہ نہیں، ہر ہفتہ نہیں
 ہر روز بھی پانچ پانچ مرتبہ، بلند میناروں سے جس نام کی پکا

خالق کے نام کے ساتھ، فضائیں گونجتی ہے، وہ اُسی ایک
 سچے اور اچھے کا نام ہے، جسے بصیرت سے محروم دنیا نے ایک
 ایک زمانہ میں محض ایک ابلیس و یتیم کی حیثیت سے جانا تھا!
 رفعت ذکر کی تفسیر۔ یہ معنی ہیں ”یتیم کے راج“ کے! یہ تفسیر
 وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی۔ کسی ایک صوبہ پر نہیں، کسی ایک جزیرہ
 پر نہیں، کسی ایک ملک پر نہیں۔ دُنیا پر۔ دُنیا کے دلوں پر آج حکومت
 ہے، تو اُسی یتیم کی، راج ہے تو اُسی اُمّی کا! روشن خیال مصری دنیا
 میں قدم رکھتا ہے تو اُسی کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوا، خوش
 عقیدہ افغانی پناہ ڈھونڈھتا ہے تو اُسی اسم پاک کی، جانبا ترک
 دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اُسی کے نام کا کلمہ پڑھتا ہوا،
 اور مرا قش کا مجاہد سینہ پر گولی کھا کر گرتا ہے تو اُسی کے نام
 کی بلندی کی گواہی دیتا ہوا! شاعر اگر ان مشاہدات کے بعد بخود
 ہو کر پکار اُٹھے، کہ ہمسرا نام الہی نام ست ”تو کون اُس کی زبان پر نکلتا
 ہے! اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ“

انعامات خداوندی کا نزول

ہر سختی کے ساتھ آسانی

اس پُر قوت بشارت، اس سچی پیش گوئی کے ساتھ جو صرف
 سچے ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی تھی، قانون الہی کی یہ دفعہ بھی سناؤ
 گئی، کہ ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے، شرح صدر ہو چکا سینہ مبارک کو

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ انوار معرفت
 و سکینت سے بھرا جا چکا، وحی کی روشنی مرحمت کی جا چکی، پھر بھی عسر
 و یسر تنگی و کشائش کا قانون دائمی اور ناقابل تبدیل ہے، مفسرین
 میں سے بعض کا قول ہے، کہ پہلی کشائش سے اسی دنیا کی نعمتیں اور
 دوسری کشائش سے آخرت کی راحتیں مراد ہیں۔ اور پھر ایک
 جماعت اس جانب بھی گئی ہے، کہ ایک کشائش سے اشارہ عہد
 رسالت کی نعمندیوں کے طرف ہے، اور دوسرے سے عہد خلفائے راشدین
 کے دور اقبال کی جانب۔ یہ سب مفہوم اپنی اپنی جگہ پر درست ہو سکتے
 ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے، کہ اس تکرار سے درس ہدایت پر زور دینا
 رسولؐ اور اُمتِ دونوں کے معنی میں الگ الگ مقصود ہو۔ یعنی جس
 طرح اُس عبد کامل کو عسر کے بعد یسر حاصل ہوا، ٹھیک اُسی
 طرح اس یتیم کے پیروؤں کے لئے بھی راستہ کھلا ہوا ہے،
 تنگی کے بعد کشائش اُن کے نصیب میں بھی آنی یقینی ہے۔
 آخر میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے، کہ اب جبکہ ہم نے تم کو اس
 بار سے ہلکا کر دیا ہے، جب اصلاح اُمت کا کام بجائے اس کے
 کہ تم اپنی عقل و فکر کے ذمہ رکھو، ہم نے اپنی وحی کے ماتحت کر دیا ہے
 جب اس فکر و تدبیر کے کام سے ہم نے تمہیں فارغ و سبکدوش کر دیا
 ہے، تو بس اب تم بھی پوری طرح ہمارے احکام کو پہنچانے۔
 فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ فرافضیت

کے انجام دینے، خلقت کو راہِ ہدایت دکھانے میں لگ جاؤ، اور اس راستہ میں ہر تکلیف اور محنت کو برداشت کرو اور جس پروردگار کے تمہیں اس مرتبہ سے سرفراز کیا ہے، جس نے تمہارے لئے ہجوم مشکلات میں یہ کشائش پیدا کر دی ہے، جس نے تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر تمہارے ذکر کو یوں ہمیشہ کے لئے بلند کر دیا ہے، قناتر اس کی طرف لو لگائے رہو۔ سب سے بے پرواہ و بے نیاز، ایک اُسی کے نام کا چرچا کرنے میں، ایک اُسی کی پاکی پکارنے میں، ایک اُسی کی بڑائی کے پھیلانے میں جان و دل سے لگے رہو۔ !

یتیموں کا والی علاموں کا مولیٰ

مکہ کا وہ یتیم آج خود ہی سب سے سر بلند، اور ساری دنیا کا سرتاج نہیں، بلکہ کارِ ساز مطلق کی اس شانِ کرمی کی بلا میں لیجئے کہ اس مکی یتیم کے طفیل میں آج دنیا کے سارے یتیم، غریب سے غریب، بیکس سے بیکس یتیم اپنی اپنی ٹوٹی ہوئی جھونپڑیوں، یتیم خانوں کی کٹھڑیوں میں، بازار کی گلیوں میں، محل کے رسنے والے امیر زادوں اور شہزادوں سے کہیں زیادہ سر بلند اور کہیں زیادہ مغرر ہیں ! وہ خوش نصیب پاک بندے جن کے لئے اس ناسوتی زندگی کی قید سے رہا ہونے کے بعد چین ہی چین ہے، ان کی ایک بڑی پہچان یہ

لہ النصب، التغب (راغب) فانصب، فانتغب (بیضاوی)

ہے، کہ وہ اپنی زندگی میں مسکینوں اور یتیموں کو محض اپنے پروردگار
وَلْيَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا كِي رِضَا
جوئی کے لئے خلوص کے ساتھ، نہ کہ کسی نمائش و ریا کی غرض سے
کھانا کھلاتے رہتے ہیں! اور جن بد نصیبوں کو یہاں اور وہاں ذلت
کی نرا بھگتنی ہے اُن کا خاص جرم یہ بتا دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کے
كَلَّا بَلْ لَا تَتَكْرَمُونَ الْيَتِيمَ - ساتھ خواہ کوئی خاص بدسلوکی
نہ بھی کرتے ہوں، تو بھی کیا کم ہے، کہ وہ اُن کی پوری عزت اور
خاطر داری نہیں کرتے! شرف انسانیت کی سب سے بلند گھائی
بغیر اس کے طے ہی نہیں ہو سکتی، انسانیت کے مرتبہ کمال تک
رسائی ممکن ہی نہیں، جب تک قیدیوں اور غلاموں کو آزاد کرانے
اور بھوک کے وقت یتیموں کو کھانا کھلانے کا شعار نہ بنالیا جائے
وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكٌ دَقْبَةٌ أَوْ أَطْعَامٌ فِي يَوْمٍ
ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ - اتنا ہی نہیں، بلکہ صلی
دین یہی ہے، کہ یتیم کی خاطر مدارات عزت و توقیر کی جائے
اور جو بد نصیب یہ نہیں کرتا، وہ خواہ بہ ظاہر کیسا ہی نمازی
ہو، لیکن - أَدْرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ فَذَلِكَ الَّذِي
يَدْعُ الْيَتِيمَ - اگر یتیم کے حق کو نہیں پہچانتا، تو اپنی دنیاوی
کے دعویٰ میں جھوٹا ہے اس کی ساری مذہبیت مصنوعی اور
نامقبول ہے۔

لے یہاں جن آیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ صرف وہی ہیں، جن میں اکرام یتیم کا اخلاقی درودمانی

آج ہے دنیا کا کوئی مذہب، جس نے یتیموں کو یہ مرتبہ دیا ہو؟
جس نے یتیمی کو بجائے ایک باعث ننگ و ابغ سمجھنے کے، اس قابل رشک
درجہ شرف و احترام پر پہنچا دیا ہو؟ آج ہے دنیا کا کوئی ایسا مذہب
بجز اس ایک اکیلے، سچے دین کے، جو ایک یتیم کا لایا ہوا ہے۔؟

(باقی سلسلہ صفحہ گذشتہ)
پہلو نمایاں ہے، اور وہ بھی سب آیتیں نہیں، صرف نمونہ کے طور پر دو چار لے لی
گیں، باقی جن آیات میں یتیموں کے قانونی حقوق پر زور دیا گیا ہے، ان کا ذکر
بالقصہ یہاں ترک کر دیا گیا ہے مثلاً **وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ** (نساء - آیت ۲)
وَأَن تَقْضُوا أَلْفًا بِأَلْفٍ (نساء - آیت ۳)

وَأَن تَقْضُوا أَمْوَالَهُم بِالْقِسْطِ (نساء - آیت ۱۲) وغیرہ۔ انہوں نے
جو کچھ کہا وہ تو بہر حال سچے ہی ہیں دیکھئے یہ کہ منکر اور بیگانہ، اور قرآن مجید کو ایک
کمی یتیم کی تصنیف قرار دینے والے کی زبان کیا شہادت دے رہی ہے۔

”قرآن کو پڑھ کر سب سے زیادہ قابلِ داد چیز یہ ملتی ہے کہ محمد کو بچوں کا کس درجہ خیال
رہتا تھا خصوصاً ان بچوں کا، جو اپنے قدرتی دلی و وارث کے سایہ سے محروم ہو چکے ہوں، بچوں
ان کی تعلیم بھی ملتی ہے کہ بچوں کے ساتھ عدل و شفقت کا برتاؤ کیا جائے“ (صفحہ ۴۱)
یتیموں کے حقوق کا محمد کو خاص اہتمام تھا۔ ان کا بار بار یتیموں کا ذکر لانا اور یتیموں کے حقوق
غضب کرنے والوں، اور ان کے ساتھ نا انصافی برتنے والوں کے خلاف سخت وعیدیں
یہ سب سیرت محمدی کی اُس پاکیزہ پہلو پر دلیل ہیں، جس پر مسلمان مصنفین اکثر اور بجا طور
پر فخر کرتے ہیں“ (صفحہ ۴۲)

..... اور بھی متعدد آیتیں نقل کی جاسکتی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ محمد کو اس باب
میں کس قدر اہتمام تھا۔ حقیقتہً اس سے بڑھ کر اور کسی معاملہ پر قرآن میں زور نہیں ملتا۔
چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں میں مال یتیم کے غضب کرنے کا گناہ، کہا کر میں شمار کیا گیا۔
ان کہا کر میں جن کی تعداد عموماً صرف سات مافی گئی ہے“ (صفحہ ۴۳)
ملاحظہ ہو ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس پی ایچ۔ ڈی کی کتاب قرآن کے قوانین معاشری

یتیم کی حبت

۵۴ یہیتم کی جیت

اَنَا اعطیناک الکوثر؛ اے رسول! کوہم نے خیر کثیر عطا فرمایا
 بے بسی اور حکمت الہی۔ جو زور والے تھے، اُن کا زور توڑنے
 کے لئے، جو گھمنڈ والے تھے انھیں نیچا دکھانے کے لئے، جو حکمت
 اور حکومت والے تھے، اُن میں عبدیت کی شکستگی پیدا کرنے کے لئے
 اور سب سے بڑھ کر، اپنی بے مثال قدرت و حکمت کا بے مثال نمونہ
 دکھانے کے لئے، انتخاب اُس کا کیا جاتا ہے، جو نہ زور رکھتا ہے نہ زور
 نہ اُس کے جلو میں سوار اور پیادے ہیں، اور نہ اُس کی بغل میں علوم
 و فنون کی پوتھیاں! ایک بے یار و مددگار یتیم بچہ جس کی ولادت
 سے قبل ہی اُس کے باپ کو اٹھالیا جاتا ہے، عرب کی سرزمین پر نمودار
 ہوتا ہے اور اسے حکم ملتا ہے کہ اپنے خاندان اور اپنے قبیلہ ہی کی
 نہیں، سارے ملک کی بھی نہیں، سارے عالم کی اصلاح پر کمر بستہ
 ہو جائے! عقلیں حیران، دماغ متحیر!
 سرمایہ داروں اور سامراجیوں کے قہقہے۔ جنہیں اپنی ہندوستانی
 پر ناز تھا، انھوں نے قہقہے لگائے، جنہیں خطابت و سحر بیانی کا دعویٰ
 تھا، انھوں نے تالیاں بجائیں، جنہیں آج کل کی برہنہ تصویروں اور
 نیم برہنہ صورتوں کی طرح اپنی برہنہ شاعری پر فخر تھا، انھوں نے ادا
 کئے، مال اور جیتھے والوں کے تیور پر بل پڑے، اور جو زور و قوت دے،

تھے، وہ تن تن کر، اور اکڑ اکڑ کر میدان میں نکل آئے !

نُورِ اِظلمت کی آوِ نِش

مقابلہ زور اور ضعف کے درمیان — جسے دُنیا زور اور قوت سے تعبیر کرتی ہے، اور جسے دُنیا ضعف و ناتوانی کہہ کر پکارتی ہے — ایک طرف سامان کی فراوانی، دوسری طرف بے سُر وانی اور معاہدہ اور سازشیں، اُدھر تنہائی کی عبادتیں، یہاں ریاست و سرداری وہاں فاقہ و ناامدادی، اس طرف جاہ و محل، اس طرف فقر و توکل۔ جو اکیلا اور دُنیا کی نظروں میں بے یار ویاور تھا، اس پر خوب جی بھر کے ٹھٹھے لگائے گئے۔ اور جوشان کے اونچے اور جیتے والے تھے، انھوں نے پکار پکار کر کہا، کہ ذرا سُننا اور دیکھنا اس تخیل کو تو دیکھنا، کہ جسے جھوٹا بھی نصیب نہیں، وہ محلوں کے خواب دیکھ رہا ہے اور جو اپنی بے بسی اور بیکیسی کے دور کرنے پر قادر نہیں، وہ دُنیا کو راہ ہدایت دکھانے کا دعویٰ، اور خلقت کو جادوہ اصلاح پر لانے کا حوصلہ کر رہا ہے ! — یہ سب کرشمے وہ دکھاتا رہا تھا، جس نے فرود کا بھیجا، ایک پچھر کے ذریعے سے پاش پاش کر دیا تھا، جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی خوراک بنا دیا تھا، اور آج بھی لارڈ کچنر اور لارڈ ڈٹامس کو لے برطانیہ کے شعبہ فضائی کے وزیر ۱۹۳۱ء میں ہوائی جہازیں آگ لگ جانے سے ہلاک ہوئے۔

دم کے دم میں ڈبوتا اور جلاتا اور زارِ روس اور زارِ سبہ کو، آن کی
آن میں مارتا اور ہلاک کرتا رہتا ہے !

کفارِ قریش کی جھوٹی مسرت

قدرت اور حکمت کا تازہ ظہور یوں ہوتا ہے، کہ خداے واحد
کے اس اکیلے پرستار کا اکلوتا اور لاؤ لاجتہ، اس کی آنکھوں کے
سامنے جان دیتا ہے۔ اور جو دشمن کی بھی تکلیف کو دیکھ کر ٹپ جاتا
تھا، اس کا ننھا اور معصوم نختِ جگر اُسی کے آغوشِ شفقت میں دم
توڑ کر رہتا ہے۔ اللہ اللہ! کیا شان بے نیازی اور کیا جلوہٴ حکمت
آرائی ہے، کہ باغیوں اور سرکشوں کی، اولاد، اور اولادِ در اولاد،
پھل پھول رہی ہے، اور جو اپنے رب کا نام چنے والا ہے، اُسے
اس نعمت سے بھی محروم کیا جا رہا ہے! اُس کے پاس نہ دولت
تھی نہ حکومت، نہ اس کی کوئی بڑی پارٹی تھی، نہ اُس کے متعین
کا کوئی وسیع حلقہ، ہر طرف سے مخالفت کا ہجوم، ہر سعی و اصلاح
میں ناکامی، ہر دعوتِ حق میں بے اثری، غرض ہر دنیوی نعمت
سے محرومی چشمِ ظاہر کو پہلے ہی سے نظر آرہی تھی، لے دے کے
یہ جو آخری نعمت تھی، اب یہ بھی چھین کر رہ گئی! دُنیا ایسے مواقع
پر کیا رائے قائم کرتی؟ اُس نے وہی رائے قائم کی، جو اندھوں
لے سورہ کوثر کی سورت ہے۔

اور بے بصروں نے ہمیشہ قائم کی ہے، وہ ہنسی، وہ مسکرائی، وہ خوشی سے اچھلی اور کودی۔ عاص بن وائلؓ منکروں کا ایک سردار اور ناہنجاروں کا ایک پیشوا تھا، اس نے چمک چمک کر اور منک مٹک اپنے ساتھیوں سے کہا، کہ چلو، چھٹی ہو گئی، محمدؐ کی نسل ختم ہوئی، اور آگے نہ اس کے کام کو چلانے والا کوئی باقی رہا نہ اُس کے نام کا لینے والا، دیکھا ہمارے دیوتاؤں سے بے ادبی کرنے کا یہ انجام جنہوں نے محمدؐ کو محض گوشت و پوست کا مجموعہ سمجھ رکھا تھا، وہ اس طنز میں شاید معذور بھی تھے، کوئی کس طرح دکھا دیتا، کہ کس غصری کا لاف اپنے اندر کس روح مطہر کو ڈھانپنے اور چھپائے ہوئے ہے۔ بہر حال غیرت حق نے اس طعن کو سنا، اور اب اُس میں حرکت ہوئی، آواز آتی ہے اور وہاں سے آتی ہے جہاں نہ الفاظ کا گزر ہے نہ حروف کا پتہ، کہ یہ بے خبر اور بے بصریہ غافل اور جاہل، تیرے اوپر طعنہ زن ہیں، ان بد بختوں کو کیا خبر کہ ہم نے تجھے خیر کشیدے رکھی ہے، بھلائیوں کے خزانے درخزانے تجھے عطا اِنَّا اعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ کر رکھے ہیں۔ ساری اچھائیوں ساری خوبیوں، ساری محبوبیوں کا مالک تجھے بنا رکھا ہے تیرے لئے کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے، دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی، جسے دیتے ہو

لے قال ابن عباس و مجاہد و سعید بن جیر وقتا و
نزلت فی العاص بن وائل (ابن کشیر)

ہم ہوں اُس کی دولتندی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ جسے بخشے والے
 ہم ہوں اس کی نعمت اندازیاں کس کے شمار میں آسکتی ہیں؟ جس پر
 مہربان ہم ہوں اُس کے جاہ و جلال، اُس کے غر و کمال، اُس کے
 حُسن و جمال، اُس کے مال و منال اور اُس کے اوج و اقبال کا احاطہ
 کرنا، کس کے بس کی بات ہے؟

اَنَا اَعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ

خیر کثیر۔ دینے والا تو یہ ہوا، اور دیا کیا گیا؟ بہت اور بہت ہی
 بہت ”کوثر“ اس کوثر کی تشریح کون کرے اور کن الفاظ سے
 کرے؟ ارباب شرح و تفسیر میں سب نے اپنے اپنے مذاق کی
 پیروی کی ہے۔ کوئی کہتا ہے، کہ کوثر سے مراد، جنت کی نہر کوثر اور
 محشر کا حوض کوثر ہے اور کسی نے لکھا ہے، کہ دوسرے انبیاء پر جو
 فضیلت و سر بلندی دی گئی ہے، وہ اس سے مراد ہے بے شک
 یہ سب کچھ مراد ہوگا، لیکن لفظ کے مفہوم کی وسعت کو کیوں محدود
 کیجئے، اور کیوں نہ اُسے انہیں فراخیوں اور پہنائیوں کا حامل نہ
 دیکھے جو بخشنے والے اور عطا کرنے والے کی شان یکتائی کے شایان
 ہیں! اللہ اکبر! جن نعمتوں اور جن بخششوں کو بے تکان اور بے اندازہ
 بخشنے والا، خود ”بہت“ اور ”بہت ہی بہت“ فرمائے، اُن
 کے رتبے کی پیمائش کے لئے، انسان بے چارہ کوئی پیمانہ کہاں سے
 لائے؟ اہل لغت نے بہت ہاتھ پیر مارے کوثر کی شرح مختلف

عنوانوں اور متعدد پیرایوں سے کی، بالآخر یہی کہتے بنا، کہ
وما لا یحصى من الخیر۔ وہ اُن سب بھلائیوں پر شامل
ہے جو شمار میں بھی نہیں آسکتیں۔ اب مراد کلام واضح اور مفہوم

مشکلم ظاہر ہے۔
نسل نام لکھو کے خاتمہ کا طعنہ۔ یہ خبیث طعنہ زن ہیں کہ تیری
نسل ختم ہو رہی ہے اور تیرا سلسلہ منقطع ہو رہا ہے! تیری نسل
بھلا کبھی ختم ہونے والی اور تیرا سلسلہ کبھی قطع ہونے والا ہے؟
یہ بد باطن دیکھنے کو زندہ نہ رہیں گے، لیکن اُن کے جانشین دیکھیں گے
زمین و آسمان دیکھیں گے، جن و بشر دیکھیں گے، آفتاب
ماہتاب دیکھیں گے، کہ تیری نسل قائم اور تیرا سلسلہ دائم ہے؟
بادشاہتیں بنیں گی اور بگڑیں گی، حکومتیں قائم ہوں گی اور ٹپیں گی
شہر بسیں گے اور اجڑیں گے، قومیں ابھریں گی اور فنا ہوں گی
لیکن تیرا نام زندہ، اور تیرا کام پائندہ۔ قیامت تک قائم
اور قیامت کے بعد بھی قائم! دنیا میں تیرے نام کی وہ عورت
ہوگی، جو نہ آج تک کسی بندہ کی ہوئی، نہ آئندہ ہوگی۔ اُوپے
اُوپے میناروں سے تیرا نام، ہمارے نام کے ساتھ پکارا
جائے گا، 'وشت و جبل، صحرا و دریا، بحر و بر، شہروں اور دیہاتوں'

لے صاحب بیان العرب نے بہت سے معافی دے کر آخر میں یہ فقرہ لکھا ہے
اور مفرط الکثرة تو بہتوں نے لکھا ہے۔

آبادیوں اور ویرانوں، سمندروں اور پہاڑوں، وادیوں اور
 گھاٹیوں میں سب کہیں تیرے نام کی منادی ہوگی، تجار و عوام
 یمن و شام، حبش و مصر ایران و توران، بخارا و ہندوستان،
 چین و جاپان، روس و افغانستان، جرمنی و انگلستان، فرانس،
 امریکہ، دنیا کا گوشہ گوشہ، اور ہماری وسیع زمین کا چپہ چپہ تیرے
 نام کی پکار سے گونجے گا، ذرہ ذرہ تیرے کام کی عظمت کی گواہی
 دیگا، اور تیرا نام اُن اُن کانوں تک پہنچے گا، جو سوائیرے
 ہر دوسرے ہادی کے نام سے نا آشنا ہوں گے! آج تو ان کو
 بصروں کی نگاہ میں حقیر ہے، کل تو ہی بلند کیا جائیگا، کل
 تیری ہی عزت ہوگی، اور اُس وقت ہوگی جب سب کی عزتیں
 پامال اور سب کی شہرتیں خاک میں مل چکی ہوں گی۔ جو اپنی شہرت
 سے تجھے مانیں گے نہیں، وہ بھی کم از کم جان ضرور لیں گے۔

معنوی اولاد۔ اور تیری صلیبی اولاد کے بدلے ہم تیری معنوی
 اولاد کو ڈروں اور اربوں کی تعداد میں، اور اس سے بھی کہیں
 بڑھ کر، انسان کے شمار و اعداد میں نہ سما سکنے والی تعداد میں
 قیامت تک ایسی پیدا کر دیں گے، جو تجھے اپنے والدین سے
 کہیں بڑھ کر عزیز و محبوب، مکرّم و محترم رکھے گی، جو اپنی نجات
 تیری رضا جوئی پر موقوف سمجھے گی، جس کی ورد زبان اُٹھتے اور
 بیٹھتے تیرا ہی نام اور تیرا ہی کلمہ رہے گا۔ تیرے نام پر بے گنتی

اور بے شمار درد و پڑھا جائے گا اور تیرے نام کی تسبیحیں صبح اور شام دوپہر اور سہ پہر، ادھی رات کو اور پچھلے پہر، دن اور رات کے ہر لمحہ میں پڑھی جاتی رہیں گی! تیرے نام کو وہ ادب اور وہ احترام ہوگا جو کسی لڑکے نے اپنے باپ کا نہ آج تک کیا، نہ آئندہ کریگا۔ ہم نے بہتوں کو غزتیں بخشی ہیں، بہتوں کے مرتبے بلند کئے ہیں، بہتوں کو سرداریاں عطا کی ہیں، لیکن جو مرتبہ تجھے عطا ہو رہا ہے، وہ بس تیرے ہی ساتھ مخصوص ہے۔

سیرت پاک کی عظمت

تیرے منہ سے نکلے ہوئے بول ایک ایک کر کے جمع کئے جائیں گے، اور اس شغف و اہتمام، تحقیق و استناد کے ساتھ جمع کئے جائیں گے کہ ان کی کوئی نظیر دنیا کی کوئی تاریخ کوئی تذکرہ کوئی ملفوظ، کوئی سوانحی نہ پیش کر سکے گی۔ تیری سیرت اور تیری تاریخ اس تفصیل و جامعیت کے ساتھ دنیا کے حافظہ میں محفوظ رکھی جائے گی، جس کی مثال نہ کسی بادشاہ، شوکتا کی سیرت میں ملے گی، نہ کسی نبی و ولی کے تذکرہ میں، تیرے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے ہنسنے، سونے جانے، کھانے پینے،

لے ادب۔ احترام دہی ہے جو مروج کے شاہانِ شان پریشلا یہ کہ رسول کہ کچا راجا نہ یہ کہ اُسے ابنِ اللہ یا اوتار وغیرہ مانا جائے لگے۔ یہ تو صریح توہین ہوئی نہ کہ تعظیم۔

سب کا ایک ایک جزیئہ محفوظ رکھا جائے گا۔ کروڑ ہا کروڑ، اور
 ارب ہا ارب بندے اپنی نجات تیرے ہی نقش قدم پر چلنے سے
 وابستہ سمجھیں گے، بیسیوں اور سینکڑوں کتابیں تیرے ملفوظات اور
 تیرے معمولات پر تالیف کی جائیں گی، اور ہزار ہا ہزار اُن کی تشریح
 تیار ہوں گی اور خود تیری ذات تو بڑی چیز ہے جنہوں نے تجھے کبھی
 دیکھا، بلکہ جنہوں نے تیرے دیکھنے والوں کو دیکھا انہیں بھی زندہ
 رکھا جائے گا، انہیں بھی ممتاز و سر بلند کیا جائے گا، اُن کی سیرتیں
 بھی تاریخ کے نگار خانہ میں من و عن محفوظ رکھی جائیں گی۔ دُنیا
 بڑے سے بڑے فلسفیوں کو، بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھول
 جائے گی، لیکن نہ بھول سکے گی تو اُس اُن پڑھ اور فاقہ مست
 بدوی کو جس کی خصوصیت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تیسرے
 دیدار جمال سے مشرف ہوا ہے! آرا و سکندر، چنگیز و جولین،
 پپولین، موسولینی، جالینوس و بقراط، فیثاغورث و سقراط، ارسطو
 و افلاطون، نیوٹن و اسپنسر، اپنے علم و عمل کے بڑے بڑے کارنامے
 اپنی دانش پر وہیوں اور اپنی فتنہ دیوں کی بڑی بڑی یادگاریں،
 اپنے نزدیک دُنیا کے لئے چھوڑ کر جائیں گے۔ ان سب کی یاد دہانی
 رفتہ بھلا دی جائے گی، یہ سارے نقش دیکھتے دیکھتے ماند پڑ جائیں گے،
 اور لوح دہر پر نقش قائم رکھا جائے گا تو تیرا اور تیرے غلاموں کا
 اور تیرے غلاموں کے غلاموں کا!

رسول اللہ کی نام لیبو معنوی اولاد

تو ان پڑھ ہے اور حروف و کتاب سے نا آشنا، لیکن تیری عظمت کی گواہی دینے والے وہ ہوں گے، جنہیں ناز اپنے علم و فضل پر اور دعویٰ اپنے کمال فن کا ہوگا، کچھ لوگ تیرے اقوال و ملفوظات کی جمع و تحقیق اور ان کی شرح و تفسیر میں اپنی اپنی عمر بسر کر دیں گے اور ”بخاری و مسلم“ ابن حجر و ابن جوزی کی طرح محدثین کے گروہ میں محصور ہونا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھیں گے، ایک گروہ تیرے بچے ہوئے احکام کی جانچ پڑتال، اور ان سے استنباط جزئیات کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دے گا اور ابو حنیفہؒ و شافعیؒ، مالکؒ و ابو یوسفؒ، نخعیؒ و دفرنیؒ کے مثل افتاء و تفقہ کو اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرے گا۔ ایک جماعت، تیری باطنی تعلیمات کی ولدادہ ہو کر راہِ سلوک و مجاہدہ میں پڑ جائے گی، اور کتنے ہی جنیدؒ و شبلیؒ، جبیلانیؒ و اجیمیریؒ، تیرے ہی شعل سے اپنے اپنے چراغ نسلاً بعد نسل جلاتے رہیں گے رومیؒ و سعدیؒ حافظؒ و سنائیؒ اکبرؒ و اقبالؒ، اپنے شاعرانہ کلمات کو تیری غلامی پر نثار کر دیں گے۔ ابو حامد غزالیؒ اور وئی اللہ و ہلویؒ اپنی سر بلندی تیرے ہی بتلائے ہوئے حقائق و اسرار کی تشریح و ترجمانی میں سمجھیں گے۔ اور رازیؒ و طوسیؒ، فارابیؒ و ابن سینا کو عقل و دلیل کے طوفان میں اگر پہناہ

کہیں ملے گی، تو تیرے ہی دامن کے سایہ میں! حدیث، اصول، فقہ، سلوک، تصوف، کلام، کتنے ہی فن مخصوص تیرے ہی سلسلہ کی خدمت کے لئے عالم وجود میں آئیں گے اور علوم و فنون کے کتنے ہی علمبردار، ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں، اپنی تحقیق و کاوش کو تیری خدمت کے لئے وقف رکھیں گے! برلن اور پیرس اور لندن تیرے اور تیرے دین کے دشمنوں کے پایہ تخت ہوں گے، لیکن تیرا نام، ہمارے نام کے ساتھ ان شہروں میں بھی ہر روز اور ہر روز بھی پانچ پانچ وقت، بلند ہوتا رہے گا، اور ہمارے عطا کوثر کی شہادت بہم پہنچاتا رہے گا۔!

ظہورِ نتائج

یہ سب کچھ آب و گل والی دُنیا میں ہوگا، اور ہوتا رہے گا اور اسے ناسوت والے اپنی مادی آنکھوں سے برابر دیکھتے رہیں گے، باقی جو کچھ اس عالم کے خاتمہ کے بعد، ہماری طرف مراجعت کے بعد ہوگا، اُس کے فہم و ادراک کے لئے تو ان شامت زدوں نے اپنے پاس کوئی ادنیٰ سا ذریعہ بھی باقی نہیں رکھا ہے قرآن و نبوت کے اندر جو گہری اور حقیقی نعمتیں جھلک رہی ہیں، اور شفاعتِ کبریٰ و لوائے احمد، حوضِ محشر و نہرِ حنّٰت، کی نعمتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ تو اُسی وقت ہوگا، جب یہ حقیقتیں پردہ غیب سے نکل کر

شہود میں آچکیں گی، اور افسوس ہے کہ اُس وقت کی حسرتیں اور
 ندامتیں، پشیمانیاں اور پریشانیاں، کچھ اُن کے کام نہ آئیں گی،
 لیکن اس مادی دُنیا میں، جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے ظہور
 کے لئے تو زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں، جلد اور بہت جلد پردہ
 آنکھوں سے ہٹنے کو ہے اور سب کو نظر آ جانے کو ہے، کہ ایک اولاد
 صلیبی کے عوض میں بیشمار وبے حساب اولاد معنوی تجھے دیکر، تیرے
 نام کو چپکا کر تیرے کام کو پھیلا کر، ”عطار کوثر“ کا مشاہدہ
 اسی دُنیا میں کیونکر کرادیا جاتا ہے۔ !

حقوق اللہ اور حقوق العباد

نماز اور قربانی

غرض دینے والا وہ جس کا نہ کوئی ثنائی نہ کوئی شریک
 نہ کوئی مثال نہ کوئی عدیل۔ اور دیا گیا وہ، جو نہ پہلے کسی پانے
 والے کو ملا تھا، اور نہ آئندہ کسی خوش نصیب کے نصیب میں
 آئے گا۔ لیکن لینے والا بھی کون تھا؟ وہ نہیں جو اس
 لطف و کرم، جو دو عطا، فضل و بخشش سے بھول میں اگر غفلت
 میں پڑ جائے اور اپنے تعلق باللہ کو ذرا بھی ماند پڑنے دے، اُس کی
 طبع سلیم کا یہ فطری تقاضا ہے، اور عین اُسی کے مطابق اُسے حکم
 بھی ملتا ہے کہ وہ برابر **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَاسْتَغْطِ** اپنے پروردگار
 کی یاد میں لگا رہے اُس کے لئے نمازیں پڑھتا رہے اور قربانی

کرتا رہے۔ الفاظ میں تصریح صرف دو عبادتوں کی آتی ہے، ایک نماز دوسری قربانی۔ لیکن یہی دو عبادتیں، خلاصہ ہیں ساری عبادت کا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی ساری صورتوں کی جامع، نماز ہے، اور حقوق العباد کا لب لباب قربانی میں آگیا، اور رسولؐ کو یہ ہدایت کر کے، اُمت کے لئے بھی یہ اشارہ کر دیا گیا کہ جب فضل و کرم کی بارش ہونے لگے، تو ادائے شکر کا بہترین طریقہ یہی ہے، کہ ادائے حقوق الہی و ادائے حقوق عباد میں اور زیادہ توجہ و التفات شروع کر دیا جائے نہ یہ کہ انہی طرف سے غفلت برتی جانے لگے۔

یتیم مکہ کی فتح مُبین

سرچشمہ حق و صداقت کی پیشگوئی کے ایک حصہ کو پورا ہوتے دوست و دشمن، سب ساڑھے تیرہ سو سال سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، لیکن دوسرا جزو بھی اپنی سچائی میں کچھ کم اثر انداز نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اور عین اُس وقت کہ جوش مخالفت اور مخالفتیں کے اقتدار و قوت کا شباب ہے، بے دھڑک اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ اِلَّا بُتْرًا۔ اور بلا جھجک ارشاد ہوتا ہے: کہ بے نام و نشان رہ جائیں والے تیرے دشمن ہی ہیں! آج ان کو رباطوں کو اپنی کثرت آل و اولاد پر غرہ ہے، اپنی

اقبال مندی اور کامرانی کا دعویٰ ہے، اپنے پھلنے پھولنے پر نیاز ہے، تیری اولاد کی وفات پر طعنہ زن ہیں، کہ تو بے نام و نشان بگیا، بے نام و نشان رہ جائیو لا تو نہیں، بلکہ یہ خود ہیں، بے سلسلہ رہ جائیو لا تیرا کام نہیں، خود اُن کا کام ہے، مٹ جانے والا نام تیرا نہیں، اُن کا نام ہے، بجھ جانے والی روشنی تیری نہیں، انکی ہے، اور جنگی اولاد صلیبی و معنوی نیست و نابود ہو کر رہے گی، وہ تو نہیں یہ خود ہیں۔ میٹ جائیں گے انکی اولاد برباد کر دی جائیگی، انکے گلشن تاراج کر کے رکھ دے جائیں گے، انکی نسلیں خاک میں ملا دی جائیں گی۔ یہ ناموری کے بھٹو کے ہیں، انہیں گناہ دے نشان کر دیا جائیگا۔ تاریخ انکے نام پر لعنت بھیجے گی، انسانیت اپنا شجرہ نسب ان سے جوڑتے شرمائیں گی۔ کوئی نہ اُن کا نام لینے والا رہے گا۔ نہ ان پر فاتحہ پڑھنے والا۔

دُنیا نے چند ہی روز کے بعد کیا نظارہ کیا، اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں کیا دیکھتی چلی آ رہی ہے؟ ابو جہل کی قبر کا بھی کہیں نشان ہے؟ ابو لہب کا ”فرار“ کوئی آج تک تلاش کر سکا ہے؟ عاص بن وائل کی اولاد آج دُنیا کے کسی خطہ میں آباد ہے؟ اُمیہ بن خلف کے کارناموں کی داد آج تاریخ کے کون سے طلبہ دے رہے ہیں؟ ولید بن مغیرہ کے فضائل و مناقب کا چرچا آج کسی کی زبان پر ہے؟ عقبہ کی اولاد آج دُنیا کے کسی گوشہ میں آباد ہے؟ رؤساء قریش کی ریاست اور سردارانِ مکہ کی سرداری کی کہیں گرد تک بھی باقی ہے؟ روئے زمین کے کسی خاندان کو آپ نے پایا ہے

جو اپنا شجرہ نسب ان باغیوں اور طاعیوں سے جوڑ رہا ہو؟

درد و سلام

انہیں بھی چھوڑیے، انکے بعد سے اس وقت تک صدیوں کے طویل عرصے
زمانہ کا جائزہ لے ڈالئے ہر ملک و رہ دور کی تاریخ کو دیکھ ڈالئے محمدؐ سے جس نے
دشمنی کی، اس کا کیا انجام ہوا؟ کسی کی قسمت میں عزت و ناموری آئی؟ جس کی
مدح اللہ نے کی، جسے اللہ نے ”مدح کیا گیا“ کہہ کر پکارا، اُس کی ہجو کو جو بھی
اُٹھا، خود لڑکھڑا کر گرا جو اس سے ٹکرایا، پاش پاش کر دیا گیا۔ جس نے اُس
سے گت خنی کی جرات کی اُسے پامال کر دیا گیا۔ جسے لاولدی اور لاولدی
کی بنا پر گناہی اور بے نشانی کا طعنہ دیا گیا تھا، دنیا دیکھ رہی ہے اور
ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے دیکھتی چلی آرہی ہے، کہ وہ سب سے زیادہ
وسیع العیال اور کثیر الاولاد ہے، جس کی بیسی دگنامی پر مبنی اڑائی گئی
تھی، وہی ناموری کا سردار شہرت والوں کا سرتاج ہے۔ جسکے نام کو مردہ
سمجھ لیا گیا تھا، اُسی کے نام پر درد و سلام ہیں، اُسی کا توسل باعث
نجات، اور اُسی کا نام اللہ کے نام کے ساتھ بلند و ممتاز!

۲ تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

تیور اور مار گولیس، وہاؤسن اور سیل مغرب میں، اور اُن جیسے ہزاروں
اور لاکھوں بد بخت مشرق میں مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی، اس عزت ناموری کو
حاصل کر سکتے ہیں؟ اور اپنے نام کو، اور اپنے کام کو، مردہ ہونے سے بچا سکتے ہیں؟

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

دور اسے

دوراستے

دنوں کی اقلیم میں انقلاب منکروں کا اقرار۔ مہینوں کی تپش و تابش، لُؤ اور لپٹ، تڑاتے اور جلاپے کے بعد، جب برسات کی ہوائیں چلتی ہیں، تو کالے کالے بادل اُمنڈ اُمنڈ کرتے ہیں، اور جل تھل بھر جاتے ہیں۔ سالہا سال کی سختیوں اور آزمائشوں، امتحانات، ابتلاآت کے بعد، جب مشیت مطلقہ کو، اُس مشیت کو جس کے اوپر کوئی مشیت نہیں، منظور ہوا کہ مُردہ میں جان پڑ جائے اور سوکھی ہوئی کھیتی لہلہا لگے، تو نیتوں کے رُخ پلٹ دئے، اور دلوں کی اقلیم میں انقلاب برپا کر دیا۔ جو گردیں اُڑ رہی تھیں، وہ جھٹکیں، اور جو زبانیں انکار پر اُڑ رہی تھیں، وہ اقرار کا کلمہ پڑھنے لگیں۔ جو قلوب اپنی سختی و قسادت میں پتھر کو شمار رہے تھے، وہ پانی ہو ہو گئے۔ اور جو جہنم کے شعلوں کے لئے تیار ہو رہے تھے، وہ جنت کے ٹکٹ کی خریداری کو لپک لپک کر بڑھے۔ مکہ کی سرزمین جو توحید کے منادی کرنے والے پر تنگ ہو چکی تھی، اب اُسی بے بس و بے کس یتیم کے جاہ و جلال، فتح و اقبال کے سامنے اپنی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کے ساتھ پیش ہوئی، اور خانہ کعبہ کا دروازہ اُسی ہجرت کر جانے والے پر دیسی کے ہاتھوں، نہیں بلکہ اُسکے خادموں اور خدمتگزاروں کے ہاتھوں کھل کر رہا۔ جس اللہ کا نام زبان

الہ
 لانا منع تھا، اب اُسی کی بڑائی کی پکار عرب کے گوشہ گوشہ میں
 گونجی، اور اس کے جس بندہ کو مکہ نے حقیر جانا اور طائف نے
 تمسخر کیا تھا، اُسی کی سچائی اور عظمت کی شہادت دینے پر اب
 مکہ و طائف، نجد و حجاز، یمن و عمان، دثرت و جبل کے
 پیر و جوان، زن و مرد، غول کے غول، خیل کے خیل، جھپٹ جھپٹ
 آگے بڑھنے لگے! جس مجبور و مبکیں کو، اپنا عزیز و محبوب وطن، بالفاظ
 گبن، راتوں رات، صرف ایک رفیق طریق کی معیت میں چھوڑنا پڑا
 تھا، وہ اُس شہر میں، جس کے در و دیوار تک اُس کی عداوت کا

لہ گبن، مشہور انگریز مورخ ہو ا ہے۔ رومہ کی ضخیم تاریخ میں، اسلام اور شارع اسلام
 کا بھی ذکر کیا ہے۔ واقعہ ہجرت کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔
 اب مکہ کی سردار سی امیہ کے خاندان میں آئی، اور ابوسفیان کو ملی جو خاندان
 ہاشم کا جانی دشمن اور مذہب شرک کا زبردست طلبہ دار تھا۔ اس نے پیغمبر کی قسمت
 کے فیصلہ کے لئے ایک مجلس قریش اور اُنکے حلیفوں کی منعقد کی۔۔۔۔۔ فیصلہ قتل کا ہوا اور
 قرار یہ پایا، کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص اُنکے قلب میں تلوار بھونکے، تاکہ قصاص لینا ہی ہاشم
 کے لئے آسان نہ رہ جائے۔ کسی فرشتہ یا جاسوس نے سازش کی خبری کر دی، اب پیغمبر کے لئے
 ہجرت کر وطن کے کوئی چارہ نہ تھا۔ رات کی تاریکی میں، محض ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر
 چپکے سے اپنے گھر سے نکلے۔ (باب ۵۰) مکہ میں فاطمہؓ نے داخلہ بھی اسی کی زبان سے
 سننے۔ ”جوش و خروش اور نظم و باقاعدگی نے کوچ کو بھی جاری رکھا، اور راز کو
 بھی قائم رکھا، تا آنکہ دس ہزار تلواروں کی چمک دمک نے حیرت زدہ قریش
 کو بے قوت دشمن کی آمد پر چونکا دیا۔ مغرور ابوسفیان نے شہر کی کنبیاں
 لا کر حوالہ کر دیں، اور اُس کے سامنے سے پرچموں اور ہتھیاروں کے جو جٹوں
 پر جلس گزر رہے تھے، اُنھیں دیکھ دیکھ عس کر تار ہا (ایضاً)

عہد کر چکے تھے، اُس کے آٹھویں ہی برس اس شان سے داخل ہوا کہ دس ہزار آہن پوش جاں باز اُس کے جلو میں تھے، اور کوکبہ نبوی کا منظر اس جاہ و جلال کا تھا، کہ بڑے سے بڑے دشمن اسلام کی آنکھیں خیرہ ہو ہو کر رہ گئیں۔ ایک مورخ ان الفاظیں نقشہ کھینچتا ہے۔

”شکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا، تو آنحضرت صلعم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا، کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر کھڑا کر دو، کہ افواج الہی کا جلال اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر ہبنہ، پھر ندیم، پھر سلیم، ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تبکیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتا تھا۔ سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سرد سامان سے آیا، کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعۃً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے، اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اُٹھے، الیوم یوم المہمۃ الیوم تتحل الکعبہ (آج گھمان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائیگا)

سب سے اخیر کو کبہ نبوی نمایاں ہوا، جس کے پر تو سے سطح خاک پر لوزر کا فرش بچھتا جاتا تھا۔ حضرت زبیر بن العوام

علیہ السلام تھے۔
(سیرۃ النبی، شبلی، جلد اول، ص ۲۷۷)
باطل کی سرداری ختم۔ چند سال کے اندر دیکھتے دیکھتے دنیا کی کایا پلٹ ہو چکی تھی۔ اب راج تھا، تو مکہ کے اسی اُمی کا، اور جیت تھی، تو بنی ہاشم کے اسی یتیم کی۔ ابو جہل کی فخاری، عقبہ کی سرداری، ابو لہب کی ریاست، سب نیا نیا ہو چکی تھی اور عاص بن وائل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ کے بھائی اور بھیجتے، بیٹے اور پوتے، اگر کہیں تھے، تو اس آرزو و دنیا میں دوڑتے ہوئے، کہ اللہ کے رسول کی رکابوں کو چومیں، اور خاک پا کو آنکھوں سے لگائیں!

نصرت الہی۔ یہ عجیب و غریب نظارہ، عالم رویا، و منام میں نہیں، نگاہ کشفی و عرفانی سے نہیں، اسی عالم حس و بیداری میں، انہیں مادی آنکھوں سے دکھایا گیا۔ اور دکھانے کے ساتھ ہی جتنا بھی دیا گیا، کہ یہ جو کچھ ہوا، محض نصرت الہی سے ہوا، نصرت کا وعدہ شروع ہی سے تھا، نصرت علم باری میں مقدر ہو چکی تھی جب اس کی گھڑی آئی، نصرت اپنے عین وقت پر ظاہر ہو کر رہی۔

لہ و معنی محیی النسلان جمیع الامور مرتبطة باوقاتہا يستحيل تقدمها عن وقتها
او تاخرها عنه فاذا جاء الزمان وقت المعین حضرت معه ذلك الامر المقدّر (خازن کیا)
وانما عبر عن الحصول بالحق سبحانه و تعالیٰ بالانطلاق من المقدرات متوجّهة من الانهال الى الوقایة
المعينة لها فتقرب منها تلبیاً نشیئاً۔ (بیفادی)

اذا جاء نصر الله والفتح - ورنہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی اپنے غم و ہمت، اپنی سعی و زور بازو سے، ممکن نہ تھا کہ اتنا زبردست و عظیم الشان انقلاب پیدا کر سکتا۔ اور فتح، اسی نصرت الہی ہی کے نتیجہ کے طور پر، ظاہر ہو کر رہی۔ نصرت کا رنگ تو لطیف و خفی ہوتا ہے، اس کا ادراک تو صرف صاحب بصیرت ہی کر سکتے تھے، فتح کا ظہور ایسا مادی اور اس قدر نمایاں اور کھلا ہوا ہو کر رہا، کہ عامی سے عامی نے بھی اسے دیکھا، اور غبی سے غبی بھی اس کو سمجھ کر رہا۔ پھر نرمی ”فتح“ تو دوسروں کے لئے بھی ممکن ہے۔ جموں کے فاتح تو دنیا میں اور بھی ہوئے ہیں۔ یہ نبیؐ کی فتح تھی، اللہ کے سب سے بڑے پرستار کی فتح تھی۔ سکندر اور چنگیز، نبولین اور ہنڈن برگ کی فتح نہ تھی۔ یاد یہ نہیں دلایا جاتا، کہ ملک کا رقبہ اتنا وسیع ہوا۔ خراج کی رقم میں اتنے کا اضافہ ہوا، ”رعایا“ کی گنتی اتنی بڑھی، بلکہ مخاطب کے خاص مذاق پیمبری کی رعایت سے ارشاد یہ ہوتا ہے، کہ اس

لہ فتح عربی میں چیز کے کھل جانے اور دشواری کے حل ہو جانے کو کہتے ہیں۔ الفتح ازالة الاعلال والاشكال۔ راغب نے لکھا ہے کہ اسکی دو بڑی نہیں ہیں۔ ایک درجہ بالا آنکھوں سے نظر آتی ہے، مثلاً دروازہ کا کھلنا، قفل کا کھلنا، وغیرہ۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو صرف چشم بصیرت سے نظر آتی ہے۔ پھر خود اسکی متعدد درجیں ہیں۔ اور ہر معنی کے استشہاد میں کلام مجید کی آیات پیش کی ہیں۔ اور سورۃ الفتح میں فتح حسین سے مراد علوم و ہدایات نبویؐ سے لی ہے۔ عنی ما فتح علی النبی من العلوم واللہ آیات النبی ہی ذریعۃ الی الثواب والمقامات المحمودۃ۔

فتح کے آثار میں تم نے سب سے بڑا اور نمایاں اثر یہ دیکھ لیا، کہ
 و مرايت الناس يدخلون في دين الله أفواجاً
 جس دین میں شامل ہوتے لوگ اکٹا دکا بھی ڈرتے تھے، اُس میں
 اب فوج کے فوج، جوق جوق، گھرانے کے گھرانے حملہ کے حملہ
 قبیلہ کے قبیلہ، کھلے خزانے، ہانکے پکارے، بے دھڑک اور بلا
 جھجک شامل ہو رہے ہیں! اور شامل کا ہیکو ہو رہے ہیں، کسی
 انسانی جتھے کی تقویت کے لئے نہیں، قبیلہ، قوم، ملک، رنگ،
 نسل، وطن کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے نہیں، ”یشلزم“ کے نام
 پر جینے اور مرنے کے لئے نہیں، بلکہ فی دین اللہ، محض اللہ کے نام
 کی پاکی اور بلندی کے لئے، توحید کی پرستاری کے لئے! لوگ
 سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں، ہتھیار نہیں رکھ رہے تھے،
 سیاسی محکومی کے اقرار نامے نہیں لکھ رہے تھے، مسلمان ہو رہے
 تھے، توحید کا کلمہ پڑھ رہے تھے، نجات و فخران کے پروانے چل
 کر رہے تھے۔ اور کل تک جس نور حق کے خون کے پیاسے تھے
 آج اُسی شمع کے گرد پروانہ وار خود شاربو جانے کو آگے بڑھ رہے
 تھے! دُنیا نے ”فتوحات“ بہت سی دیکھی ہیں، ایسی حیرت انگیز
 ”فتح“ بھی چشم تاریخ نے کہیں دیکھی ہے؟ اس عجیب و غریب
 فتح کو بجز نصرتِ آہلی کے اور کسی شے پر محمول کرنا ممکن ہے؟
 دنیا جب فتح مند ہوتی ہے، تو عام طور پر، کیا کرتی ہے؟

اچھلتی ہے، کودتی ہے، ناچتی ہے، گاتی ہے، باجہ بجاتی ہے، جشن مناتی ہے، کھاتی ہے، کھلاتی ہے، پیتی ہے، پلاتی ہے۔ یہ فتح جس طرح اپنی ذات میں بے نظیر تھی، اپنے ثمرات و عواقب کے لحاظ سے بھی بے نظیر رکھی گئی۔ حکم یہ نہیں ملتا، کہ اس فتح کی خوشی میں شہر کو چراغاں کیا جائے، کوئی جلوس نکالا جائے، جلسے اور مظاہرے کر کے تجویزیں پاس کی جائیں، بلکہ ارشاد یہ ہوتا ہے، کہ اے پیغمبر اب دین کی تکمیل ہو چکی، فصیح بحد ربك واستغفرہ، انتہا کا نواجا۔ فریق نبوت تمام ہو چکے، پیام کی منادی تم کر چکے، حق کے لئے اور خالق کے حکم سے، خلق کی جانب، اپنے دل پر جبر کر کے بہت رجوع رہ چکے، بس اب وقت ہے، کہ اپنے اصلی ذوق کے مطابق، صورتہ بھی تمام تر حق ہی کی طرف رخ کرو، خالق ہی کی جانب، رجوع ہو جاؤ، اُسی کی حمد کی تسبیح میں لگ جاؤ، اُسی سے استفادہ شروع کر دو، اُسی سے اپنی حفاظت کی دعائیں کرنے لگو، وہ تمہارا رب، جو تمہارا اور سب کامیابی بخشتا ہے، بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، بڑا ہی رجوع بہ رحمت کرنے والا ہے! تعمیل کی شان۔ سبحان اللہ کیا شان بے نیازی ہے اور کس وجہ

لہ استغفار کے معنی، لغت میں، حفاظت طلب کرنے کے بھی آئے ہیں بعض مفسرین نے استغفار سے امت کے لئے استغفار مراد لیا ہے۔

تکبیل عبدیت مقصود ہے! استغفار کا حکم اُسے مل رہا ہے، جو خود دوسروں کی مغفرت کرائیگا، اور توبہ قبول ہونے کی بشارت اسے دی جا رہی ہے، جو معصوم ہی نہیں معصوموں کا سردار ہے! لیکن صلّ علی، بندہ بھی کیسا تھا، اپنے مولا کا عاشق زار! حکم کی تعمیل معنًا تو جس طرح کی ہوگی، اُس کا حال اہل معنی ہی جان سکتے ہیں، لفظًا اس طرح کی، کہ اُٹھتے اور بیٹھتے، اور آتے اور جاتے، کوئی وقت ایسا نہ تھا، کہ زبان، سبحان اللہ و بجدہ کے ورد سے نا آشنا رہنے پائی ہو، اور کلمات استغفار کی کثرت اس کے علاوہ احکام میں مخاطب گو پیمبر ہوتے ہیں، لیکن مراد امت ہوتی ہے، جب فتح و نصرت، غلبہ و کامرانی کے موقع پر رسول تک کو حکم شیخ و استغفار کا ہے، تو غیر معصوم افراد امت کے لئے، ان احکام کی تعمیل کتنے زائد درجوں میں ضروری ہوگی!

لے شعبی عن ام سلمہ قالت کان رسول اللہ صلعم فی آخر امرہ لا یقوم ولا یقعد لا مذہب ولا یحیی الا قال سبحان اللہ و بجدہ فقلت یا رسول اللہ انک یکتو من سبحان اللہ و بجدہ مذہب ولا تجب ولا تقوم ولا تقعد ان قلت سبحان اللہ و بجدہ قال اتی امرت بہما فقال اذا جاء نصر اللہ الی آخر السورۃ (ابن جریر)
لے مسروق عن عائشہ قالت ما صلی النبی صلعم صلاۃ بعد ان نزلت علیہ اذ اجاب اللہ والفتح الا یقول فیہا سبحانک ربنا و بجدک اللہم اغفر لی (صحیح بخاری)
لے ایک جماعت مفسرین کا خیال ہے، کہ استغفار کا جو حکم رسول کو ملا ہے، اُس سے مراد امت کے لئے استغفار ہے، وقیل استغفرہ لا یمتک (بیضاوی) وقیل المہاد منه الا استغفار لذنوب امۃ و هذا ظاہر (غازن)

حق پرستوں کا راستہ - ایک راستہ یہ تھا۔ یہ حق پرستوں کا راستہ تھا۔ صرف ”تھا“ یہ صیغہ ماضی نہیں، ”ہے“ بہ صیغہ حال بھی جس طرح ہمیشہ کھلا ہوا تھا آج بھی کھلا ہوا ہے۔ حق کی پرستش بیکار نہیں جاتی، اور راہ کی منزلیں کتنی ہی دشوار گزار، اور آزمائشیں کیسی ہی سخت ہوں، آخری فلاح و کامیابی حق پرستوں ہی کو ہو کر رہتی ہے۔ قرآن پاک، واقعات تاریخی کا رجسٹر نہیں، ہدایت و رہنمائی کا نسخہ ہے، دُنیا کے سارے حق پرستوں کے سردار کی مرکزِ سنا کر بتادیا، کہ راہ حق پر چلنے والوں کے لئے یہ نقشہ تقدیر ہے۔ پہلے ”عسر“ پھر ”یسر“ پہلے بے بسی و بیکسی، پھر قوت و عظمت پہلے یتیمی و بے سامانی، پھر غلبہ و کامرانی - پہلے ہجرت، پھر فتح و نصرت، شرط صرف یہ ہے، کہ حرا کی غار نشینی نظر انداز نہ ہونے پائے اور سخت سے سخت بیچارگی میں، لائحہ عمل ان شاء اللہ معنا کہنے والے کی طرح، ”کسی“ کی معیت کا سرِ رشتہ تصور ہاتھ سے نہ چھوٹے !

خود پرستی کا راستہ - لیکن دنیا میں یہی ایک راستہ نہیں۔ ایک دوسرا راستہ ٹھیک اسی کے مقابل، مادیت و خود پرستی کا ہے۔ یہاں تو کل علی اللہ پر تہمت لگائے جاتے ہیں، اور اعتماد اپنی قوت پر کیا جاتا ہے۔ یہ راہ خودی کی ہے، یہ راہ دولت و حکومت، جاہ و ثروت، عزت و وجاہت والوں کی ہوتی ہے، یہاں کلیسیائی

نتیجہ سمجھی جاتی ہے، زرپاشی کا، پارٹی بندی کا، ”خوش تدبیروں“ کا مہذب دور کی مہذب اصلاح میں ”کنوینگ“ کا! ہر روز، اپنے مقابل، ٹھیک اسی درجہ کی ظلمت کو چاہتا ہے۔ مکہ کا یتیم، جو خیر محض، نور مجسم بنا کر بھیجا گیا، اُس کے مقابلہ پر، جو شہر محض، ظلمت مجسم بن کر اُٹھا، وہ نسا و قراۃ کوئی غیر نہیں، اور دوس سے بڑھ کر اپنا، یعنی اُس داعی حق کا چچا ہے، ریاست مکہ کا رئیس ہے، صرف دنیوی ہی نہیں، بلکہ دینی بھی۔ اہل مکہ کا لیڈر ہے، اور خانہ کعبہ کا متولی! اس کے جاہ و اثر، اقتدار و وجاہت کا کیا پوچھنا اور ہر صفا کے ٹیلہ پر چڑھ کر پیمبرِ برحقؐ نے، اپنے عزیزوں و قریبوں کو اپنا پیام سنانا چاہا، کہ اُدھر اس دشمن حق نے اپنے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر کوسا، کہ ”اے محمدؐ، تو ہلاک ہو، کیا تو نے ہمیں بس اسی کے لئے اکٹھا کیا تھا“! اور اُس وقت سے یہ شیوہ ہو گیا کہ جدھر جدھر وہ حق کا راہبر اپنے وعظ و پند کے لئے رخ کرتا تھا، اُسی طرف یہ ظالم بھی اپنی قوت و اقتدار کی پوری نمائش کے ساتھ سدِ راہ بن بن کر ساتھ ہوتا تھا، اب حق و باطل کا معرکہ اپنے شباب پر تھا، اور باطل اپنی تائید پر ساری ظاہری و مادی قوتوں کے اجتماع کے ساتھ، غلبہ پاتا نظر آ رہا تھا۔ عین اُس وقت جب کہ حق کی بیچارگی اپنے مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور حق کے پرستار پر معلوم ہوتا تھا کہ زمین، آسمان سب

تنگ ہو چکے ہیں، اعلان ہوتا ہے، اور بلا کسی جھجک اور رکاوٹ کے، پر زور اعلان ہوتا ہے، کہ یہ جوش مخالفت اور آتش عداوت سے بھرا ہوا شخص، جو اپنے انجام کی تبت یدِ ابی لہب و تب۔ مناسبت سے اسی دنیا میں ابو لہب (شعلہ والا) کے نام سے مشہور ہو چکا ہے، ہلاک ہو گیا، اور اُس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے، جو ہاتھ مخالفت حق میں اس قدر سرگرم ہیں اور جنہیں اٹھا اٹھا کر اس بد بخت نے کو سا تھا، وہ خود ٹوٹ کر رہ گئے۔ اس کی کوششوں اور سازشوں پر پانی پھر گیا، اس کی کمیٹیاں اور کانفرنسیں کچھ کام نہ آئیں۔ اس کے ٹوڑ جوڑ و صرے کے دھرے رہ گئے اس کا پروپیگنڈا خود اسی کے منہ پر اٹا پڑا۔ اس کو بڑا دعویٰ اپنے زرو مال کا، اور بڑا نشہ اپنی زر پاشیوں کا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز اس کے آڑے نہ آئی۔ نہ اس کی ما اعنیٰ عند مالہ و ما کسب۔ جائداد اسے ہلاکت و بربادی سے بچا سکی، نہ اس کی سرمایہ داری۔ انجام اس کا خسران ہوا، اس کی ہر تمنا ناکام اور ہر کوشش رسوا ہو کر رہی۔

لے سورہ لہب کے نزول کا زمانہ ابستدانی زمانہ ہے۔ جب ذات مبارک ہر طرح نرفہ اعدا میں محصور تھی، اور غلبہ کی ساری نشانیاں ابو جہل و ابو لہب کے ساتھ تھیں۔

ابولہب کی ناکامیاں، کاتب تقدیر کا فرمان۔ پیشگوئی، کسی شاعر کا تخیل نہ تھا۔ کاتب تقدیر کا فرمان تھا۔ حرف حرف پورا ہو کر رہا۔ چند ہی سال کی مدت میں، آسمان کے نوریوں ہی نے نہیں، زمین کے خاکیوں نے بھی دیکھا، کہ یہ خوش اقبال رئیس مکہ، بلند بخت امیر قریش، اپنے ہر منصوبہ میں ناکام و نامراد، ہر طرح پر خائب و خاسر، اپنے کلبہ اخزان میں، ایک وہابی جلدی مرض میں مبتلا، رفیقوں اور دوستوں کی دلدہی، اور عزیزوں قریبوں کی تیمارداری سے محروم، تن تنہا بستر مرگ پر پڑا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہا ہے، اور مرنے کے بعد جب جسم بالکل سرد جاتا ہے، اور عفونت دُور دُور پھیلنے لگتی ہے، تو جیشتی، لاشہ بے کفن کو گھسیٹ کر ایک گڈھے میں ڈال آتے ہیں! اور یہ ٹھیک وہ وقت ہوتا ہے، جب وہ مکہ کا بے یار ویاور یتیم، بدر کے میدان میں ابو جہل اور انس کے ساتھ کے بڑے بڑے گردن کشوں کا خاتمہ کر کے، اپنے صدا ہا جاں نثاروں کے جلو میں، فاتحانہ و شاہانہ جاہ و جلال سے، مدینہ کے اندر اپنے ہزار ہا فدائیوں کی آبادی میں داخل ہو رہا ہے! — ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے کے بعد (ہجرت کا سن، عین ابولہب کے ظلم کی تاریخ ہے) اب عقیدتمندی سے نہیں، تاریخ سے سوال ہے کہ ابولہب کی عظمت کہاں ہے؟ اُس کا نام کس کی زبان

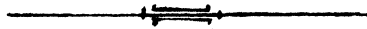
پر ہے ؟ اُس کی اولاد دُنیا کے کس گوشہ میں آباد ہے ؟ اس کے نام پر نوہ خواں کس دین میں بستے ہیں ؟ اس کی قبر کا نشان دُنیا کے کسی محکمہ آثارِ قدیمہ نے ڈھونڈ نکالا ہے ؟

انجامِ عاجل یہ ہوا، اب انجامِ آجل کی بھی خبر سن لیجئے۔ دنیا یوں گئی، آخرت کو بھی جاتا ہوا اب دیکھ لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ ابھی ہوا ہی کیا ہے، یہ تو نمونہ تھا، اس ابدی حرماں سیصلے نارا ذاتِ لہب و امراۃ حاملۃ الحطب فی جیدھا حبلٌ من مسند۔ اور دائمی خسران کا چراگے پیش آکر رہتا ہے آ رہا ہے تو وہ وقت، جب اس بد نصیب کے اندر کی آگ اسے باہر سے بھی گھیر لے گی۔ اور اپنے نام کی طرح جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان یہ پھینکا جائے گا۔ اس کی جتنے بندیاں جب دنیا ہی میں اسے نہ بچا سکیں، تو وہاں کیا کام آئیں گی۔ اور یہ صاحبِ وہاں تنہا نہ ہوں گے، بلکہ مع اپنی لیڈی صاحبہ کے ہوں گے۔ ان لیڈی صاحبہ کے اوصاف حمیدہ یہ ہیں، کہ یہاں دنیا میں ادھر کی ادھر لگا کر دلوں میں رنجش اور عداوتیں پیدا کرتی رہتی ہیں، اور اپنے شوہر نامدار کی آتشِ بغض و فساد کے شعلوں کو، ایندھن ڈال ڈال کر اور بھڑکاتی رہتی ہیں، اور ایمان والوں کی راہ میں ایذا رسانی کے لئے کانٹے بھجواتی رہتی ہیں، وہاں انکی ”خوشن گوئی“ (Society Gossip) کچھ کام نہ دیگی۔

آج اس سیہ بخت عورت کو اپنے قیمتی زیوروں پر غرہ ہے، اور اپنی گردن کا طلائی ہاریہ اللہ کی چھیتی اُمت، مسلمانوں کی مخالفت میں لگا دینا چاہتی ہے، کل اسکی اسی گردن کو موٹی رسی سے گھیٹ گھیٹ کر، اسے اُسی آگ میں جھونکا جائیگا اور یہی دنیا میں حق کے دشمنوں کا انجام ہوا ہے۔

ایک راستہ وہ تھا، دوسرا راستہ یہ ہے، ایک میں آگے بڑھ کر فتح و نصرت کی کشادگیاں ہیں، اور فضل و کرم کی بہار آرائیاں۔ دوسرے کا خاتمہ تہاب و ہلاکت تباہی و بربادی، حرمان و خسران پر آکر ہوتا ہے۔ پہلا راستہ ترک خودی کا ہے، دوسرا خودی کا، پہلی راہ، اللہ والوں کی، اللہ کے مقبولوں کی، عجز و شکستگی اختیار کرنے والوں کی ہے، دوسری خود پرستوں کی، زرد والوں اور زور والوں کی، دانش و فرزانگی کے مدعیوں کی، حکمت و تدبیر پر مغوروں کی! دونوں راہیں تشریباً ایک دوسرے کی ٹھیک ضد ہیں، اور عین مقابل۔ لیکن حکمت کو بینی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نور و ظلمت، خیر و شر کی طرح ایک دوسرے کی ستم و مکمل، اور ایک دوسرے کے لیے مایہ حیات اور مورتِ معنی، ایک سورۂ قرآنی ایک راستہ دکھانے والی، دوسری، دوسری راہ ہے

ہو شیار کر دینے والی۔ دونوں کے زمانہ نزول کے
 درمیان ساہا سال کا فرق، لیکن ترتیبِ نظم قرآنی
 کے اعجاز پر ایک مستقل گواہ کی حیثیت سے، دونوں
 ایک دوسرے کے پہلو پہ پہلو! سورہ کافرون کے
 آخر میں آتا ہے لَقَدْ دِیْنُکُمْ وَلِی دِیْنِ (اے کافرو! تمہارا
 دین تمہارے ساتھ اور میرا دین میرے لئے!) ترتیب قرآنی
 میں اس کے معاً بعد سورہ نصر، آخری مکرڑے وَلِی دِیْنِ
 (میرے دین پر کی شہادت اور اس سے متصل سورہ ابی ہب پہلے
 مکرڑے لَقَدْ دِیْنُکُمْ) کافروں کے دین، کی ترجمان!



وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ
 ذِکْرِ رَسُوْلِ كِی بِلندی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ذکر رسول کی بلندی

مثلاً قنابل خادموں کی سرمایہ ناز۔ کروڑوں توشا، لیکن لکھو کہا
بندے اللہ کے یقیناً ایسے ملیں گے، جو اپنی نجات اور اپنی عقبی۔
شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات سے وابستہ سمجھ رہے ہیں، اور
آج ہی نہیں، سیکڑوں برس سے سمجھ چلے آ رہے ہیں۔ عقیدہ
کی صحت و غلطی سے یہاں بحث نہیں، مقصود نفس واقعہ کا اظہار
ہے، انہی زبانوں پر نام ہے تو غوث اعظمؒ کا اور دلوں میں اعتقاد
ہے، تو محبوب سبحانی کا۔ لیکن ذرا سوچ کر بتائیے، کہ شیخؒ اور
اُنکے سارے پیش رو اور پس رو، حسن بصریؒ اور حنیف بغدادیؒ
خواجہ اجمیریؒ اور سید احمد سرہندیؒ، نظام دہلویؒ اور غلام الدین
صابر کلیرؒ، نازاں کس شے پر ہیں؟ اپنی سرداری سرداری
پر، یا عرب کے اُمّی کی غلامی اور مکہ کے میثم کی چاکری پر؟
اللہ اللہ! جو خود لاکھوں کے سردار اور کروڑوں کے پیشوا نہیں
اگر فخر ہے تو صرف اس کا کہ کسی آستان پاک کے جاروب کش
ہیں اور بس! — دنیا میں اب تک بڑے بڑے جوگی اور رشی
راہب اور اہل ریاضت گزرے ہیں، یہ امتیاز اور یہ اعزاز

کسی اور کے حصہ میں آیا ہے؟ کسی کے خادموں میں بھی ایسے ایسے آفتاب اور ماہتاب، اور وہ بھی اس کثرت سے ہوئے ہیں؟

بے نظیر خدمت اور خادم۔ امام بخاریؒ کے مرتبہ و عظمت سے کون ناداقت ہے۔ انکی کاوش و تحقیق کی نظیر کسی ملک، کسی قوم میں ملتی ہے؟ پھر انھوں نے اور انھیں کی راہ پر دوسرے صد ہا چلنے والوں نے، امام مسلمؒ نے، امام مالکؒ نے، امام ابو داؤدؒ نے، امام ترمذیؒ نے، امام نسائیؒ نے اپنی ساری ساری عمریں کس شغل کی نذر کر دیں؟ محض ایک اُمّی ہی کے اقوال و اعمال کے جمع کرنے میں! اور عسقلانی اور عینی، قسطلانی اور طیبی، سخاوی اور شوکانی قاضی اور نووی اور ابن حبیب سیکڑوں دوسروں نے اپنی زندگیوں کو کس چیز کے لیے وقف کر رکھا ہے؟ اُسی اُمّی کے اقوال کی شرح و تفسیر، اور اُس کی جانب منسوب الفاظ کی تنقیح و تنقید کے لیے! ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ، (انکی ساری زندگیوں کی تحقیق و تدقیق کا خلاصہ کیا ہے؟ بس اسی قدر نہ، کہ فلاں فلاں بدعتیں اُس اُمّی کی سنت کے مخالف ہیں، اور فلاں فلاں اقوال اُسکی جانب منسوب کرنا اُس پر افتراء کرنا ہے) — اس پردہ عالم پر ایک سے بڑھ کر ایک عالم و فاضل، حکیم و فلسفی، ادیب و مہندس، پیدا ہو چکے

ہیں، دُنیا نے اُنک اُن میں سے کسی کے ساتھ، اس کا نصف بھی اعتنا رکھا ہے؟ کسی فلاطون، کسی سقراط، کسی ارسطو، کسی یٹوٹن، کسی کینٹ، کسی ڈارون کے اقوال و ملفوظات اس کاوش کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں؟ کسی کا ایک ایک فقرہ ایک ایک قول، ایک ایک لفظ، اتنی سخت جرح اور ایسی ایسی موثر گافیوں کے بعد، پاکوں کے واسطے سے اور سچوں کی شہادت سے یوں سلسلہ بہ سلسلہ منقول ہو کر پہنچا ہے؟

نقوشِ سیرت کی حفاظت۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام، سہیلی اور زرقانی، ابن سعد اور قاضی عیاض و میاتی اور مغنطانی اور انکے صد ہا شاگردوں اور رفیقوں کے ضخیم مجلدات آپ کی نظر سے اگر نہیں گزرے نہ سہی، ان کے ناموں کی شہرت تو یقیناً آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ ان کا شغلہ زندگی کیا رہا؟ یہ کاہے میں جئے اور کاہے میں مرے؟ اُسی اُٹھی معلمِ کائنات کی سیرت کا ایک ایک گوشہ محفوظ رکھنے میں، اُس کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر حفظ کرنے میں۔ اور محض یہی نہیں، ”روشن خیال“ میوز اور ”علم دوست“ مارگولس ”تحقیق پسند“ کارلائل اور ”حقیقت طراز“ ولہاوسن کوکس کے سوانح نویسوں کی صف میں شمار ہونے کی آرزو بیکار کئے ہوئے

دنیا میں بڑے بڑے گردن کش بادشاہ اور تاجدار ہو چکے ہیں، کسی کی سیرت، اس تحقیق اور اس جزئی تفصیل کے ساتھ، تاریخ کے صفحات میں کہیں بھی ملے گی؟ کسی فرعون، کسی نبولین، کسی سکندر، کسی زار، کسی قیصر، کسی دارا، کسی قنصور، کسی سلطان، کسی ہزارا، کسی نہر مجی کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، ہننا، رونا، لیٹنا، بولنا، اس جامعیت، اس استقصاء، اس تاثیریت اور اس اہتمام کے ساتھ کاغذ کے نقوش پر آج تک منتقل ہو سکا؟ اُمّی کی شریعت کے شراح، اُسکی وسعت۔ امام ابو حنیفہؒ کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ کون دل ہے جو آپ کی عظمت سے خالی ہے؟ آپ خود الگ رہے، اُن کے شاگرد، بلکہ اُن شاگردوں کے شاگرد، اس پایہ کے تھے، کہ معاصرین نے انھیں امام وقت تسلیم کیا۔ لیکن خود یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور اُن کے احباب و رفقاء و تلامذہ، سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ ابو یوسفؒ اور محمدؒ زفرؒ اور حسنؒ، حمادؒ اور فرنیؒ، طحاویؒ اور سرخسیؒ، اور صد ہا ہزار ہا فقہا، جو اب تک ہو چکے ہیں، یہ آخر گردہ در گردہ، ابنوہ در ابنوہ، کرتے کیا رہے ہیں؟ اُسی اُن پڑھ کے لائے ہوئے قانون کی شرح و تفسیر، اور اُسی حرفِ ناشناس کی بتائی ہوئی شریعت کے فروع کا حل اور جزئیات احکام کا استنباط! دنیا میں آخر اور بڑے بڑے امیر، وزیر، قانون ساز

قانون گر، مدبرین سلطنت گزرے ہیں، کیا ان میں سے کسی کو ایسے اور اتنے شاریعین نصیب ہوئے ہیں؟ یونان، ہندوستان، مصر وغیرہ کو چھوڑیے، روم کو لیجئے، کہ اُس کا ”رومن لا“ آج خدا معلوم کتنے دماغوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے۔ جو بسط و وسعت اسلامی فقہ کو حاصل ہے۔ ”رومن لا“ غریب کو اُس کا عشر عشر بھی تو نصیب نہیں ہے۔

نعت گو شعراء۔ ثنوی شریف آج بھی کتنے دلوں کو مت کئے اور کتنی محفلوں کو گرمائے ہوئے ہے، یہ مولانا کے رومی اور خواجہ حافظ، سعدی شیرازی اور نظامی گنجوی خسرو اور جامی، سنائی اور عطار، صدیوں سے کس کے نام پر سر دھن رہے ہیں؟ کس کے پیام کی ترجمانی کر رہے ہیں؟ کس بڑے کا سہارا پکڑ کر خود بھی بڑے بن چکے ہیں؟ وہی بادیہ عرب کا بوریہ نشین، جو شاید شعروں پر ٹھ بھی نہیں سکتا تھا، اور جس کے لیے شاعری موجب فخر نہیں، باعث ننگ تھی، وَمَا عَلَّمْنَاكَ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَكَ۔ دنیا کے بڑے سے بڑے شاعروں نے آج تک کس کا اس طرح استقبال کیا ہے؟ کس بادشاہ کی شان میں اس عقیدت قلب کے ساتھ، اس ارادت و خلوص کے ساتھ، اس سوز و گداز کے ساتھ، قصائد لکھے ہیں؟ کسے یوں تیار

ہو ہو کر پکارا ہے ؟ ہو مر کے ، امراء القیس کے ، فردوسی کے ، والمیک کے ، شکیسر کے ، ملٹن کے ، گیٹی کے ، کابیر کے ، کسی خط اور کسی زمانہ کے شاعر کے نام کو ، پیام کو ، کلام کو ، یہ مقبولیت ، یہ مرتبہ ، نہ سہی ، اس کا آدھا ، چوتھائی ، دسواں

حصہ نصیب ہوا ہے ؟ کس شمع کے پروانے تھے ۔ عمر فاروقؓ اور علی مرتضیٰؓ کے نام سے کیسے کیسے سوراووں کے کلیجے دہل دہل کر رہے خالد سیفؓ اللہ کی شمشیر اور ابن عاصؓ کی تدبیر نے پتھروں کو پانی کر کے بہا دیا ، لیکن یہ سب خود کس شمع کے پروانے تھے ؟ کس کے آستانہ پر جہیں سائی سے رفعتیں اور بلندیاں حاصل کرتے رہے ؟ ہارون اور مامون ، سلجوق اور دیلم ، غزنوی و غوری ، تیمور و بایزید ، عثمان و سلیم ، طارق و قاسم ، لودی و ظہبی ، تیمور و بابر ، ہمایون و جہانگیر ، شاہ جہاں و اورنگ زیب ، کس کی خاک بوسی کو ، سدا اپنے لیے معراج کمال اور وسیلہ نجات سمجھے ؟ دکن کا موجودہ صاحب سریر کس کے اشتیاق و تمنائیں گرم آنسو بہاتا اور سرد آہیں بھرتا رہتا ہے ؟ بے سرو سامان بیضیوں نے کس کے دین کی غیرت میں اسپین اور فرانس دو دوسلطنتوں کا جیلنج قبول کر لیا ؟ اوز نے کس کی امت کی خاطر جان تک نذر کر دی ؟ محمود الحسن کو کس کے نام کی عزت و ناموس نے دَر دَر پھرایا ؟

گھر سے بے گھر کر آیا، نظر بند کر آیا؟ محمد علی کس کی اُمت کے غم میں دیوانہ وار جلا وطن ہوا، نظر بند ہوا، جیل میں کئی کئی سال کاٹے؟ سب کے جواب میں ایک بار پھر اُسی عبداللہ کے لُختِ چکر اور آئینہ کے نورِ نظر کا نام لیا جائے گا، یا کسی اور کا؟

بے نظیرِ علمِ کلام کس کے پیامِ تحیلے۔ غزالیؒ کی تصانیف پر خود انھیں رشک آ آگیا ہے، جن پر ہم آپ دن رات رشک کرتے رہتے ہیں۔ بہ قول جارج ہنری ایٹس (صاحبِ تاریخِ فلسفہ) کے، اگر غزالی کی تصانیف کا ڈیکارٹ کے وقت تک ترجمہ ہو گیا ہوتا، تو لوگ ڈیکارٹ کے فلسفہ کو غزالی کا سرقہ ہی سمجھتے۔ یہ غزالی اور اُن کے آثارِ قدم پر چلنے والے، شاہ ولی اللہ دہلوی اور حکیم الامت اشرف علی تھانوی، وغیرہم نے علمِ اسرارِ الدین اور معالجہٴ امراضِ نفسانی پر جو دفتر کے دفتر تیار کر دیے ہیں، اُنکا حاصل اور لب لباب کیا ہے، بس اسی نبی اُمّی کے لئے اور پھیلائے ہوئے دین کی حمایت و نصرت، اور اسکی تبلیغ و ترویج۔ ابو الحسن اشعری اور ابو بکر باقلانی، رازی اور آمدی، نسفی اور جرجانی نے عقائد و کلام میں تصانیف کا جو انبا لگا دیا، اور ان کے جانشین جس طرح ہر دور میں پیدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ آج چودھویں صدی ہجری کے وسط میں بھی جو کام ہو رہا ہے، اس پایہ کا علم کلام کسی شخصیت کے

اور دگر و پیدا ہو سکا ہے ؟ کونسی تاریخی ہستی اتنا زبردست
 اور اس قدر وسیع کلامی لٹریچر پیدا کر سکی ہے ؟
 تفسیر کے میدان میں رجعت - مفسرین کرام کے نام اور ان کے
 کارنامے کس پر روشن نہیں ؟ تابعین میں حنماک اور قتادہ ،
 مجاہد اور ابن زید نے معانی قرآنی کی جو خدمت کی ، اُس کا
 صلہ کس کے امکان میں ہے ۔ ابن جریر کے تیس مجلدات کو کن
 بھول سکتا ہے ۔ ابن کثیر کی کاوش و جستجو کی داد کون دے سکتا
 ہے ۔ بیضاوی و زمخشری کی قدر کس کے دل میں نہیں بغوی
 اور نسفی ، ابن حیان اور ابوسعود نے اپنی عمریں اسی خدمت
 کے لیے وقف کر دیں ۔ چشم تصور دیکھ رہی ہے ، کہ یہ سب
 کے سب ، اپنے اپنے مجلدات و اسفار لیے ہوئے ، ایک
 اُمّی کی خدمت میں دست بستہ اسکی نگاہِ کرم کے منتظر
 کھڑے ہوئے ہیں ، اور انکی بڑی سی بڑی آرزو ہے تو
 یہ کہ اُس کے قدموں پر نثار ہو جائیں !

تحو و لغت خدمت نبی کی ایک صورت ۔ خود لغت کی طر
 آئیے ، تو ایک سے بڑھ کر ایک امام فن نظر آئیں گے ، ایسے کہ
 جن پر خود فن کو ناز ہے ۔ کسائی اور ابوالاسود و وکیلی ، خلیل
 اور سیبویہ ، ابن مالک اور ابن حاجب ، ابن درید و ابن مہد
 و زمخشری و مسطرزی ، جوہری و فیروز آبادی ، ابن منظور و زبیدی

کسی نے صرف پر لکھا اور کسی نے غور پر کسی نے لغت کو اپنا موضوع رکھا لیکن ان تمام پردوں کے پیچھے، مقصود اصلی سب کا کیا رہا؟ وہی دین کی خدمت، اُمّی کے لائے اور بتلائے ہوئے دین کی خدمت! کیا دنیا میں اُمّیوں اور اُن پڑھوں کو یہی مرتبہ حاصل ہوا کرتے ہیں؟ اُمّیوں کو چھوڑیے، جو زیادہ سے زیادہ پڑھے لکھے گزرے ہیں، کیا ان میں سے کسی کو بھی ایسے شارح، ایسے ایسے خادم نصیب ہوئے ہیں؟ معافی و بیان اور بیع پر لکھنے والوں کی تعداد، اس فہرست پر مستزاد۔

حکیم اور فلسفی۔ سب سے آخر میں، فلسفیوں کو لیجیے۔ فلسفی بھی بھلا کسی کے ہوئے ہیں؟ لیکن یہاں یہ کیا ہے، کہ ابن سینا و ابن رشد، طوسی و فارابی، رازی و شیرازی، سب کے سب اُسی زلف کے اسیر، سب کی عقیدتوں کے دامن، اُمّی کے بندے، تغلیں سے وابستہ! کتنے علوم و فنون کے نام گنائے جائیں؟ زندگی کے کن کن شعبوں کو روشنی میں لایا جائے؟ قوت اور صولت کے کن کن پہلوؤں کو شمار کیا جائے؟ سرداروں اور ناموروں کے نام، شہادت میں کہاں تک پیش کیے جائیں، کہ جملہ ترکانِ جہاں ہندوئے تو!

ہندارس میں ذکر۔ مصر کے جامع ازہر اور آزاد اسلامی ممالک کے مدرسوں کو چھوڑیے، غلام اور بے نوا ہندوستان میں جہاں غنی

سکہ کا چلن کسی بازار میں بھی نہیں، یہ آخر ندوہ اور دیوبند کے سے
 عظیم الشان مدارس کس کا نام لیے ہوئے چل رہے ہیں؟ جامعہ
 ملیہ کس کی اُمت کی خدمت کی خاطر زندہ ہے؟ علیگڑھ آزاد یوں
 کے دعوے کے باوجود، کس کے دین و آئین کی پابندیوں پر ناز ہے؟
 کس وقت بلندی کا اعلان ہو رہا ہے۔ ہندوستان کے چھوٹے
 چھوٹے قریوں اور موضوعوں، عرب کے ریگستان اور صحیل میدان،
 اور افریقہ کے صحرا و بیابان سے لیکر، لندن اور پیرس اور برلن
 کے تمدن زاروں تک، ہر روز، اور ہر روز میں بھی پلنچ پلنچ بار
 کس کے نام کی پکار، اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ، بلند ہوتی
 رہتی ہے؟ اپنی ذاتی عقیدہ بندی کو الگ رکھیے، محض ایک
 خالی الذہن اور ناظرِ فدا ر تماشائی کی حیثیت سے محض واقعات
 پر نظر کر کے، فرمائیے۔ کہ یہ مرتبہ، یہ اکرام، دُنیا کی تاریخِ معلوم
 سے لیکر آج تک کسی ہادی، کسی رہبر، کسی مخلوق کو حاصل
 ہوا ہے؟ جن بکیں اور بے بس سے، عین اُس وقت جبکہ
 اُسے زور اور قوت والے سردارانِ قریش اپنے خیال
 میں کھیل کر اور پس کر رکھ چکے تھے، اور اس کا نام و نشان تک
 مٹا چکے تھے، یہ وعدہ ہوا تھا، کہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ - ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر رکھا
 ہے۔ اگر آوازہ اُس کا بلند نہ ہوگا، تو اور کس کا ہوگا؟ نام اُس کا

سرافراز اور سر بلند نہ ہوگا، تو اور کس کا ہوگا؟ بلندی ذکر کی تہ
وہ تفسیر ہے، جو اوراق لیل و نہار پر ساڑھے تیرہ سو برس
سے ثبت چلی آرہی ہے، چشم روزگار اسے صدیوں سے
پڑھتی چلی آرہی ہے، اور خدا معلوم کب تک اسی طرح پڑھتی رہیگی!
حشر کے دن عند اللہ! اس بندہ کا جو مرتبہ ہوگا، وہ تو ہو ہیگا
اس سے قطع نظر کر کے، ذرا صرف اس مرتبہ کا تصور کیجئے، جو محض
اس بلندی ذکر کے لحاظ سے اُس روز حاصل ہوگا۔ فوج کی
فوج، انبوهہ در انبوهہ، ادھر سے ملوک و سلاطین چلے آ رہے
ہیں، ادھر سے بڑے بڑے نامور جنرل اور سپہ سالار ایک
طرف سے محدثین کرام جوق جوق چلے آ رہے، اور دوسری
طرف سے مفسرین عظام۔ اہل فقہ، اہل اصول، اہل کلام
اہل تصوف، اہل لغت، اہل سیر، اہل رجال، اہل نحو، اہل
معانی، اہل بیان، اہل فلسفہ، اہل منطق، اہل اخلاق، جس
فن کو بھی لیجئے اس کے ائمہ و ماہرین، ادب سے آنکھیں نیچی
کیے، ہاتھ باندھے ہوئے خادمانہ انداز سے گرد و پیش حلقہ گئے
ہوئے ہیں! ایک اسی انعام کی پوری وسعت کا تصور
کس کے بس کی بات ہے؟

سیرتِ نبویؐ اور علمائے فرنگ

سیرت نبویؐ اور علم و فنک

انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں، 'جارج فیلے' برطانیہ میں ایک ممتاز مورخ گزرا ہے۔ جرمنی کی گوٹنگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ایم۔ اے۔ اور ال ال ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں فن مخصوص، 'تاریخ یونان تھا۔ یونان اور یونانیا کے محقق نے ۱۸۲۶ء سے لیکر ۱۸۶۴ء تک تاریخ یونان، سیاست یونان وغیرہ پر انگریزی اور یونانی میں، تصانیف و رسائل کا انبار لگا دیا ۱۸۶۴ء میں ایک کتاب 'یونان' رومیوں کے عہد حکومت میں "Greece under the Romans" کے عنوان سے شائع کی، جو مدتوں اپنے موضوع پر مستند سمجھی گئی۔ ظہور اسلام تاریخ کے اسی عہد میں ہوا ہے۔ جس وقت رسول اللہ صلیم کی بعثت ہوئی ہے۔ رومہ کی حکومت یونان تک وسیع تھی اور یونان اس کے ایک صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ عہد صحابہ میں مسلمانوں اور رومیوں میں جو آویزشیں ہوئیں، یونان ہی کے واسطے سے ہوئیں۔ اس لئے اس تصنیف میں اسلام و شائع اسلام کا تذکرہ آجانا لازمی تھا۔

مصنف کو اسلام سے کوئی خاص عداوت یا تعصب نہیں اور نہ کتاب اسلام کے رد میں لکھی گئی ہے۔ لیکن بہر حال ہے ایک

فرنگی کی تصنیف صفحات ذیل سے اندازہ ہوگا، کہ جن علماء فرنگ کو کوئی خاص عناد اسلام سے نہیں ہے، وہ بھی کس کس طرح واقف کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، اور خواہ ضناً ہی سہی، سیرت نبویؐ کو کیسی کیسی تبلیغات و تحریفات کا ہدف بناتے رہتے ہیں۔ چند افراد کی ہدایت کیلئے بتیابی۔ عرب میں آفتاب رست کے طلوع سے قبل، جو دھندلی روشنی کہیں ایک دو افراد کو نظر آگئی تھی، اُس کا نقشہ یہ مورخ اپنے قلم سے یوں کھینچتا ہے، کہ گویا عرب میں خود ہی اصلاح کی آتشگی اور انقلاب کی تڑپ پیدا ہو چکی تھی۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل عرب، چھٹی صدی عیسوی بھر اپنے اخلاقی و سیاسی تمدن میں تدریجاً ترقی ہی کرتے رہے، اور ان کے مذہبی خیالات میں بہت زائد تغیرات ہو گئے تھے۔ انکی تجارت کی، جو خود انھیں کے ہاتھوں میں تھی، اہمیت مضبوط ہمایوں کے کمزور پڑ جانے سے، بڑھ گئی تھی، اور اس کی ترقی سے وہ خود اپنی نظر میں بہت اہم ہو گئے تھے، اور اتحاد قومی کے وہ خیالات ان میں موجزن رہنے لگے تھے، جو اس کے قبل نہیں ہوئے تھے۔ ہر قتل کی سخت نشی سے قبل والی صدی میں، یہ اسباب ساری عرب آبادی پر بڑا اثر ڈال چکے تھے، اور یہ نہ نظر انداز ہونا چاہئے، کہ محمدؐ کی

ولادت! جبٹن دوم کے زمانہ میں، اور تربیت اسی قومی
جوش کے درمیان ہوئی۔ (باب، فصل ۵، ص ۳۲۲، مبلوہ
ڈنٹ اینڈ سنز، لنڈن)

انتشارِ حواس کا اس سے بہتر نمونہ ملنا دشوار ہے مصنف کے
سامنے شارعِ اسلام کی مہجرانہ کامیابی بہ طور واقعہ موجود ہے
اور وہ بیچارہ مبہوت ہے، کہ اس کی اہمیت کو کیونکر گھٹائے اس
کی سمجھ میں نہیں آتا، کہ وہ بعثتِ رسولؐ کو مذہبی جامہ میں پیش کرے
یا محض سیاسی رنگ میں! خلطِ بحث کر کے وہ مجبوراً ایسے الفاظ لکھ
جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ گویا حضورؐ کا اصلی مشن سیاسی
تھا، یعنی قبائلِ عرب کو متحد کرنا، اور ملک میں ایک قومی اتحاد
قائم کرنا! اگر یہی مراد ہے، تو اُس سخن فہمی کے قربان جائیے۔
توحید پر اس زور دینے کی ضرورت۔ مقصد اگر سیاسی تھا، تو
توحید خالص پر اس قدر زور دینے، بُت پرستی کے مٹانے
اس کی خاطر جہاد و قتال کرنے، ایک مخصوص نظامِ عقائد
اور متبعین ضابطہٴ عبادات پیش کرنے کی خدا معلوم کیا ضرورت
نہی، اور پھر فیصلے صاحبِ توحید بد مذکور مورخ ہیں، اگر اتحادِ سیاسی
و قومی کی تحریکِ عرب میں، ظہورِ اسلام سے قبل پھیلنی شروع ہو گئی
تھی، تو کاش اس تحریک کے دو ہی چار علمبرداروں کے نام گناہ
ہوتے!

پھر اگر مورخ موصوف کی یہ مراد ہے، کہ تحریک تھی تو مذہبی ہی اصلاح کی، لیکن اس حیثیت سے بھی، تحریک کی بنیاد قبل سے ہو چکی تھی، تو کاش ایسے ہی مصلحین دین کے کارناموں کی ذرا تصریح کر دی گئی ہوتی، جس سے معلوم ہو جاتا، کہ فلاں فلاں حد تک کام قبل سے ہو چکا تھا، اور اس کے بعد اسلام نے اضافہ کیا۔ ابن ہشام وغیرہ میں لے دے کے، چار ایسے شخصوں کے نام لے ہیں، جو شرک و بت پرستی کے آبائی مذہب سے بنیرا ہو کر، دین ابراہیمی کی تلاش میں در بدر ملک ملک پھرنے کو نکلے تھے۔ ان میں سے دو بالآخر عیسائی ہو گئے۔ ایک آخر تک بھٹکتا، اور رنگ بدلتا رہا۔ اور صرف چوتھے کی قسمت میں مسلک توحید پر قائم رہنا آیا۔ کیا اسی کا نام، زمین کی تیاری ہے؟ ایسے اُسے گئے، چند افراد، کس قوم میں، اور کس زمانہ میں ہدایت یافتہ نہیں نکلتے رہے؟ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے، کہ آیا ان چند افراد کا، یا مسیحیت کا، یا یہودیت کا، یا کسی مذہب کا کوئی اصلاحی اثر عرب نے قبول کیا تھا؟ اس کا جواب نفی میں، صرف مسلمان مورخ ہی نہیں، بلکہ میسور صاحب بھی دے چکے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

محمدؐ کی نوعمری کے زمانہ میں عرب کی حالت

نہایت جمود کی تھی۔ اصلاح کی طرف سے اتنی مایوس کن حالت شاید پیشتر کبھی بھی نہ رہی ہو۔ بعض اوقات ایک واقعہ کے ہو چکنے کے بعد اس کے عجیب عجیب اسباب گڑھ لئے جاتے ہیں۔

”محمدؐ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی سارے عرب میں ایک نئی اور ایمانی روح دوڑ گئی۔ اس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے، کہ عرب اُس وقت تبدیلی کے لئے جوش میں تھا، اور اُس کے قبول کرنے کو بالکل آمادہ تھا۔ یہ قیاس، تاریخ قبل اسلام کے واقعات کے بالکل منافی ہے۔“ (مقدمہ، سیرۃ محمدی، باب ۱، ص ۹۶، ۹۷،

مطبوعہ جان گرانت، ایڈیٹر)

بے سرو سامان اسلامی لشکر اور روم کی شکست۔ اسلامی لشکر کے ہاتھ سے ہرقل، رومی شہنشاہ کی شکست، تاریخ کا ایک عجیب ترین واقعہ ہے۔ ایک طرف ہر طرح کا ساز و سامان، پشتہا پشت کا جنگی تجربہ، دولت و علم، کثرت افواج و اسلحہ، اور دوسری طرف تعداد بھی قلیل، اور سامان جنگ بھی کچھ یوں ہی سا۔ علوم و فنون سے بیگانگی، اور ساز و سامان کی ناداری، کامیابی اور نمایاں کامیابی، اس آخری فریق کو نصیب ہوتی ہے، اس واقعہ کی تصویر اس مرتبہ میں یوں نظر آتی ہے؛

”جہاں ایک طرف بہر قتل کی کوشش یہ رہی کہ مشرقی سلطنت کی کھوئی ہوئی عظمت واپس آجائے، اور اُس اتحاد مذہبی کے نفاذ کی دھن سوار رہی، جو ذہن بشری کے لئے ہمیشہ ایک عظیم ترین مغالطہ رہا ہے، وہاں دوسری طرف محمدؐ نے نوع انسان کے جذبہٴ توحید کا صحیح تر اندازہ کر کے ملک عرب کو ایک حکومت قرار دیدینے اور سب سے ایک مذہب اختیار کرا لینے میں کامیابی حاصل کر لی۔“ (۳۲۲-۳۲۳)

سبحان اللہ و مجدہ، بہر قتل ایک عظیم الشان سلطنت کا تاجدار ہے، حکومت مدتوں سے اس کے خاندان میں چلی آرہی ہے، زرو جو اہر کا خزانہ رکھتا ہے، اہل علم و اہل خرد و گرد موجود ہیں، اُس کی ساری مساعی اتحاد و ناکام رہیں، اور اس ناکامی کی بنا پر، نفسِ بے کوشش ہی ”ذہن بشری کا ایک عظیم ترین مغالطہ“ قرار پا جائے، لیکن جب بادِ عرب کا ایک اُمی، تہذیب و شائستگی کی قلموں سے دُور، تہیدست و فاقہ کش، چند سال کے اندر، دیکھتے دیکھتے، ملک کے ملک کی کاپیٹل کر دے، اور سب کے دلوں کے عقاید ہی نہیں، زندگیوں کے اعمال بھی بدل دے تو اُس کے عقب میں نہ کسی نصرت غیبی کا اعتراف کیا جائے نہ کسی ملکوئی قوت کی امداد تسلیم کی جائے، بلکہ محض یہ کہہ کر

۱۰۴
 دل کو سمجھایا جائے، کہ آپؐ کو فطرت بشری کا صحیح تر
 اندازہ تھا! ” یہ مورخانہ واقعہ نگاری ہے! اس کا نام
 محققانہ روشن خیالی ہے!

کمالِ تبلیغیں۔ یورپ کو اسلام و شارع اسلام کے معاملہ میں جو
 کمالِ تبلیغ حاصل ہے، اُس کا دلچسپ نمونہ یہی اقتباسات بالا
 ہیں۔ لکھنے والا کوئی پادری نہیں، مسیحی مُناظر نہیں، ایک مورخ
 ہے، صاحبِ علم اہل قلم ہے۔ موضوع تصنیف ترویج عقائدِ اسلامی
 نہیں، تاریخِ یونان ہے، اسلام و شارع اسلام کا تذکرہ محض ضغناً
 آجاتا ہے۔ پڑھنے والا بیچارہ بالکل خالی الذہن ہو کر پڑھ رہا
 ہے، پڑھتے پڑھتے یک بہ یک رسولِ اسلام کا نام آتا ہے، کسی
 ظاہری ہجو و تنقیص اور لفظی توہین کے ساتھ نہیں، بلکہ اعتراف
 عظمت کے ساتھ، لیکن حیثیت جو ظاہر کی جاتی ہے، وہ نبیِ برحق
 کی نہیں، صاحبِ وحی کی نہیں کسی مقدس و برگزیدہ ولی کی بھی
 نہیں، بلکہ محض ایک باتدبیر و کامیاب لیڈر کی! اور پمیرانہ
 کارناموں کی داد یہ کہہ کر ختم کر دی جاتی ہے، کہ آپؐ نے فطرت
 بشری کا خوب اندازہ کر لیا تھا! اب سادہ دل مسلمان
 طالبِ علم جو مصنف کی بے تعصبی، رواداری، اور قوت
 تحقیق کا کلمہ پہلے سے پڑھ رہا ہے، جب اچانک ایسے
 موقع پر پہنچتا ہے، تو عموماً خلوے ذہن کے ساتھ وہ

اس باب میں بھی، مصنف کے بیان سے اُسی طرح متاثر ہو جاتا ہے، جس طرح مصنف اُس پر اثر ڈالنا چاہتا ہے اور بے اختیار، وہ نبی کو محض ایک کامیاب قائد، ایک اولوالعزم فاتح، ایک نامور مدبر کی حیثیت میں دیکھنے سمجھنے، اور ماننے پر قانع ہو جاتا ہے! ایسی دشمنی اور پادشاہی کے حملے، کم از کم سامنے کے تو ہوتے ہیں، ”فرنگی محقق“ کے وار ہمیشہ یوں ہی پشت کی طرف سے، بیخبری کے عالم میں اچانک ہوتے رہتے ہیں!

غزوات کی فتحندیاں مستقل معجزات - غزوات میں فتحندیاں حضور کا ایک مستقل معجزہ ہیں، اور منکروں پر ایک مخصوص محبت کافروں کی طرف سے بار بار مطالبہ یہ ہوتا تھا، کہ کوئی فرقان مبین گیوں نہیں نازل ہو جاتا، یہ فرقان، مادی آنکھوں سے نظر آجانے کے قابل، معجزانہ فتحندیوں کی شکل میں ظاہر ہو کر رہا، ان آنکھوں کی خیرہ کر دینے والی کامیابیوں اور کامیابیوں سے انکار کسی بڑے سے بڑے منکر کے لئے بھی ممکن نہیں۔ البتہ آج کا پڑھا لکھا منکر کرتا یہ ہے، کہ واقعات کو مان کر انکی توجیہ و تاویل کے لئے بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے۔ یہی طعنے معجزات کی تاویل، سحر سے کیا کرتے تھے، جدید منکرین کو روشن خیالی کی چند اصطلاحیں ہاتھ آگئی ہیں، وہ اُن سے

اپنے دل کو تکلیں دے لیا کرتے ہیں۔ فتوحات اسلامی کی تہید
میں ڈاکٹر فیلے فرماتے ہیں :-

”خسرو ہرقل کے ماتحت، ایران و رومہ کی

سلطنتوں میں جو حیرت انگیز انقلابات ہوئے، وہ سب کے

سب اُس عظیم الشان اثر کے آگے ماند ہو جاتے ہیں جو

اُن کے معاصر محمدؐ پیغمبر عرب نے ان ممالک کی یاسیٰ

معاشرہ، اور مذہبی زندگیوں پر ڈالنا شروع کر دیا،

جن پر تسلط جمائے کی ان سلاطین کو اس قدر آرزو رہا

کرتی تھی : (باب ۲، فصل ۲، ص ۳۵۲)

گویا حضورؐ کی معجزانہ طاقت کا اعتراف ہے، اس کا اقرار

ہے، کہ جو انقلاب اس ذات مبارک نے دیکھتے دیکھتے پیدا

کر دیا، اس کی نظیر پیش کرنے سے رومہ و ایران کی پُر قوت

سلطنتیں مع اپنے تمام وسائل و خزان کے عاجز ہیں، لیکن

— اور یہیں سے گمراہی کی بنیاد پڑتی ہے — اس کی وجہ

یہ نہیں، کہ نبیؐ اپنے دعویٰ نبوت میں سچا تھا، بلکہ صرف یہ کہ

وہ بڑا عقلمند اور بڑا نکتہ رس تھا ! فرماتے ہیں :-

”محمدؐ کی کامیابی بہ حیثیت شارع کے، ایشیا کی

قدیم ترین اقوام میں، اور اُن کے قائم کئے ہوئے اداروں کی

پائیداری سنبھال تک اور ہر طبقہ معاشرت میں ثابت کرتی

۱۰۷
 کہ یہ غیر معمولی انسان ملائی کر گئیں اور اسکندر دودنوں کا
 ایک نادرجوہ تھا۔

جامعیت کا کمال۔ دوسرے لفظوں میں، یہ تسلیم ہے، کہ حضور
 کی شخصیت عام انسانوں سے مافوق تھی، یہ بھی تسلیم ہے، کہ
 حضور کے اصلاحی کارنامے حیرت انگیز ہیں، لیکن یہ ماننے کا
 گویا امکان ہی نہیں، کہ ایسا شخص اپنے دعووں میں سچا تھا،
 بلکہ ان معجزانہ کامیابیوں کا راز صرف یہ تھا، کہ آپ کی ذات
 میں بڑے سے بڑے فاتح، اور بڑے سے بڑے مدبر مہقق
 کے، "اوصافِ نادورہ" جمع ہو گئے تھے! — روایات میں
 آتا ہے، کہ ابو جہل، جب معجزات و مادی آیات سے عاجز
 و لا جواب ہو جاتا تھا، تو آخر میں یہی کہہ کر اپنی کھیا ہٹ
 مٹا لیا کرتا تھا، کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص بڑے غضب کا صاحب ہے۔
 آج کے روشن خیال کا انکارِ نبوت، کیا ابو جہل کی ذہنیت سے
 کچھ بہت مختلف ہے؟

اسکی نظیر کہاں ہے؟ دنیا میں کس سکندر، کس نیپولین،
 کس چنگیز نے اتنی بے سرو سامانی کے ساتھ ایسے عظیم الشان
 فتوحات حاصل کئے ہیں؟ کس فوجی جنرل کی سپاہ نے
 اپنے اخلاقِ حسنہ کا اتنا زبردست نمونہ پیش کیا ہے؟
 کس فاتح کشور کشا لشکر کے پیادے ایسے حق پرست

ایسے متدین، ایسے نیک سرشت، گزرے ہیں؟ کس
 فوج کے سپاہیوں نے دن بھر روزے رکھ رکھ کر اور
 راتوں کو تہجد میں گزار گزار کر، محض جنت کی خاطر، اللہ
 کے ہاں پروانہ مغفرت حاصل کرنے کے لئے، اپنے سے
 کئی کئی گنے لشکروں کا مقابلہ کیا ہے؟ کس تعین نے فطرت
 بشری کو اس درجہ ملحوظ رکھ کر، دنیا کے ہر گوشہ کے لئے،
 بنی آدم کی ہر نسل کے لئے، معاشرت و تمدن کے ہر طبقہ کے
 لئے، عالمگیر قوانین وضع کئے ہیں؟ کس قانون ساز نے حق
 و انصاف، امانت و دیانت، عفت و شرافت، اصلاح
 نفس و تزکیہ باطن کو تمام وقتی مصالح و ہنگامی خواہشوں
 پر مقدم رکھا ہے؟ وہ پاک و پاکیزہ ملکوتی شخصیت جو اسی
 پاک و پاکیزہ ملکوتی تعلیم کی سرچشمہ ہو، اُسے دنیا کے ملک گئے
 فاسخوں اور قانون سازوں کی قطار میں شمار کرتے میصنف
 کو کچھ بھی غیرت نہ آئی؟ اگر یہی منو نہ علم و تحقیق ہے، تو خدا
 معلوم جہل کسے قرار دیا جائے گا؟

آگے چل کر، حضور کی شخصیت اور کارناموں کا پھر اعتراف
 ہے، لیکن جیسے لکھتے لکھتے کوئی چونک پڑتا ہے، کہ کہیں اس سے
 تصدیق نبوت نہ ہونے لگے۔ یہ بھی ارشاد ہو جاتا ہے، کہ
 ”محمد کی پیدائش ایسے وقت میں ہوئی، جب دنیا مے تمدن

کے طبقہ حکمران و طبقہ امرار میں نمایاں عقلی انحطاط تھا۔ اُس وقت عموماً دنیا جس سطح معاشرت پر تھی، اس سے بہتر کی طلب پیدا ہو چکی تھی، اور حالات مصریہ سے بے اطمینانی تقریباً ہر ملک میں پھیل چکی تھی۔ عرب میں مذہب شرک و بت پرستی سے کسی بہتر مذہب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور ایران، شام، و مصر کے لوگ بھی، مزدکیہ، یہود، اور سیون کے نزاعات سے تنگ آ کر ایک بہتر دین کی جستجو میں تھے۔ (ملخصاً، ص ۳۵۳)

کیا طلب کا یہی ثبوت ہے۔ گویا ”بہتر دین“ کی طلب و تلاش تو سب کو تھی، لیکن جب وہ ”بہتر دین“ پیش کیا گیا، تو سارا عرب، مقابلہ و مقاتلہ کو تیار ہو گیا، اور ملک کا بچہ بچہ تک، اُس بہتر دین کے لانے والے کے خون کا پیاسا ہو گیا!

کیا طلب و تلاش کا یہی ثبوت تھا؟ کیا یہ طلب و تلاش، اسی سے ثابت ہوتی ہے، کہ سا لہا سال تک اس دین کے لانے والے کے خلاف، سخت سے سخت خوزیر لڑائیاں جاری رہیں، اور مقاطعہ کر کے اس دین برحق کے داعی پر، زندگی تنگ کر دی گئی؟ عرب و مضافات عرب اگر ایسے ہی ایک نئے

دین کے لئے بیقرار تھے، تو کیوں نہ اس پیغمبر کو ہاتھوں
ہاتھ لیا، اور سب کے سب نہ سہی، تو آخر کیوں نہ ایک
بڑی جماعت معاً اس دعوت پر لبیک کہنے کو اٹھ کھڑی
ہوئی؟

اس سے بھی قطع نظر کر کے، اگر نفسِ دعوتِ جدید ہی
کا میابانی کی ضمانت ہو سکتی تھی، تو عین اس زمانہ میں، مسیلہ
اور اسود عینی بھی تو وحی و نبوت ہی کے دعوے لے لے کر اٹھے
پھر آخر کیوں نہ کامیاب ہوئے؟ انہیں کیوں نہ سرسبز نصیب
ہوئی؟

ڈاکٹر فنلے صاحب اس کھلے ہوئے اعتراض سے غافل
نہیں ہو سکتے تھے، ضمیر نے خود خلش محسوس کی، لیکن جو جواب
سوچا، وہ اس قابل ہے، کہ یا تو اُس پر خوب ہنسا جائے اور
یا محض رویا جائے۔ کہتے ہیں :-

”عرب کے ذہن عامہ کے جس جوش نے محمدؐ کو پیدا کیا
اسی نے بہت سے اور پیغمبر بھی انہیں کے زمانہ میں اٹھا
کھڑے کئے۔ لیکن محمدؐ کی اعلیٰ قابلیت، اور انصاف کے
صمیم تر اندازہ، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں، کہ سچائی نے ان لوگوں
کے سارے منصوبوں کو برباد کر دیا۔ (صفحہ ۳۵۲)

گویا، اور ہر شے کا اعتراف ہو گا، رسولؐ کی قابلیت

فہم و ذکا، نکتہ رسی و دور اندیشی، ذاتی صداقت و امانت سب کا اقرار ہوگا، لیکن جس شے کے تسلیم کرنے سے درجہ احتمال میں بھی گریز ہوگا، وہ صرف یہ ہے، کہ یہ سچا اور قابل شخص اپنے دعوے نبوت میں بھی سچا تھا! اور ہر کوشش اسی کی جاری رہے گی، کہ پڑھنے والا کسی ہیر پھیر سے، گھوم گھا کر، بھی، اس عقیدہ کے قریب نہ آنے پائے!

کارلائل کی سیرت نگاری۔ ٹامس کارلائل، مورخ نہ تھے، ادیب تھے، ان کا شمار انیسویں صدی کے مشہور ترین اہل قلم اور ادیبوں میں ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں اپنی کتاب ہیر و اینڈ ہیر و ورشپ (بطل اور بطل پرستی) پر شائع کی۔ مختلف ابواب میں مختلف شاہیر تاریخ کو لے کر انھیں کسی نہ کسی حیثیت سے بطل (ہیر و) قرار دیا ہے، مثلاً شاعروں میں شکسپیر اور دانٹے، فرمانروائوں میں کرامول اور نیوٹن، دفس علی ہذا، اور ان سب کی زندگیوں پر تبصرہ کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک باب حضور سے متعلق بھی ہے۔ حضور کو پیغمبروں میں ہیر و مانا ہے، اور اسی حیثیت سے حضور کی زندگی اور اسلام پر تبصرہ ہے۔

نیکی انصاف پسندی کی نوعیت اور حد۔ پادریوں نے تو

حضورؐ کی ذات مبارک سے ایسی کھلی ہوئی گندہ دہنی کی ہے،
 کہ خود یورپ میں بھی اب انکی تحریروں کا کوئی اثر باقی نہیں ہا
 ہے۔ کم از کم، کوئی مسلمان تو شائد ہی انکی کسی تحریر سے متاثر
 ہو سکے۔ اس طبقہ سے قطع نظر کر کے، عام مصنفین و ارباب قلم
 کا جو گروہ ہے، اُس کی بھی دو قسمیں ہیں، کچھ تو وہ ہیں، جو حضورؐ
 کو کھلے الفاظ میں (غزوہ باندھ) ”پیمبر خادع“ کہتے ہیں۔ اور
 سیرت مبارک پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، دوسرا
 گروہ اُن لوگوں کا ہے، جو اپنے کو انصاف، رواداری اور
 بے تعصبی کا مجسمہ ظاہر کرتے ہیں، اور گویا پہلے گروہ کے جواب
 میں، سیرت انور کے روشن پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں کیرا لائل
 کا شمار اسی آخری گروہ میں ہے۔ اس گروہ کا انداز بیان یہ
 ہوتا ہے، کہ ”لوگوں نے تاریخ کی اتنی ممتاز شخصیت کو طح طرح
 بدنام کر رکھا ہے، وقت آگیا ہے کہ اس بدنامی کو دور ہونا چاہیے
 ہمیں خود اپنی نا انصافیوں کی تلافی کرنی چاہئے۔ محمدؐ، عرب کے
 مصلح، مشرق کے ایک بطل اعظم، ہرگز اُن الزامات کے
 مورد نہیں، جو اُن پر لگائے گئے ہیں۔ وہ نہ چورتھے نہ ڈاکو
 نہ دھوکے باز نہ نفس پرست۔ وہ اپنے وقت کے بہت
 بڑے اور کامیاب مصلح تھے۔ ملک عرب کی اُنھوں نے
 کایا پلٹ دی، وہ بڑے مخلص و نیک نیت تھے۔ اُنھوں نے

دشمنوں کو انسانیت سکھا دیتی۔ کروڑوں آدمی اُن کے تقدس کے قائل ہیں، ہمیں بھی اُن کا نام عزت و تکریم سے لینا چاہیے۔“

غریب اور بے خبر، کتاب کا پڑھنے والا نوجوان اور کمزور عقیدہ کا مسلمان، سب سے زیادہ اسی فریب کاری، اسی اندازِ وحل کا شکار ہو جاتا ہے، وہ مصنف کی نیک نیتی، انصاف پسندی پر اعتماد کر کے، اپنی رائے اُسی کے بیان کے مطابق ڈھالنا شروع کرتا ہے، اور جب کتاب ختم کرتا ہے، تو اکثر صورتوں میں اُس کے ذہن کے سامنے، حضور انور کی تصویر، بجائے اللہ کے ایک سچے اور برگزیدہ نبی کے، بجائے تمام عالم کے لیے مشعلِ راہ ہونے کے، محض ایک غمخس و نیک نیت مصلحِ وقت کی رہ جاتی ہے، کارِ لائل کا مقالہ انہیں خصوصیات کا آئینہ دار ہے، راقم مضمون کے اوپر، کالج کی طالب علمی کے زمانہ میں خود کیفیت گزر چکی ہے۔ حضور انور کی ذاتِ مبارک سے اُسے جو بدعقیدگی پیدا ہوئی، وہ کسی کھلے ہوئے دشمنِ اسلام کی تحریر کے اثر سے نہیں، بلکہ اسی قسم کے دُورست نما فرنگی دشمنوں کی تحریروں سے۔ پیہر کو اس رنگ میں دیکھنا، ایسی ہی بات ہے، جیسے صوبہ کے گورنر سے کہا جائے، کہ، حضور والا کے اختیارات کا کیا کہنا، آپ پٹاریوں سے بڑھ کر اختیارات رکھتے ہیں، اور چیرائیوں سے بڑے

حاکم ہیں۔ یہ گورنر کی مدح ہوئی، یا اس کے ساتھ مسخرہ
مقالہ کے خاتمہ پر کارلائل صاحب جوش و خروش سے
لکھتے ہیں:—

”یہ محمد کا مذہب“ عرب قوم کے حق میں گویا تاریخی سے روشنی
کی طرف آتا تھا۔ عرب پہلے پہل اسی مذہب سے زندہ ہوا
گلہ چرانے والی ایک غریب قوم، جو آفرینش عالم سے اب تک
دنیا کی نظروں سے مخفی، جنگلوں میں پھر رہی تھی، ایک پیر غلام
ان کی طرف بھیجا گیا، ایسے پیام کے ساتھ جس پر وہ ایمان لائے
تھے، اور دیکھو، جو قوم گناہ تھی، وہ مشہور آفاق ہو گئی، جو حقیر
تھے، وہ دنیا بھر میں مغرور ہو گئے۔ ایک صدی کے اندر اندر
عرب ایک طرف غرناطہ تک پھیل گیا، اور دوسری طرف
دہلی تک۔“

صرف کامیابیوں پر نظر ہے۔ عرب کے اہل جاہلیت قائل
صرف مادی معجزات کے تھے۔ بار بار مطالبہ جیسی معجزات کا
کرتے تھے۔ ٹھیک یہی ذہنیت فرنگستان کی ہے۔ اس کے
بھی بڑے سے بڑے عقلا و علماء کے ذہن کی رسانی بس
یہیں تک ہے، کہ ایک اُمتی نے سارے ملک کو متحد کر دیا،
اور اس کے ہاتھوں دنیا کی بڑی بڑی قوموں کو شکست دلا دی
اور جس کے ہاتھوں یہ جیسی و مادی معجزات ظہور پذیر ہوئے،

اگر اُسے بہت بڑا مصلح، بہت بڑا مدبر تسلیم نہ کیا جائے، تو اور کیا کیا جائے گا۔ کارلائل کے اقتباس بالا کا ماحصل یہی ہے، کہ حضورؐ نے عرب میں ایک نہایت زبردست، انقلاب پیدا کر دیا۔ بے خبر اور بھولا، کارلائل کے نام سے مرعوب، مسلمان نوجوان جب یہ پیرا گراف پڑھتا ہے، تو ایک طرف کارلائل کی وسیع الجلیلیہ..... اور منصف مزاجی کی داد دے اٹھتا ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف حضورؐ کی عظمت کی بھی کل اتنی ہی کائنات سمجھنے لگتا ہے، کہ آپؐ نے قوم عرب کو مادی پستیوں سے نکال کر دنیوی عروج و ترقی کے مرتبہ کمال پر پہنچا دیا! اسلام، ”محمدؐ کا مذہب“ مقالہ میں شروع سے آخر تک ہے گویا اس کو وحی ربانی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا حضورؐ کا سوچا اور قائم کیا ہوا ایک نظام تھا۔

اخلاص رسولؐ کا ذکر چند نمونے۔ حضورؐ کی حمایت میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے چند نمونے ملخصاً ملاحظہ ہوں :-

”کسی بڑی شخصیت سے متعلق میں کبھی یقین ہی نہ کروں گا کہ وہ سچا نہیں تھا، صداقت تو اُس کے وجود کی بنیاد ہی ہوتی ہے۔ مبرا نیو، پینولین، برنسل، کرامول (مدبرین اور فاتحوں کے نام ہیں) غرض جس کسی نے بھی کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، سب کے سب مخلص ہوئے ہیں۔ اخلاص،

عزت، عظیم، حقیقی اخلاص، تمام بڑے آدمیوں کے وجود کی پہلی شرط ہے۔

رسول کی سچائی کی حقیقت آپ نے دیکھ لی ؟ یہ نہیں کہ اپنے دعوے نبوت میں سچے تھے، بلکہ جس طرح نبولین، کرامول، وغیرہ مکرو زور، تکلف و تصنع سے الگ ہو کر، دل لگا کر، اخلاص کے ساتھ اپنے کام پر اعتقاد رکھتے تھے، حضور کی بھی نیت کسی مکرو فریب کی نہ تھی۔ آپ سادگی کے ساتھ وہی کہتے تھے جو واقعہ آپ محسوس کرتے تھے، جو واقعہ آپ کے دل میں ہوتا تھا۔ آپ کی زبان آپ کے دل سے مختلف نہ تھی !

”غرض، اس محکمہ کو ہم کسی طرح بے مایہ، یا ساز باز کرنے والا تسلیم نہیں کر سکتے۔ تصنع تو اس میں چھو نہیں گیا تھا۔ دیدہ و دانستہ کوئی اسیکیم تیار کرنا اس کے دائرہ عمل سے باہر تھا۔ اپنا تیز دُند پیام جو اُنھوں نے پہنچایا، وہ وہی تھا، جو حقیقت اُنھیں محسوس ہوا تھا، جو واقعہ اُن کے عمقِ قلب سے نکلا تھا... جو خامیاں، نقائص، عیوب، انکی جانبِ منسوب کیے گئے ہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو جائیں، بس یہی اُن کی اخلاص مندی ستم رہتی ہے۔“

کارلائل کے اقتباسات، اردو میں بار بار، بہ طور ایک حامی اسلام کے پیش کئے گئے ہیں۔ یہاں ہم کہ ایک شیخی کرم فرمانے کارلائل کے اس مقالہ کا پورا ترجمہ بھی اپنے نزدیک خدمت اسلام سمجھ کر

۱۱۷
 شائع کر دیا ہے۔ اب تو آپ پر کارلائل کی اسلام دوستی کی
 حقیقت واضح ہو کر رہی ؟

یہ پھر غیبت تھا۔ جو کچھ اُس نے زہر اگلا ہے، اُس کے
 اصلی نمونے اب آنے کو ہیں۔ یہ مقصود نہیں، کہ اس کی نیت بھی
 مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تھی، اُسے تو اُس کا خیال بھی نہ ہوگا،
 کہ اُس کی کتاب ترجمہ ہو کر کبھی مسلمانوں کی نظر سے گزرے گی۔
 سوال اُس کی نیت کا نہیں اُس کی تحریروں کے اثر کا ہے،
 نیت اُس کی کچھ بھی ہو، حضور کی ذات سے رنج ملامت ہی اُس
 کی نیت سہی، بہر حال و بہر صورت اثر اُس کی تحریروں کے
 مطالعہ کا پڑتا ہے، کہ عظمت نبوت دل سے مٹتی جاتی ہے،
 اور انسان اقرار رسالت سے دور ہی پڑتا جاتا ہے۔ آج
 ہندوستان میں جو صد ہا ہزار ہا نوجوان مسلمان، لامذہب
 ہو گئے ہیں اُن کی ابتدائی بنیاد اسی قبیل کے مصنفین کی
 تحریروں سے پڑی ہے۔

قرآن پاک کے باب میں جہل۔ اپنی اسلام دوستی کا اعتماد دلوں
 میں پیدا کر کے، اور اپنی اسلام نوازیوں کے مظاہرہ کے بعد
 یہ بزرگوار سرچشمہ نور و ہدایت، قرآن پاک سے متعلق یوں گہرائی
 فرماتے ہیں :-

”متفرق اور متضارب، ایک دوسرے سے غلط، ایک

بات کی بار بار تکرار۔ بیچ در بیچ، اُلجھی ہوئی تقریر، محل اور بہم
غرض بالکل بھل۔ کوئی یورپین، سو اس صورت کے کہ اسے فرض
اداکرنا ہو، سارے قرآن کو پڑھنے کا قتل ہی نہیں کر سکتا۔

ماشا اللہ! یہ ہے فرنگی دانوں کے ایک دانہ کی
رائے آپ کی اُس کتاب سے متعلق، جس کا ہمسر و نظیر
معنوی و فلفلی، ادبی و اخلاقی، ہر حیثیت سے، آج تک
نہ دنیا کا کوئی صحیفہ ہو سکا، نہ آئندہ ہو گا! اور ظالم نے یہ
رائے قائم کیوں کر کی؟ قرآن کو پڑھ کر نہیں، قرآن کے
انگریزی ترجمہ کو پڑھ کر، جو کسی مسلمان کا نہیں، ایک پادری
کا کیا ہوا تھا! اور پھر ترجمہ بھی براہ راست عربی سے نہیں
بلکہ لٹین ترجمہ کا انگریزی ترجمہ! اور خدا معلوم، لٹین کا ترجمہ
بھی براہ راست تھا، یا وہ بھی بالواسطہ تھا! یہ ہے
دانایانِ فرنگ کی دانائی اور احساسِ ذمہ داری، کہ واسطہ
در واسطہ کا ترجمہ، اور وہ بھی دشمن کے قلم سے، دیکھ کر اس
جزم و یقین کے ساتھ رائے قائم کر لیتے ہیں اور اُسے اس
دریدہ دہنی کے ساتھ بک ڈالتے ہیں! — چاہئے یہ
تھا کہ اس مضحک مجنونانہ رائے کے علم ہو جانے کے بعد،
خود کارلائل کے عقل و فہم، مذاق سلیم اور توازن دماغی پر
فاتحہ پڑھ دیا جاتا، لیکن ارموب اور غلامانہ ذہنیت کا نوجوان

مسلمان، ان چیزوں کو پڑھ کر خود یہ سوچنے لگ جاتا ہے، کہ جب ایسے بڑے شخص، اور اتنے بڑے محقق عالی دماغ نے یہ رائے ظاہر کی ہے، تو کچھ نہ کچھ اصلیت تو اس کی ضرور ہوگی! اور یہی وہ فتنہ ہے، جو ساری انگریزی تعلیم، انگریزی تمدن، انگریزی حکومت کے عقب میں مخفی ہے۔

”تاریکی کو اُجالے سے بدلنے کے لئے، جتنی روشنی مل سکتی تھی، بادِیہ عز کی اس روح مضطرب و گھبراہٹ میں، اُس تاریکی میں جو موت کے حکم میں تھی، وہ روشنی داخل ہوئی، جو گونستہ تھی، لیکن اُس میں زندگی کی اور آسمانی جگہ گاہٹ اور خیرگی شامل تھی، محمدؐ نے اسے دھجی قرار دیا، اور فرشتہ کا نام جبریل رکھا، ہم آج بھی اُس کا صحیح نام اور کیا کہیں؟“ گویا ایک مصلح کے قلب پر ایک نورانی کیفیت طاری ہوئی، اُس کا نام اُس مصلح نے اپنی سمجھ کے موافق ”دھجی“ رکھ دیا، اور وحی لائے والے کا نام جبریلؑ لیا، کھلے لفظوں میں حضورؐ پر کذب و بددیانتی کا الزام کہیں نہیں چلے، خلوص و حسن نیت کا اعتراف لیکن اندر ہی اندر زہر پھیلتا چلا جا رہا ہے اور حضورؐ کے دعویٰ کی تردید قدم قدم پر جاری ہے،

قرآن پاک سے متعلق جو مزید گستاخیاں اور گندہ دہنیاں ہیں، ان کے نقل کرنے کی نہ چنداں حاجت ہے، اور نہ آگے ہمت ہی پڑتی ہے، نمونہ دکھا دینے کے لیے جو کچھ گزر چکا، بالکل کافی ہے۔ ہمارے بچوں جب کارلائل کے قلم سے یہ دادِ حق دیکھتے ہیں، تو چونکہ قلب کارلائل

کی عظمت کو ایک مسلم وغیر مشتبہ حقیقت سمجھ رہا ہے، اس کے نام سے مرعوب ہے، اُو صوفیہ بن جاتا ہی نہیں کہ خود کار لائل نے سخت ٹھوکر کھائی ہے، بلکہ دماغ میں سلسلہ خیالات یوں قائم ہوتا ہے کہ ”جب ایسے ایسے تحقق، آزاد خیال، منصف، فراج حکماء قرآن سے متعلق، باوجود تائید و ہمدردی، ایسے ایسے خیالات کے اظہار پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں تو ہونہ ہو ضرور کہیں پانی فرماتا ہے۔ اب تک ہم نے خاندان میں، اور گروہ میں جو روایتیں سنی تھیں، وہی معلوم ہوتا ہے کہ غلط ہیں۔ آخر کچھ تو ایسی شدید و واضح کمزوریاں قرآن میں ہیں کہ ایسا عالی دماغ شخص بھی ان کی تاویل نہ کر سکا، اور اسے اعتراف حقیقت پر مجبور ہونا پڑا۔“

زیادہ خطرناک کون ہیں۔ یہ ہیں سے یہ ہے کہ کار لائل، لیکن وغیرہ کے طرز کے مغربی مصنفین، کھلے ہوئے گندہ دہن راجچال وغیرہ سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں، راجچال وغیرہ کی بیہودگی دیکھ کر ایک برائے نام مسلمان کی بھی غیرت جلتی ضرور ابھرتی ہے، اور وہ جواب و دفاع پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کار لائل وغیرہ کو دوست سمجھ کر مطالعہ کرتا ہے اور طبیعت کسی دفاع و مقابلہ کے لیے آمادہ نہیں ہوتی، کہ بیک بہ بیک اور اچانک، بیخبری میں، عقائد پر حملہ ہو جاتا ہے اور ایمان کی جڑیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔ قاتل اگر ننگی تلوار نکال کر چھیپے، تو سپر سے کام نہ آسانی لیا جاسکتا ہے، لیکن اگر کوئی ”دوست“ شربت کا گلاس پیش کرے اور اسکی تہ میں زہر لال کے ذرات جمے ہوئے ہوں، تو کون اس سے بچ سکے گا؟ میٹھی چھری کاٹنے اور ہلاک کرنے میں، بہر حال چھری ہی ہوتی ہے۔

محبوب سے خطاب

محبوب سے خطاب

محسن کے ساتھ شقاوت ۔ وہ جو اپنے وسیع ملک میں خدا سے واحد کا پکارنے والا تھا، وہ جو اپنے ان پروردگار کی بڑائی بیان کرنے میں گزارتا تھا، اور اپنی راتیں اپنے اُسی اُن دیکھے مولا کی یاد میں رکوعوں میں جھک جھک کر اور سجدوں میں گر گر کر بسر کرتا تھا، وہ جو اپنی عمر عزیز کے دنوں اور ہفتوں، مہینوں اور برسوں کو اپنی اسی ایک دُصمن پر داری کر چکا ہے، اُسے اپنے دوستوں اور اپنے عزیزوں، اپنی قوم والوں اور اپنے وطن والوں، اپنی برادری والوں اور اپنے کنبہ والوں کے ہاتھوں انعام یہ ملتا ہے، کہ گالیوں کی بوچھاڑ پھرتی ہے، بدزبانیوں کا مینہ برسایا جاتا ہے، اور اس کے دل کو چھلنی بنانے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کو بھی اینٹ اور پتھر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک، کہ اس کے پیر زخمی ہوتے ہیں اور اُس کے پائے مبارک کی انگلیوں سے خون کی بوندیں بہتے اور ٹپکتے دیکھ دیکھ کر شقاوت آنکھیں تکلیں حاصل کرتی ہیں!

حق پر ثابت رہنے والے قدم ۔ یہ پیر وہ تھے، کہ ان پر دُنیا جہاں کے سارے سر بلندوں اور سرفرازوں کے سرفروان ہوں! یہ پیر وہ تھے جو صوفی راہِ حق کے طے کرنے اور عبدیت و عبادت پر ثابت رہنے کے لئے خلق ہوئے تھے!

ان پیروں کی انگلیوں کو زخمی کیا گیا، اور انڈ کے بندے کو مجبور کیا گیا، کہ قیام شب کی عادت کو دو یا تین راتوں کے لئے ترک کر دے۔ ظالموں کو اس پر بس نہیں ہوتا، بلکہ ایک شیطان بیت عورت، جو رشتہ میں چچی بھی ہوتی ہے، آتی ہے، اور کہتی ہے کہ ”بھتیجے“ معلوم ہوتا ہے، تیرے شیطان نے اب تجھے تعلیم دینا چھوڑ دی“ (العیاذ باللہ) ! بندہ گو بہترین بندہ ہو، پھر بھی بندہ ہے اور بشر، گو خیر البشر ہو، بہر حال بشر ہے، بندگی کا تقاضا، بشریت کا اقتضا، خیال قدرۃً یہ گزرا، کہ کہیں اُس ذات نے جو ہم بے نیاز ہے، واقعۃً التفات ترک نہ کر دیا ہو!

غم اور چارہ گرمی۔ یہ غم اُسے پیدا ہوا، جو دنیا کو غم سے نجات پانے کا راستہ دکھانے آیا تھا۔ ادھر اس فکر و غم کا پیدا ہونا تھا، کہ ادھر عالم قدس میں جنبش پیدا ہو گئی۔ غم اگر بندہ کو ہوا تو بندہ کا مالک تو غم کے دور کرنے سے عاجز نہ تھا۔ اضطراب اگر پیکر خاک کو ہوا، تو تسکین کا نسخہ جان پاک سے تو کچھ دُور نہ تھا۔ نوزانیوں کے سردار اور قدوسیوں کے

لے عام اہل تفسیر نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ حضورؐ کی انگلی میں چوٹ آگئی تھی لیکن ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے بروایت حضرت جندبؓ صاف لکھا ہے کہ حضورؐ کی انگلی پتھر سے زخمی کی گئی تھی، اور اس زخمی کے جانے کی تائید اُس شعر سے بھی ہوتی ہے جو آپؐ نے اُس وقت پڑھا، جس میں آپؐ نے اپنی انگلی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تو اٹھ کر راہ میں ہو لہان ہوئی ہے اور بے اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے۔

پیشوا، جبریل امین خدمت سفارت پر مامور ہوتے ہیں اور بہت
افلاک کی مندریں طے کر کے تسلی و تسفی کا یہ صحیفہ لیکر کسی کی خدمت
میں حاضر ہوتے ہیں، کہ غم و اضطراب کی کیا بات ہے۔

والضحیٰ۔ دن نکل آیا۔ ہدایت و لوزانیت کا آفتاب طلوع
ہو چکا۔ بشارت ہو، کہ اُس آفتاب کی کرنیں پھوٹ چکیں، اس کا
اُجالا گھر پھیل چکا۔ وہ رب رحیم جو عالم کے جسمانی نشوونما اور
حیات مادی کی تکمیل کے لئے روزانہ آفتاب کو چمکاتا رہتا
ہے، کیا انسان کی ربوبیت روحانی کے لئے آفتاب ہدایت کی
روشنی نہ پھیلاتا؟ پس ہر روز آفتاب کے اُجالے کا نہور خود تیرے
منہج نور و ہدایت ہونے پر، تیری صداقت پر، اور تیری رست
پر گواہ ہے، اور محض شاعروں والا دن ہی نہیں، بلکہ سکون الی
رات، وہ رات جس کا کام واللیل اذا سبجی سکون
دینا ہوتا ہے۔ وقت کا وہ تاریک حصہ جس میں ساری جاندار
مخلوق سکون و آرام لیتی ہے، وہ بھی تیری ہی سچائی کا ایک
نشان ہے۔ جو حکیم مطلق جانداروں کے آرام و آسائش کے
لئے یہ وقت نکالتا ہے، وہ انسان کی ابدی راحت اور روحانی
سکون کا سامان نہ کرے گا؟

لے سبھی کے سفا میں اہل تفسیر مختلف ہیں۔ لیکن ابن زید سے اس کے معنی سکون ہی مروی
ہیں۔ (تفسیر ابن جریر) اور راغب نے بھی سبھی کے معنی سکون ہی لئے ہیں۔

آفتاب کا ظہور اور رات کا سکون، بجائے خود اس کے گواہ
 ہیں، اور زبان حال سے ماحول دعا و دعا و دعا و دعا
 پر شہادت دے رہے ہیں، کہ اے خلق کے غمخوار، تیرے رب
 نے نہ تجھے چھوڑا ہے، اور نہ وہ تجھ سے ناخوش ہے، یہ تیرے
 منکر اور تیرے حاسد اپنی بے بصری سے جو رائے تیرے متعلق چاہیا
 قائم کریں، مگر یہ کہیں ممکن ہے، کہ جس نے تجھے خلعت رسالت سے
 سرفراز کیا ہے، وہ تجھے چھوڑ دے، یا تجھ سے ناخوش ہو جائے!
 وہ تو تیرا ”رب“ ہے، اس کی نسبت ربوبیت کا تو عین تقاضا
 ہے، کہ وہ تیری تربیت کرتا رہے، اور جس غرض سے اُس نے تجھے
 اپنا پیا مبر بنا کر بھیجا ہے، اُس کی تکمیل کے لئے لازمی ہے، کہ وہ
 تیرے اوپر اپنی مسلسل و غیر منقطع رحمتوں کی بارش جاری رکھے
 نا فہموں نے یہ کہنا شروع کیا ہے، کہ تیرے پروردگار نے تجھے
 چھوڑ دیا ہے، اور تجھ سے ناخوش ہو گیا ہے۔ چھوڑ دینا اور ناخوش
 ہونا تو الگ رہا، تیرے رب کی تو تیرے حال پر اس درجہ شفقت
 و رحمت ہے، کہ **وَلَا خِرَّةَ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْوَلِيِّ**۔ تیرے
 لئے تو ترقی ہی ترقی ہے، تیری آخرت تیری دنیا سے کہیں
 بڑھ کر، اور تیری ہر کھچلی حالت تیری ہر پہلی حالت سے
 کہیں بڑھ چڑھ کر رہے گی، آخرت کا حال تو جب معلوم ہوگا،
 لیکن اسی دنیا میں فتح و نصرت تو تجھے ابھی حاصل ہوتی ہے۔ آج

جو تجھے ذلیل و خوار کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، کل وہ خود بیل
 و خوار ہوں گے، آج جو تجھے ستانا چاہتے ہیں کل وہ خود اسی ماویٰ
 دُنیا میں مٹ کر رہیں گے۔ مکہ تیرا ہوگا، مدینہ تیرا ہوگا، طائف
 کا سبزہ زار تیرا کلمہ پڑھے گا، خیبر کا قلعہ تیرے سپاہیوں کے
 نعرۂ تجبیر سے گونجے گا۔ تیرا جاہ و جلال ہر لمحہ، ہر آن ترقی کرے گا
 اور تو ہی اپنی بیچارگی و بے سروسامانی کے ساتھ سارے سازد
 سامان والوں، سارے قوت و جبروت والوں پر غالب ہو کر
 رہے گا، یہ بد بخت اور کور باطن تجھے ہماری رحمت اور ہماری
 قُرب سے دُور سمجھ رہے ہیں، تو تو ہم سے اتنا نزدیک ہیں اور ہمیں
 اتنا عزیز، اتنا محبوب، اتنا پیارا ہے، کہ ہماری رضا ~~میں~~ تیری
 رضائیں ہیں۔ تجھ پر ہمارے لطف و کرم کی اس درجہ بارش
 ولسوف يعطيك ربك فترضى۔ ہے، کہ تو خود ہمارے
 الطاف بیکراں سے سیر اور مطمئن ہو جائے گا، تیری طبیعت
 خود ہمارے عطایائے پیہم سے آسودہ ہو جائے گی، تو
 جو مانگے گا ملے گا۔ تیری جو خوشی ہوگی پوری ہوگی، یہاں
 بھی اور وہاں بھی، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، آج بھی اور کل
 بھی۔ یہ عطائیں اور بخششیں تیرے ”رب“ کی طرف سے ہونگی
 اس کی ربوبیت تجھے پورے مہتہائے کمال تک پہنچا کر رہے گی
 اور کمالات میں دُنیا کے کمالات بھی شامل ہیں اور آخرت کے بھی

”آج“ عطاء و بخشش کا مشاہدہ یوں ہوگا، کہ تیرے گئے مئے مفلس
 مُرید اور فاقہ مست شاگرد اپنے سے دس گئے اور میں گئے اور سو
 گئے سو رماؤں پر بڑے بڑے جتھے اور سرمایہ والے سرداروں پر
 غالب آئیں گے۔ مکہ کو فتح کریں گے، مدینہ پر حکومت کریں گے،
 یمن کو زیر کریں گے، عراق پر اپنا علم نصب کریں گے، مصر کو اپنا
 کلمہ پڑھائیں گے، قیصر کے قصر جہاندارہ کی اینٹ سے اینٹ
 بجادیں گے، ایران کے پایہ تخت کو ہلا کر رکھ دیں گے اور ”کل“
 تیرے کمالات کا ظہور اس رنگ میں ہوگا، کہ جس وقت ابراہارو
 اختیار لڑاں و ترساں ہوں گے، جس دم بڑے سے بڑے مقرین
 اپنے لئے تھرا رہے ہوں گے، جس گھڑی موسیٰ کلیم و عیسیٰ مسیح ہمک
 کی زبانوں پر نفسی نفسی ہوگا، اُس آن اور اُس گھڑی لو اے محمد
 تیرے ہی ہاتھ میں ہوگا، اُس وقت تیری ہی سُنی جائے گی، اُس
 وقت تیری ہی مانی جائے گی، اور اُس وقت تجھی کو یہ حق حاصل
 ہوگا، کہ آپ تو آپ، اپنوں میں سے، اپنے کہلانے والوں میں سے
 جتنوں کو چاہے گا۔ اور تو ان میں سے کس کو نہ چاہے گا؟ تو
 تو اپنے والوں پر ”حریص“ بھی ہے، اور ”رؤن“ بھی، اور ”رحیم“
 بھی، حریص علیکم بالمومنین رؤف و رحیم۔
 سب کو اپنے ساتھ لگالے گا، آگ سے نکال لے گا، تہر و غضب
 سے بچالے گا!

اور یہ وعدے اور یہ بشارتیں تو خیر آئندہ کے لئے ہیں، انھیں دیکھنے کے لئے پھر بھی کسی قدر پیش بینی اور نور بصیرت کی ضرورت ہے، یہ منکر اور حاسد تو اتنے اندھے ہیں اور بصارت سے اس حد تک محروم ہو چکے ہیں، کہ اب تک جو کچھ انہی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا ہے، وہ بھی انھیں نہیں سوجھ پڑتا؛ اب تک اسے پیچیدہ معاملہ تیرے ساتھ رہا ہے، وہ بجز محبوبوں کے کسی اور کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے؛ کیا ان بے بصروں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس، **المحمد للہ یتیمًا فاوی**، عالم ناسوت میں تیری آمد کس بیکسی اور کنسی بیچارگی کی فضا میں ہوئی تھی؟ دنیا بھر میں تعلیم و تربیت، پرورش و پر وخت کا اصلی ذریعہ

(باقی سلسلہ حاشیہ صفحہ ۱۲) عموماً مفسرین نے آیت کے معنی یہ لئے ہیں کہ تیری عاقبت تیری دنیا سے بہتر ہوگی۔ لیکن ابن عطیہ اور ایک گروہ مفسرین اس جانب بھی گیا ہے کہ بہتر حالت کا تعلق اسی دنیا سے ہے، یعنی نزول سورۃ کے وقت جو حالت ہے اس سے کہیں بڑھ کر آئندہ ہوگی، اور فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ و یجئ ان بریداً جائتہ قبل نزول السورۃ و بعد ہاد وعدہ تعالیٰ بالنصر و انظرف قال ابن عطیہ (بحر المحیط، ابن حبان) قاضی بیضاوی نے اس سے زیادہ تصریح کے ساتھ دینی ترتیبی کلمات کو اس میں شامل کیا ہے۔ نہایت اہم کثیر من چہایتہ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزال یتصاعد فی الزلفۃ واللہ لہ وعد شامل لما اعطاه من کمال النفس و ظہور الامار و اعلاء الدین و لما اوخر کہ جاعلہ کہنہ سواہ زبیداوی، قبیل و لسوف یعطیک دلت من الثواب و قبیل من النصر و کثرة المؤمنین تفرغنی (بغوی) و حمل الایہ علی ظاہرہا من خیر الدنیا و الاخرۃ معاً اونی الخ (خازن) و الادنی ان ہذا وعد شامل کما اعطاه فی الدنیا من النضر و لما اوخر لہ من الثواب (ابن حبان)

باپ ہوتا ہے۔ تیرے پیدا ہوتے ہی تیرے لئے یہ سہارا توڑ دیا گیا تھا۔ باپ کے بعد پھر بے غرض خدمت کرنیوالی اور اپنے کو مٹا کر بچہ کو پرورش کرنے والی ہستی ماں کی ہوتی ہے، چند ہی روز بعد تجھے اُس کے آغوش سے بھی جدا کر دیا گیا تھا۔ لے دے کے ایک سہارا دوا جان کا تھا، لیکن قبل اس کے، کہ تیرا بچپن ختم ہو، یہ سایہ بھی تیرے سر سے اٹھا لیا، اب تو تھا اور تیری بیٹی، تو تھا اور تیری بیکیسی! نہ گھرانہ کوئی خوشحال نہ تعلیم و تربیت کا کوئی سامان! پھر آخر بجز ہماری ربوبیت کے کس نے تیرا ہاتھ پکڑا ہے بجز ہماری رحمت کا ملہ کے کس نے تیری دستگیری کی؟ کس نے تیرے سر پر ہاتھ رکھا کس نے تجھے ہر خطرہ سے بچایا؟ کس نے قدم قدم پر تیری حفاظت کی؟ کس نے تیری صورت، تیری سیرت، تیری صحت، اور تیرے اخلاق کو ایسا سنوارا کہ تیرے ظاہر پر شہزادے اور امیر زادے، تیرے باطن پر حکماء و درویش رشک کرنے لگے؟ دشمنوں سے کس نے بچایا؟ ابو لہب کی تلوار اور ابو جہل کے نیزے کو کس نے تجھ سے دُور رکھا؟ پھر یہ نہیں بلکہ تو بے تعلیم اور حرف ناشناس و وجدان ضائع ہندی، جو خدمت خلق کی دُھن میں راہِ نجات کی تلاش میں تزکیہ باطن کے فراق میں، غافل و بے خبر ادھر سے

اُدھر سرگرداں پھر کرتا تھا، کس نے تجھے بغیر کسی درس گاہ و کتب خانہ کی مدد کے، بغیر کسی مرشد و استاد کی وساطت کے۔ اپنی صاف اور روشن راہ دکھا دی؟ کس نے علوم لدنی کے صحیفے تیرے لئے کھول دیے؟ کس نے تیرے قلب کا پردہ روشن کر دیا جو اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی پر روشن نہیں ہوا تھا؟ یہ اگر ہماری ربوبیت کا ملکہ کا کرشمہ نہیں، تو اور کیا ہو سکتا تھا؟ اور اسی طرح تو جو ہر طرح پر محتاج تھا، تجھے تو نگر و مستغنی کس نے بنا دیا؟ کیا بجز ہماری رحمت کا ملکہ و ربوبیت مطلقہ کے و وجدك عائلاً فاغنی، کوئی اور شے تھی، جس نے خدیجۃ الکبریٰ کی خوشحالی میں تجھے شریک بنا دیا، جس نے ممتول صحابہ ہاجرین کی دولتیں تیری نذر کرا دیں؟ تیرا قلب ٹپ رہا تھا کہ دنیا میں تو حید باری کیونکر قائم کی جائے، تیرے قلب کو اُس کے دلائل سے بھر دیا گیا، تیرے نفس کے پتھر کو غنا سے تبدیل کر دیا گیا، تو خود اپنی مغفرت و نجات کی کلید

لہ و وجدك ضالاً فہدیٰ ۱۰۱ غیر متہد لما سبق ایک من النبوة و راۓ قال الحق و الصفاک و ابن کسان و وجدك ضالاً من معالم النبوة و احکام الشریعۃ غافلًا عنہا فہدک الہا (دیو تھی)

لہ و وجدك عائلاً فاغنی ۱۰۲ اے ازال عنک فقر النفس و جعل لك الغنی الاکبر۔ (راغب و تاج العروس)

لہ و وجدك فقیراً الی رحمۃ اللہ و غفوه فاغناک بمغفرتہ لك ما تقدم من ذنبک و ما تاخر (راغب و تاج العروس)

ہم نے تجھے خود تیری ہی نجات کی طرف سے بے فکر نہیں کر دیا،
 بلکہ اعلان عام کر دیا، کہ جو بھی تیرا وسیلہ تلاش کرے گا، جو تیرے
 نام کا سہارا پکڑے گا، اُس کے لئے نجات ہی نجات ہے،
 کہاں ابھی خود اپنے لئے راہ تلاش کر رہا تھا، اور کہاں ابھی
 رہبر و رہنما ہی نہیں، بلکہ دُنیا جہاں کے رہبروں کا سردار اور
 رہنماؤں کا پیشوا بنا دیا گیا! یہ معاملات اگر خاص محبوبوں کے
 ساتھ نہیں تو کیا کسی اور کے ساتھ ہو سکتے ہیں؟ بے بھرمنگوں
 اور حاسدوں کو، مستقبل نہ سہی، ماضی میں بھی تیرے مرتبہ قرب
 کی کھلی ہوئی نشانیاں نہ دکھائی پڑیں؟

یہ مرتبہ محبوبیت سارے عالم کے محبوبوں میں سے کسی کو
 حاصل ہوا ہے؟ پھر یہ مراتب محبوبیت اب بھی ختم نہیں ہوتے
 محبوبوں کی ذات ہی نہیں، ان کی ایک ایک صفت محبوب بناتی
 ہے۔ ان کا ایک ایک وصف، محبت کی کائنات میں کیا کچھ
 درجہ رکھتا ہے! تو یتیم تھا، لے آج سے ہم کو خود یہ صفت یتیمی
 فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ، محبوب ہو گئی ہے، آج سے کسی یتیم کے
 ساتھ سختی، بدسلوکی، بے مہری، بے اعتنائی، ہمیں گوارا
 نہیں۔ جو یتیم سے بے مہری کرے گا، خود اُس کے ساتھ بے مہری
 کی جالیگی، جو یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ نہ پھیرے گا، وہ خود
 شفقت و رحمت سے محروم رہے گا، جس کے دل میں یتیم کا درد

نہ ہوگا، اُس بیدار کے ساتھ بھی درو مندی نہ برتی جائے گی۔
 یہ اعلان ہماری کتاب میں ہمیشہ کے لئے کیا جا رہا ہے۔ ہماری
 کتاب میتھی کی قدر و منزلت کی گواہ رہے گی، اور ہمارا دین تمہیں
 کے حقوق کا محافظ ہو گیا! تو بہت دنوں تک راہ کی تلاش میں
 سرگرداں رہا تھا، تو بہت روز تک اپنی تشفی کے لئے سائل بنا
 رہا، تو نے بہت زمانہ بہ حیثیت سوالی کے بسر کیا، اس کی یادگاہ
 واما السائل فلا تنهر، میں یہ اعلان عام کیا جاتا ہے، کہ
 سائل کی عزت کے ہم نگران ہیں۔ سوال کرنے والا ہرگز سختی
 و درشتی کے برتاؤ کا مستحق نہیں۔ بلکہ نرمی، آشتی و شیریں
 زبانی اس کا حق ہے، اور راہ ہدایت کا ہر سرگرداں حق
 کی راہ میں ہر نکلنے والا، علم صحیح کی تلاش میں ہر قدم رکھنے والا
 اس کا مستحق ہے، کہ اُس کی تشفی کی جائے۔ آج سے ہماری آسانی
 کتاب زمین والوں کو حکم دیتی ہے کہ سوالی کے ساتھ لطف مہربانی
 سے پیش آئیں۔ آخر ہر سائل کو عرب کے ”سائل“ اعظم سے کچھ نسبت
 و مناسبت تو بہر حال حاصل ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے

الح سوال استعاء معرفۃ او مایودعی الی المعرفۃ (راغب) قال ابوالدرداء، دکن
 وغیرہا السائل یرى السائل عن العلم والدین ولا سائل المال (بحر المحیط) دردی عن الحسن
 فی قوله ولما السائل فلا تنهر قال طالب العلم (معالم التنزیل) بغوی السائل طالب العلم
 ینیب اکرام مطلوبہ (خازن) قال العلماء اما انابیس باسائل دکن
 طالب العلم ینشا پوری۔

تجھے محتاج اور بدرجہ غایت محتاج پایا تھا۔ جس درجہ کی محتاجی تھی، اُسی درجہ کا غنا، ہم نے اپنی عطا و بخشش سے رحمت فرمایا، واما بنعمت ربك فحدث۔ اس دولت کا نام، دولت نبوت و قرآن ہے۔ ہماری یہ نعمت چھپا کر رکھنے کی نہیں، خوب لٹانے اور تقسیم کرنے کی ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہو، اس دولت کو لٹاؤ اس نعمت کا فیض عام جاری کرو، اور اس چشمہ رحمت سے ایک ایک کو مستفیض کرتے رہو۔

مکہ کے بے بس و بے کس یتیم، غار حرا میں مراقبہ کرنے والے گوشہ نشین! دیکھ لی تیرے مرتبہ کی بلندی دیکھ لی تیری شانِ محبوبیت کا نظارہ کر لیا! خادموں اور غلاموں ہی نے نہیں، منکروں اور حاسدوں، بد باطنوں، اور کورچشوں تک نے تیرے آفتابِ قبال کی چمک دمک دیکھ لی، جو تجھ سے ٹکرایا، مٹا دیا گیا۔ توڑ دیا گیا، پاش پاش کر دیا گیا! جو تیرے سامنے جھکا، نوازا گیا، سرفراز ہوا! اپنی مراد کو پہنچا۔ ابو جہل اور فرزندِ خطاب، دونوں تیرے حق میں کیاں تھے ابو جہل نے تجھ سے دشمنی کی، اپنے آپ سے دشمنی کر لی! عقل و دانش نیک نامی و اقبالِ مندی، آفتابِ ماہتاب، زمین و آسمان سب اُس کے دشمن ہو گئے! فرزندِ خطاب نے اپنا سر تیرے آگے جھکا دیا، سب اُس کے آگے جھک گئے، خزانے جھکے، فوج و لشکر جھکے، اقبالِ شرم جھکا، ناموری و اقبالِ مندی جھکی، شام و ایرانِ مصر و عراق کے تحت و تاج جھکے، ایک عالم کا عالم صولتِ ناروتی کے آگے جھک گیا!

نقش محمدی

فقر محمدی

پُرانے مشائخ طریقت میں ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطیؒ گزرے ہیں جنکو شیخ عبدالحق دہلویؒ 'عالم عامل' اور "عارف کامل" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ

از کبار مشائخ دیار عرب بود، و مقتدائے روزگار، در طریق اتباع سنت و تقویم و ترویج ایں طریقہ بے نظیر وقت بود۔

عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے، اور اپنے زمانہ کے پیشوا۔ اور پیروی سنت رسولؐ، اور اُس کے پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ 'الفقر المحمدي' کے نام سے ہے، شیخ دہلویؒ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا، اس کا فارسی ترجمہ انھوں نے تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدي کے نام سے کر دیا، جو اُن کے مجموعہ رسائل و مکتوبات میں نمبر پانچ پر شائع ہوا ہے۔ آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین اور بہت سے دوست و موافقین، اُس کو شریعت اسلام سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں، شاید اس کے بعض مطالب کا مطالعہ مفید ہو۔ ترجمہ نقلی

نہیں، عزانات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں، اور مضامین کی ترتیب بھی میری ہی قائم کی ہوئی ہے۔

تصوف کا اصل اصول۔ اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے، جس کی جڑ مضبوط، اور جس کی شاخیں بلند ہوں، تو لازم ہے، کہ محمد رسول اللہ کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو، اور انھیں کی پیروی کرو، کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے، اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو، کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گندلا ہو جاتا ہے، اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا۔

اس مسلک کا انجام۔ اس طریقہ محمدی پر اگر قائم رہے، تو امید ہے کہ اگلوں سے جا ملو گے، جو پیغمبر خدا صلعم کے اصحاب میں سے تھے، اور قیامت کے روز پیغمبر کے جھنڈے کے نیچے، پیغمبر دیاران پیغمبر کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا، کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، لیکن تمہارے اوپر اُس وقت تمہارے شیخ۔ یعنی حضور رسول خدا صلعم کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔

تصوف کے معنی۔ لوگوں کی زبان پر آج فقر فقر ہے، لیکن اسکی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے، اور نہ یہ خبر ہے، کہ اس کی انتہا

کیا ہے۔ اگر فقر کے معنی سمجھ میں آجائیں، اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو جائے، تو اس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ فقر کے میدان میں قدم رکھنا صرف اسی وقت ممکن ہے، جب ممنوعات سے بچنے اور احکام کی تعمیل پر قدرت حاصل ہو۔ لازمی شرطیں۔ اس رنگ میں ڈوبنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ جس طرح شقی اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیال گناہ سے محفوظ رکھے، اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو، تو فوراً اس سے توبہ کرے۔ فقیر ایسے ہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں مرضی الہی کے خلاف کسی خطرہ کا گذر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے، کہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کر کے کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے، جب تک یہ قدرت نہ حاصل ہوئے زبان پر فقری کا نام لاتے ہوئے بھی شر مانا چاہیے۔

گناہ سے بچنے، احکام کی پابندی کرنے، اور دل کو خطرات اور وساوس سے محفوظ کر لینے کے بعد، دوسری شرط فقیر کے لیے یہ ہے، کہ خدا کی طلب و محبت دل پر اتنی غالب آجائے، اور طبیعت خدا کی محبت سے اس قدر مغلوب ہو جائے کہ دنیا کے تمام فوائد و منافع بالکل مل جائیں، اور ان کا خیال تک نہ آنے پائے، دل کو محض محبوب حقیقی و مطلوب اصلی کے لئے مخصوص

ہو جانا چاہئے۔ اور ماسومی سے بالکل خالی ہو جانا چاہئے۔ جب تک یہ کیفیت نہ طاری ہو جائے فقیری کا دعویٰ کرنے سے شرمناک۔ کالمین کا مرتبہ۔ اوپر جو شرطیں بیان کی گئیں، یہ مبتدیوں کے لئے ہیں۔ جب دل کو انھیں کے سننے کی تاب نہیں، اور ان پر عمل کی توفیق نہیں، تو کالمین کے مرتبہ کمال کو وہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ اور اُس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے کی جاسکتی ہے۔ صر اُن کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جھوٹے مدعی۔ رونے کا مقام ہے، کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام کھاتا ہے، اور باطل میں مشغول رہتا ہے۔ جو ان لوگوں کو مل جاوے اُن کو نزدیک حلال ہے، اور جو نہ ملے وہی حرام ہے، دن رات انھیں یہ دھن سوار رہتی ہے کہ لذیذ غذا میں کھانے کو، خوبصورت چہرے دیکھنے کو، اور نغمہ کی آوازیں سننے کو ملتی رہیں۔ اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے زبان سے نکالتے ہیں، اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں، تاکہ عوام ان کے معتقد ہوں، اور انھیں دنیا کچھ اور ہاتھ آئے۔ ان لوگوں کو نہ حلاوت اسلام سے واسطہ نہ لذت ایمان سے سروکار، ساری ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں، اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو گویا لکڑی مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور امیروں اور بادشاہوں

کے ہاں کی آمد و رفت، اور اُن سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے شر سے بچائے کہ دنیا کے رہنروں سے کہیں بڑھ کر یہ دین کے رہن ہیں۔ دنیا کا رہن مال لے جاتا ہے، اور یہ دولت ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں، عوام پر ان کے لباس فقر کا اثر پڑتا ہے، اور وہ سمجھنے لگتے ہیں، کہ فقیر ہی اسی کا نام ہے۔

سچے فقیر کی علامات۔ محمدی فقیروں کی ایک علامت یہ ہے، کہ وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں، اور اُس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں، اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا عکس پڑنے لگتا ہے۔ کیسے غضب کی بات ہے، کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اُسی کے کلام میں لطف نہ آئے، اُس کے لئے طبیعت حاضر نہ ہو، اور لطف آئے، تو شعر و قصیدہ پر گانے بجانے پر، اور تالیوں پر!

سماع اور قرآن۔ اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لیے ساری لذت و حلاوت قرآن میں ہے، اور اُن کے دلوں کی راحت و تسکین کا سامان اسی میں ہے۔ کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اور قرآن کے احکام و قصص، مواظبا و اخبار، وعد و وعید کو سنتے ہی اُن کے دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا

اور مشکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہیں، اور یہ جبکہ جاتا ہے، کہ شعر کو نہ کہ قرآن کو، طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے، اس لیے اشعار کو سن کر دل میں قدرتا تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو و بے حقیقت ہے، اس لیے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سر پر حرکت کرنا جبلت حیوانی کا تقاضا ہے، چنانچہ حیوانات اور بچے، سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ فطرت حیوانی ہے، انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے، اور محبت آہلیٰ حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد کے آنے والوں کا حال تھا، سوان کے قلب کو حرکت میں لانے والی، اور ان کے شوق، وجد، رقت، اور خشوع کو بڑھانے والی شے، قرآن پاک کی سماعت ہی ہو سکتی ہے۔

عملی ہدایات - صحیح تصوف، یا فقر محمدی میں قدم رکھنے والے کے لئے عملی ہدایتوں میں سے پہلی شے یہ ہے :- اپنے پروگرام کے سامنے، جس نے قرآن اور رسول جیسی پاک نعمتیں اتاری ہیں، صدق دل سے توبہ کرنا، پھر تنہائی میں جا کر سب کی نظروں سے الگ، وضو کر کے دو رکعتیں خشوع قلب کے ساتھ پڑھنا، اس سے فارغ ہو کر ننگے سر ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اتنی دیر تک کھڑے رہنا، کہ دل میں گداز پیدا ہو جائے،

اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں، اُس وقت رورو کے
توبہ و استغفار کرنا، اور الفاظ حدیث کے مطابق سید الاستغفار
پڑھنا، پھر طریق پیروی رسول پر قائم و مضبوط رہنے کے لیے
توفیق چاہنا اور آئندہ کے لیے مضبوط عہد کرنا، کہ آنکھ، کان،
زبان، شکم، شرمگاہ، اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ
رہیں گے، ایسا کہ جب دن ختم ہو، تو نہ زبان کسی کی بدگوئی
جھوٹ، بدزبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو، نہ کان نے
کوئی بیجا بات سنی ہو، اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو جس کا
دیکھنا شرعاً پسندیدہ نہ تھا، اور نہ خالق و مخلوق میں سے
کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے پائے۔

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے، کہ نماز باجماعت
اپنے ارکان و آداب و حضور قلب وغیرہ کی پوری پابندی
کے ساتھ ادا کی جائے، ایسی کہ حدیث میں جو لفظ "احسان"
آیا ہے، اُس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے۔ حال صحیح وہی ہے،
جو حالت نماز میں طاری ہو۔ بندہ اور پروردگار کے درمیان
رابطہ پیدا کرانے والی شے نماز ہے، پس اگر نماز میں حضور قلب
نہیں پیدا ہوتا، تو اُس کا کوئی حال معتبر نہیں، اس لیے کہ جس
بندہ کے محابات، ایسی منزل قرب میں بھی پہنچ کر دُور نہیں ہوتے
اُس کے لیے کسی دوسرے موقع پر اس کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

جیفت ہے، کہ سماع شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو، لیکن جو وقت عین
حضورِ حق کا ہوتا ہے، اُسی وقت غائب ہو۔ ایسی فقیری فاسد
اور ایسی درویشی ناجائز۔

مینا و کار۔ سچے تصوف کی ساری بنیاد رسول کریم صلعم
کے ساتھ محبت و ربط قلب پیدا کرنے پر ہے، اپنے دل کو
اُس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اُسی کو اپنا شیخ اور
اپنا امام بنایا جائے، اُسی کے نام پر بکثرت درود و صلوة بھیجا
جائے، اور اسی کے ساتھ پیوند محبت مستحکم کر لیا جائے۔ تمام
درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ اُن کے دلوں میں اُن کے مرشدوں کی
عظمت ایسی بیٹھ جاتی ہے، کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ یا مرشد کا نام
سُنتے ہیں، تو بے چین ہو جاتے ہیں، یہی کیفیت، یہی نسبت قلب
سچے درویش کو رسول کریم صلعم کی ذات گرامی کے ساتھ پیدا کر لینی
چاہیے۔ اپنا امام اور شیخ انھیں کو بنانا چاہیے، دل میں خیال
آئے تو انھیں کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو انھیں کی
کان لذت حاصل کریں تو انھیں کے نام مبارک سے، عظمت
کا احساس پیدا ہو تو انھیں کے ذکر سے، زبان انھیں پر درود
بھیجنے میں لگی رہے، دل میں انھیں کے حالات سُنتے اور جاننے
کا ذوق پیدا ہو، حدیث و آثار کے پڑھنے سے علاقہ محبت کو
اور ترقی ہو، شوق و اشتیاق ہو تو انھیں کا، یاد ہو تو انھیں کی،

پیر دمی ہو تو انہیں کی، ہر امر میں انہیں کے حکم کی تعمیل اور پیر دمی کا شوق غالب ہو، اور انکی پیر دمی میں اتنی شدت برتی جائے کہ ہر شخص دیکھتے ہی ”محمدی“ سمجھ لے۔

رسالہ کے اہم اور ضروری مطالب کا ملخص، سطور بالا میں آگیا۔ شیخ عبدالحق دہلوی ان تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد خود بھی ان کی پر زور تائید کرتے ہیں۔ کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہیں؟ کیا اہل طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجائش ہے؟ کیا کسی گروہ کو کوئی وجہ اعتراض ہے؟ ہمارے سچے رسول کی زبان سے یہ پیام دُنیا کو پہنچا تھا، کہ غیر مسلم، اگر خدائے واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں، تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے، اگر آج سارے اسلامی فرقے، رسول خاتمِ دُرحق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر آکر جمع ہو جائیں، تو آپس کی رنجش و نقیض، رد و کد کے لیے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

صابر رسولؐ

صَابِرُ رُسُولٍ

انسانیت کے لیے مصیبت میں تعزیت و تسلی کا پیام اور صبرِ رضا کا

خلقِ عظیم کا ایک خاص پہلو

اصلاح اور مصیبتیں - جتنے مصلحین دین کی فلاح و بہبود کا نقشہ لے کر اُٹھے کس کی آؤہگت گالیوں رسوائیوں سے، تکفیر و تقصیت سے، ضرب و بند سے نہیں ہوئی - کیا ابوحنیفہؒ قید میں نہیں ڈالے گئے؟ کیا احمد حنبلؒ کی پیٹھ سے خون کے شرارے خود مسلمانوں کے کوڑوں سے نہیں بہے؟ کیا غزالیؒ کی کتابیں آگ کے ڈھیر میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں جھونکی گئیں؟ کیا اسماعیل شہیدؒ پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا؟ کیا ان سب کی مصیبتیں اور بتائیں الگ الگ نہیں، ملا کر اور سب ایک میں شامل کر کے بھی اُس ایک انسان کے مقابلہ میں لائی جاسکتی ہیں، جو مخلوق کے اولین و آخرین میں سب سے بڑا بنا کر بھیجا گیا تھا؟ لیکن جس کو دن و دو دن نہیں، ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ بھی نہیں، تیرہ سال تک مسلسل و یک نخت، دُنیا کے شریروں اور رذیلوں سے، گندوں اور کینوں سے، شرابیوں اور جوار یوں سے، لپیروں اور حرامکاروں سے، پتھروں کے پوجنے والوں اور دجھوں کو سجدہ کرنے والوں سے انسانی سانپوں اور اژدھوں سے

انسان صورت بھیڑیوں اور درندوں سے، دب کر اور جکے رہنا پڑا۔ آج شہر کے کسی رئیس، کسی حاکم، کسی چودہری کو کوئی چوہر چار ذرا گالی دے کر تو دیکھے، یہاں گالیاں کھلوائی گئیں۔ اُسے جو سارے مغربین سے مغز تر۔ سارے وجہت والوں سے بڑھ کر وجیہ۔ اور سارے شریفوں سے اشرف تھا۔ ان کی زبانوں سے جو ذلیلوں سے بڑھ کر ذلیل۔ گندگی میں اپنی آپ نظیر اور رذیلوں میں بھی ارذل تھے! اور جس جسد مبارک کو ادب و احترام کے ساتھ مس کرنا، نوز کے بنے ہوئے فرشتوں کے لیے بھی باعث فخر و شرف تھا، اس کے ساتھ کیسی کیسی گستاخیاں اور دراز دستیاں وہ جہنم کے کندے کر کے رہے، جنہیں آگ میں جلنا اور آگ میں ملنا تھا! جسے آسمان والے نے ”حجل“ (ستودہ صفات۔ تعریف کیا گیا) بنا کر بھیجا تھا، گندہ دہن زمینی مخلوق اس کے ساتھ کس طرح پیش آئی۔ کیا اسے جی بھر کر چڑھایا نہیں۔ طرح طرح کے آوازے نہیں کسے؟ ڈھیلے نہیں برسائے؟ ساق مبارک کو لہو لہان نہیں کیا؟ کھانا پانی بند نہیں کیا؟ ہر طرف سے گھیر کر ایک غار میں بند کر کے، فاقہ کشی کی نوبت نہیں پیدا کر دی؟ دوستوں اور مخلصوں، جان نثاروں اور سرفروشنوں پر کیا کیا قیامتیں برپا ہو کر نہیں رہیں؟ غرض تکلیف و تعذیب تو ہیں!

تحتیر، آزار جسمانی و روحانی کا کوئی پہلو اٹھ رہا؟ تاریخ کے کس واقعہ سے انکار ہو گا؟ اور پھر اس ذات پاک کے صبر میں، ہمت میں، استقامت و استقلال میں کس وقت، کس لمحہ، کس آن فرق پڑنے پایا ہے؟ آپ اپنی تکلیف کو جھینکتے پھرتے ہیں، ہے کوئی جو اس بڑی مثال کے سامنے اپنے کو پیش کر سکے؟ اس پہاڑ کے سامنے، اپنے ریت کے گھر وندے کو لائے۔ اس بے مثال، مثال کو سامنے رکھ کر ارشاد ہو کہ کس نے دین کی راہ میں کیا کیا ہے؟ کیا سہا ہے؟ کیا کھویا، کیا لٹایا کیا اٹھایا ہے؟

مظالم اور اسوہ محمدیؐ۔ مظلومیت و غربت، بیکسی اور بیسی ہم پر، آپ پر، آج کسی درجہ میں طاری ہو، اسوہ محمدی سے بڑھ کر کون اسوہ ملے گا تسکین و تسلی کے لیے اس ذات کے سوا اور کہاں سامان نظر آئے گا؟ لیکن فراغت و غلبہ کے وقت بھی کیا اس کا سرشتہ ہاتھ سے چھوٹنے پائے گا؟ اچھا تو یہ بتائے کہ سرداری و فتحمدی کی حالت میں کبھی اس سردار کے سردار کے قدم نے عبدیت کے حدود سے ذرا بھی تجاوز کیا ہے؟ انتہائے مشغولیت میں بھی کبھی غفلت طاری ہوئی ہے؟ بڑی سے بڑی جنگ اور معرکہ آرائی کے وقت رسد کا سامان، اور روپیہ کا انتظام، گھوڑوں کی فراہمی اور ہتھیار

کی خریداری، میدان جنگ کا انتخاب اور صفوں لشکر کی ترتیب کو سچ کا حکم اور قیام کا ارشاد، فوجوں کا لڑانا، صلح کے شرائط طے کرنا، مال غنیمت کی تقسیم اور ملوک و سلاطین سے نامہ و پیام یہ سارے کام جن کے لیے آج بیوں ماہرین خصوصی کی ضرورت ہوتی ہے، کسریٹ والوں انجینروں کی، جنرل اور مدبر کی خدمات بنفس نفیس ہی انجام دیتے تھے، اور ممکن نہ تھا کہ ان میں پڑھ کر کسی وقت کی نماز رہ جائے۔ معمولات عبادت میں فرق آجائے۔ پھر آج کسی کے مشاغل کیا ان سے زائد ہو سکتے ہیں کس کی مشغول زندگی اس مقابلہ میں لانی ممکن ہے؟

تھکا دینے والے مشاغل اور صبر و استقامت۔ جنگ کی حالت چھوڑیے، امن کا زمانہ لیجئے۔ ابھی طائف مسلمان ہو رہا ہے۔ ابھی ایمن کے اسلام کی خوشخبری آرہی ہے۔ ابھی بحرین اسلام قبول کر رہا ہے، ابھی عمان اطاعت قبول کر رہا ہے۔ ابھی قرینہ کا وفد آرہا ہے۔ ابھی بنو تمیم کی سفارت پہنچ رہی ہے۔ ابھی قیصر دکسرنی کے نام خط طارودانہ ہو رہے ہیں، ابھی شاہ مصر کو دعوت اسلام بھیجی جا رہی ہے، فلاں قبیلہ پر جزیہ کی تشخیص ہو رہی ہے، فلاں نو مسلم آبادی پر زکوٰۃ کی تعیین کی جا رہی ہے، ادھر دعوات و مودنین کا تقرر ہو رہا ہے، ادھر مختلف شہروں اور صوبوں کے لیے حکام و دلات مقرر کیے جا رہے ہیں، ابھی غیر

ممالک کے قاصدوں سے گفتگو ہو رہی ہے، ابھی مقدمات کے فیصلہ صادر فرمائے جا رہے ہیں، مریضوں کی عیادت بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ ہی احتساب کا کام بھی جاری ہے، اور پھر تسبیح و تہلیل میں فرق آنے پاتا ہے، نہ شب بیداری و تہجد گزاری میں وہی مناجاتیں اور گریہ و زاری کے ساتھ عبادتیں، اور وہی راتوں کو کھڑے ہو کر اتنا قرآن پڑھنا کہ پائے مبارک پر دوہم ہو آئے! آج ذرا اسی بھی مشغولیت کسی کو پیش آ جاتی ہے، توجھٹ نوافل کیا معنی، فرائض تک کے ترک کا حیلہ ہاتھ آ جاتا ہے، ادھر یہ نظیر موجود ہے، کہ اس بیحد و حساب مشغولیت کے باوجود تعلق مع اللہ کے آثار ظاہری میں سرمو فرق نہیں۔ جنگ ہر مصالح فوجی خدمات ہوں یا ملکی مناصب، زمینداری ہو یا ریاست کاشتکاری ہو یا تجارت، کلکٹری ہو یا ججی، فٹسری ہو یا گوزری انسانی زندگی کا کونسا رخ ایسا ہے جس کے لیے، وہ آفتاب

ہدایت دلیل راہ نہیں؟

بہترین رفیق حیات کا صمد۔ بیوی اور چھٹی بیوی شوہر کے ہاتھوں اٹھ جانا، شوہر کے لیے کس قدر روح فرسا واقعہ ہوتا ہے، رفیق حیات، جس سے دل ملا ہوا ہو، جس نے زندگی کے ہر نشیب و فراز میں ساتھ دیا ہو، اسے اپنے ہاتھوں کفنانے و دفنانے کی ہمت کوئی کہاں سے لائے بجائے۔ لیکن ذرا خیال

اللہ کے اس لاڈلے بندہ کی طرف بھی جائے جس نے خدیجہ الکبریٰ جیسی عزیز و عزیز الوجود، محبوب و وفا سرشت شریک حیات کو ۲۳، ۲۴ سال کی رفاقت کے بعد اپنے ہاتھ سے کھویا۔ اور اللہ کی مشیت پر صبر کیا۔ کیا آپ میں کسی کا رنج اس رنج سے بڑھ کر کسی کا صدمہ اس صدمہ سے زائد ہے جب اسے کلچہ پر پتھر رکھنا پڑا، جس کی مرضی خود مرضی الہی کو منظور رہا کرتی تھی 'وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ' تو پھر ہم اور آپ یہ اور وہ، زید اور بکر کس شمار میں ہیں تسکین اگر ہوگی، تو پھر اپنے اسی بڑے کی مثال کو دیکھ کر۔ قومی زندگی سے قطع نظر کیجئے، خانگی زندگی کے مصائب و نوائب میں بھی، اس ایک کے ہوا اور کس کا سہارا پکڑے گا؟

ازدواجی زندگی کا ایک اور غم۔ اس کی برعکس صورت بھی کچھ کم روح فرسا نہیں۔ نوجوان بیوہ کس طرح چاہنے والے، ناز اٹھانے والے، شوہر کے داغ مفارقت کو برداشت کئے کس طرح اپنے بے قرار دل کو قرار دے؟ آئیے ایک بار پھر اسی عالمگیر دواخانہ کی طرف رجوع کریں۔ مائی زینبؓ اور مائی اُم سلمہؓ وغیرہا کو چھوڑیے، خود عائشہ صدیقہؓ جیسی کم عمر اور شوہر ہی لطف و محبت کی خوگر بیوہ پر آخر کیا گزری تھی؟ صبر انہیں کیا آیا؟ کیا جو وقت ان پر ڈالا گیا اس سے بڑھ کر

کوئی وقت کسی دوسری، حوا کی بیٹی پر پڑ سکتا ہے؟ یہاں تو
 سہاگ لٹتے وقت صرف ایک چاہنے والے شوہر ہی کا غم ہوگا،
 وہاں صدمہ کس کا اٹھانا پڑا تھا، ایسے شوہر کا جو رسولؐ اور
 پھر سب رسولوں کا خاتم، سب رسولوں کا سردار۔ اس دکھ
 کا کوئی علاج، اس صدمہ کا کوئی عوض، تصور میں بھی آ سکتا ہے؟
 آج بڑی سے بڑی غمزدہ مسلمان بیوہ بھی، عائشہ صدیقہؓ کی بیوی
 کو دیکھ، اور ذرا اپنے سوگ کا ان کے سوگ سے مقابلہ کرے؟
 انشاء اللہ بقیار دل کو قرار از خود آجائے گا۔

اولاد کا صدمہ۔ شوہر اور بیوی سے بڑھ کر جانگل صدمہ
 اولاد کا ہوتا ہے۔ کسی کے کلیجہ کو گرم گرم لوسے سے داغ دیا
 جائے، اور کہا جائے کہ زبان سے آہ، اور دل سے شعلہ نہ
 اٹھنے پائے، تو اس پر کیا گزر کر رہے گی؟ یہاں جس کے سر پر
 دین و دنیا کی سرداری کا تاج تھا، اس نے اپنے ہاتھوں
 ننھے اور معصوم ابراہیم اور دوسرے پیارے نبی زادوں
 کو نہلایا، کف نایا، جو ساری دنیا کے مسلمانوں کے حق میں روئے
 درحیم تھا۔ جو دشمنوں تک کے لیے رحمت و شفقت تھا، کیا
 خود اپنی اولاد کے حق میں اس کا دل تپھر کا تھا۔ کیا اس
 کے دل سے مامتا نکال ڈالی گئی تھی دل پر جو کچھ گزرا ہی تھی،
 دل والا جانے یا دل کا پیدا کرنے والا، خادموں اور جانثاروں

نے یہ دیکھا، کہ قبل موت، ننھے لختِ جگر کے منہ پر منہ رکھے ہوئے
 شفیق باپ، اور ہم سب کا شفیق روحانی باپ، 'بوسہ پر بوسہ
 لے رہا تھا۔ اور بعد موت جب قبر میں اپنے ہاتھ سے اُتارا
 ہے، تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور زبان پر یہ فقرہ تھا
 کہ "اے ابراہیم، ہم تیرے غم میں رو رہے ہیں!" آج دُنیا کا
 کون باپ اپنی مصیبت کو اس سے بڑی مصیبت بنا سکتا ہے؟
 کفار اور مشرکین مدتوں کے دشمنوں اور منکروں کا گروہ طعنہ
 دینے کو مستعد کہ کیے بنی ہیں کہ اولادِ زینہ کا سلسلہ بھی موقوف
 ہو رہا ہے، متعدد لختِ جگر پہلے پیوندِ خاک ہو چکے ہیں، آخری
 فرزند یوں رخصت ہو رہا ہے کس کی مصیبت اس مصیبت سے
 بڑی ہوگی۔ کس کا حزن اس حزن سے بڑھ کر ہوگا؟
 جو ان اولاد کا غم۔ اولادیں سب کی سب بچن ہی میں رخصت
 نہیں ہوئیں۔ رقیہ اور ام کلثومؓ نبی زادیاں پل کر اور بڑھ کر
 بالغ اور جوان ہو کر، اور یکے بعد دیگرے عثمان غنیؓ کی بیوی بن کر
 دُنیا سے رخصت ہوئیں۔ اور جو سارے عالم کو حیاتِ جاودہ
 کی بشارت دینے آیا تھا، اس نے اپنی جوان جہاں میوؤں کی
 حیاتِ ناسوتی ختم ہوتے، انہیں دم توڑتے، اپنی آنکھوں دیکھا۔
 ان کے لاشے اپنے ہاتھوں قبر میں اُتارے۔ اب اس کے
 بعد کون ہے جو اپنی جوان اولاد کے غم میں اپنے کو سب سے

زیادہ غم نصیب سمجھتا ہے آئے اور تسکین کا مرہم اپنے زخمِ جگر پر اس بے خطا دوا خانہ سے حاصل کیجئے !

عزیزوں اور جان نثاروں کے صدمے - بیوی اور اولاد کے غم کے بعد پھر دوسروں عزیزوں دوستوں کی وفات کے صدمے ہوتے ہیں، اُمت میں قیامت تک جس کسی کو یہ صدمے ہوں وہ آئے اور صبر اس کی مثال کو دیکھ کر حاصل کرے جس نے ابو طالب کی موت کا، حمزہؓ کی موت کا، جعفر طیارؓ کی موت کا، شہداء بدر کا، شہداء احد کا، اور اپنے بیویوں دوسرے فحش خادموں اور جان نثاروں کی موت کا صدمہ اٹھایا اور صبر سے کام لیا۔ رسولؐ کے صدمات کے بعد کس کا صدمہ انوکھا رہ جاتا ہے؟ رسولؐ کے غموں کے بعد کس کا غم بلا تغریت رہ جاتا ہے؟ -

عسرت اور فاقہ کے مصائب - موت کے صدمات سے ہٹ کر آئیے۔ تو پھر غم افلاس کا نمبر آئے گا۔ ایک خلقت کی خلقت ہے، کہ معاش کی تکلیف میں مبتلا، اپنے نصیبوں کو کوس رہی ہے۔ اُمت کے ان دکھیاروں کو بشارت دیجئے کہ ذرا نظر اٹھا کر اس کے جمال چاہا آرا کی جہلک دیکھ لیں۔ جو امیر کا امیر اور سردار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ کئی کئی وقت گھروں میں چولہا تک نہیں جلتا۔ فاقوں پر فاقے ہو رہے ہیں۔

اور پیٹ پر بھوک کی شدت سے پتھر بندھے ہوئے ہیں، اور متصل فراغت کے ساتھ کھانا تو شاید کبھی تین وقت سے زائد قیمت میں آتا ہی نہیں! کس کی مفلسی اس مفلسی سے بڑھ کر ہے؟ کون بھوکا آج اتنا بھوکا ملے گا، کہ پیٹ پر پتھر بندھے ہیں، اور وہ کام کاج، دوڑ دھوپ میں مشغول ہو بھوک اور معدہ کی کھرچن، عسرت و نادارمی، فقر و فاقہ کے مارے اور تلے ہوؤ! رسول اسلام کی آواز پر لپکو، کہ اس آواز دینے والے سے بڑھ کر کوئی غخور کوئی صحیح معنی میں ہمدرد کہیں نہیں ملے گا! جسمانی تکالیف۔ اب اس اُمتی کو لیجئے، جو علیل و رنجور ہے اور جس کا تن طبیبوں کا نیاز مند بنا ہوا ہے۔ وہ دیکھے گا کہ روحوں کو شفا بخشنے والا اور اخلاق کے بیماروں کو چشم زدن میں چنگا کر دینے والا طبیب خود بھی جسمانی آزار و آلام سے مستثنیٰ نہیں۔ زہر آپ کو دیا گیا، اور زہر کا اثر آپ پر ہوا، تیرے زخم آپ کے جسم پر لگے، دندان مبارک شہید ہوئے، اور خون ڈھلا دہل اس جسد الوز سے بہا۔ اور پھر بخار کی شدت اور کرب جو ایسے صابر اور ضابط کو بھی متاثر کئے ہوئے تھی! کوئی رنجوری ہے جس کے لئے نسخہ شفا اس دار الشفا میں موجود نہیں؟ یتیمی کے داغ، ماں باپ کا غم۔ یتیمی کے داغ سے بڑھ کر اور کون داغ ہو سکتا ہے اس وقت سے بڑھ کر کیسی اور بچا رگی کا اور کونسا وقت ہو سکتا ہے؟ آج ساری دنیا کے

بیکس بیچارے 'یتیموں' یسیروں کو خوشخبری ہو کہ جس نے ساری دُنیا کے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا، وہ خود بھی یتیم ہی ہو دُنیا میں آیا۔ اور یتیمی بھی کس غضب کی عمر کے دس سال پر نہیں، پانچ سال پر نہیں، والد کی شکل سرے سے دیکھی ہی نہیں۔ اور باپ کی محبت کو ایک لمحہ کے لیے بھی جانا ہی نہیں! جب دُنیا میں تشریف لا تو باپ پہلے ہی واپس بلا لیے گئے تھے۔ رہیں والدہ ماجدہ، سو وہ بھی پانچ سال سے زائد اپنی آنکھوں کے تارے، اور عالم کے آفتاب کا نظارہ نہ کر سکیں! یتیم کا اطلاق تو اس پر ہونے لگتا ہے جس کا صرف باپ زندہ نہ ہو۔ یہاں شروع سے بے پدری، اور شعور پیدا ہوتے ہی بے مادر می، ایک ساتھ یتیمی و یسیری! دُنیا جہاں کے یتیمو! اپنے حال پر رونے اور کڑھنے کی جگہ خوش اور نازاں ہو، کہ تم کس کی صف میں کھڑے ہوئے ہو۔

دلخراش طنز اور تشبیہ - طنز و تشبیہ سے غور کھانے، اور بدنامی و رسوائی سے ڈرنے والو ذرا اس نمونہ کو پیش نظر رکھو، جس کے جلو میں ملائکہ مقربین اور جبریل روح الامین کی نصرتیں تھیں اس پر بھی اُسے اُحد میں اور حنین میں چاہے وہ کسی مصلحت سے اور کتنی ہی عارضی طور پر ہو، دشمنانِ دین کے سامنے ناکام رکھا جاتا ہے، اور دشمنانِ حق کے مقابلہ میں اس کی مغلوبیت

دکھائی جاتی ہے! راستی اور راستبازی کے دشمنوں نے ایسے موقع پر انتہائی دلخراش و دل شکن طنز و تمسخر کا کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا! بے اولاد می کا طعن کوئی معمولی طعن ہے! کسی فرزندِ زینہ کے نہ باقی رہ جانے کا طنز کوئی آسانی سے برداشت ہو جانے والا طنز ہے! پھر صاحب کوثر کو یہ سب سنا پڑا یا نہیں اُمت کے حق گوؤں اور حق پرستوں کے لیے حیاتِ طیبہ کی کتاب کے ابواب کیا سرے سے بے معنی ہیں؟

خانہ دار می کے مشکلات - بیوی کسی کی ایک ہوتی ہے، تو اس کے پورے ادائے حقوق اور اس کے ساتھ ہمیشہ لطف و موافقت شکل رہتا ہے، چہ جائے کہ جس کی ایک وقت میں دو نہیں تین نہیں۔ اکٹھی نو ذبیحیاں ہوں! ان سب کے ساتھ یہ حسن معاشرت نباہ کرنا معمولی بشر کا کام تھا عقل کے اندھے کہتے ہیں، کہ یہ ایک صورتِ عیش پرستی کی تھی! خدائے واحد کی قسم! یہ صورتِ انتہائی مجاہدہ اور نفس کشی کی تھی۔ بیویاں بھی جنت کی حوریں یا فرشتہ بنا کر بھی گئیں تھیں۔ یہی انسانی اجسام ان کے تھے، یہی کھانے پینے کی خواہشیں اور یہی پیتے اور صے کی ضرورتیں، یہی قلوب کے اندر رقابت کی چمکیں باہم چلتیں، باتیں بڑھتیں، اور ملال و تکدر حضور کے قلب مبارک

تک پہنچتا۔ کاشانہ مبارک میں جو بے سرو سامانی تھی ظاہر ہے۔
 صراحت کے ساتھ ان بیویوں کو علحدگی کا اختیار دیا گیا سب کی سب
 اس درجہ والاوشیداتھیں کہ کسی ایک نے بھی اس اختیار
 سے فائدہ اٹھانا گوارا نہیں کیا! بیویوں بچوں کے جنمال
 میں پھنسے ہوئے اُمتی، کیا کوئی سبق نہیں لے سکتے؟
 تہمت الزام کے صدمے۔ کسی باعزت شریف کی بیگناہ بیوی
 پر آج ذرا ساعیب لگا دیا جائے، دیکھئے میاں بیوی دونوں
 کی کیا حالت ہو کر رہتی ہے۔ نہ معلوم کتنے شوہروں نے ایسے
 موقعوں پر بیویوں کو تلوار کے وار یا بندوق کی گولی سے ختم
 کر دیا ہے اور خود بھی خودکشی کر لی ہے اور کتنی بیویاں کنوئیں
 میں پھاند پڑی ہیں یا کچھ کھا کر سو گئیں ہیں۔ اب ذرا اس شریف
 شوہر کو دیکھئے۔ جو دنیا میں شرافت، عصمت و حیا کا پیکر بنا کر
 بھیجا گیا تھا، اور اس کی اس عزیز و محبوب بیوی کا خیال کیجئے
 جس کی نیچی نگاہوں کی بلائیں خود حیا پر درمی اور عصمت شعای
 لیتی تھیں۔ اور جس کے صدق و وفا کی گواہی صراحت کے ساتھ
 قیامت تک کے لیے خود کلام مجید کے صفحات نے دیدی (حوا
 کی بیٹیوں میں بجز مریم صدیقہ کے اور کس کے نصیب میں یہ دولت
 آئی ہے، بیہودہ لوگوں نے جب عائشہ صدیقہ سے متعلق اپنی
 زبانیں گندہ کی ہیں، تو اس طہارت و لطافت کے تیلے، اور

اس شرم و حیا، عصمت و وفا کی تصویر پر کیا کیا گزر رہی ہوگی تلخ اور زہرہ گذار تجربہ بہر جاں کرایا گیا، اور ہر زمانہ کے مومنین اور مومناتہ کے لیے، تسکین و تسلی کا کننا اہم اور کیا بیش بہا بہت دیدیا گیا۔

زندگی کے حوادث میں جامع تغیریت تسلی۔ غرض اجتماعی و انفرادی، قومی، معاشری، خانگی و شخصی، کوئی بھی ممکن پہلو انسانی زندگی کا لیجئے، غم و الم کی جتنی صورتیں انسان کو کسی شعبہ حیات میں پیش آسکتی ہیں، انہیں فرض کیجئے۔ ہر درد کا درماں، ہر زخم کا مرہم، ہر حادثہ کے لیے تعزت اگر ملے گی تو اسی دار الشفا، محمدی کے اندر۔ روحانیت کے دوسرے پہلوؤں اور صدق رسالت کے دوسرے دلائل سے قطع نظر محض اسی ایک جامعیت کے پہلو کو لیجئے۔ اس کی نظیر اگلوں اور پھیلوں میں، شرق و غرب میں شمال و جنوب میں کہاں ملے گی؟ ہر بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت تسلی و دل دہی کو اسوہ مبارک موجود۔ کتنا سچ ہے کہنے والے کا قول، جو اس نے اپنے متعلق کہا کہ ”میں قصر انبیاء کی آخری اینٹ ہوں“ عمارت بے شبہ ہر طرح پر کامل و مکمل، آراستہ و پیراستہ پہلے سے تیار تھی۔ لیکن اس آخری اینٹ کے پیغمبرِ جامعیت اور

یہ اکلیت کہاں تھی رحمتیں اور بے شمار رحمتیں نازل ہوں
 اس پر جس کے وجود نے کامل کو اکمل، شریف کو
 اشرف، فاضل کو افضل، حسین کو احسن اور جمیل کو
 اجل کے مرتبہ تک پہنچا کر، اُمت کے غریبوں اور ضعیفوں
 دکھیاروں اور ناچاروں، بیماروں اور سوگواروں،
 غمزدوں اور ناداروں سب کی تسکین کا سامان رہتی
 دنیا تک کر دیا۔

خطبہ نکاح

سیرتِ ہدایتِ رسولؐ کی روشنی میں

خطبہ نکاح

سیرتِ ہدایت رسولؐ کی روشنی میں

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَتَعَيْنَهُ وَسَتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ
مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

ترجمہ :- (تمام تعریف اس امیر کی جس سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ اور مغفرت مانگتے ہیں۔ اور اللہ کی
پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی برائیوں سے جس کو اللہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنا والا کوئی نہیں جبکہ اللہ
راہ نہ دے اس کو راہ بتا دینا والا کوئی نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کوئی الا نہیں سوائے اللہ کے
اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

عورت کا مرتبہ رسولؐ پاک کا اسوہ حسنہ - دُنیا ہے اور چھٹی صدی

عیسوی کے ثلث آخر کی دُنیا۔ عالم انسانیت جہل اور نادانیوں

میں گرفتار اور فضاے کائنات شرک اور وہم پرستیوں سے تیرہ

و تار۔ رحمت حق کو حرکت ہوتی ہے اور حوا کے خلوت نشین کے

روحِ قلب پر عالمِ قدس سے نشر شروع ہوتا ہے۔ وحی الہی وہ شا

ہے کہ اس کی ہیبت، انسان ضعیف البیان الگ رہا، پہاڑ تک

کو جگہ سے ہلا دے، پتھر اور لوہے کو پگھلا دے، صاحبِ وحی علیہ

الصلوٰۃ والسلام ہمت کے پہلوان، تحمل کے مرد میدان، لیکن جلال

انسان - وحیِ اوّل کے تجربہ، اور فرشتہ سے پہلے پہل سابقہ کے

بعد جب کا شانہ مبارک کو تشریف لاتے ہیں، تو اس حال میں

نورِ محمدؐ مدنی کی لڑکی کے عقد کے موقع پر غنہ، مراکھڑی، ۲۲ شعبان ۱۲۸۰ھ کو ایک مختصر مہینے
سائے پڑھا گیا۔

قلب اور ہیبت وحی سے قدرتِ اگرا بنار اور جہمِ اقدس پر خشت کے
 ماوی آثار۔ شکین و تشفی عین اُس وقت جو دیتی ہے، اور پشانی
 مبارک سے اندیشہ کا پسینہ جو پونچھتی ہے، آپ کو یاد ہے، کہ وہ
 کونسی ہستی تھی — رفیقہ زندگی، شریک شادی و غم، مونس رحمت
 دالم، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا — عورت کی
 قدر، اسلام کی تاریخ میں آپ نے دیکھی؟ بیوی کا مرتبہ رسول
 کے مابین آپ نے پہچانا؟ ہے کوئی اس کے مقابل کی چیز
 عورت کے لفظی ہمدردوں کے دفتر عمل میں؟ نہایت کے
 رجز خانوں کے نعرہ بے محل میں؟

نکاح یعنی معاہدہ اخلاص و وفا کی ایک جھلک۔ رسول اکرمؐ دنیا
 سے تشریف لیے جا رہے ہیں۔ عالمِ ناسوت میں یہ شمعِ جمال ہمیشہ
 کے لیے گل ہونے کو ہے۔ اُمت پر اس سے بڑھ کر قیامت خیز
 گھڑی، قیامت تک اور کون آسکتی ہے؟ صحابہ کرام، ایک
 سے ایک بڑھ کر شیدائے رسولِ انام، صد ہا کی تعداد میں جو
 لیکن تاریخ و سیرت کی زبان سے شہادت یلجے، کہ عین مفارقت
 روح کے وقت، اور اُس کے قبل بھی سر مبارک کس کے زانو
 پر ہے؟ عین لقائے حق کے وقت، کس خوش نصیب کے نصیب
 میں ہے کہ جسدِ اقدس کے سہارے اور تکیہ کا کام دے؟ ابو بکرؓ
 کے نہ عمرؓ کے، عثمانؓ کے نہ علیؓ کے، جاں باز رفیقوں کے نہ محبوب

عزیزوں کے، بلکہ شریک حیات سرآمد ازواجِ مطہرات، عائشہ رضی اللہ عنہا کے — یہ ہے دُنیا کے بڑے مصلح، معلم و ہادی کی زندگی میں سبقِ بیوی کی منزلت و مرتبہ سے متعلق۔ ہاں وہی بیوی جس کے لیے ہم نے بیگانوں کی لغت سے الفاظِ سیکھ رکھے ہیں، باندی اور کنیز اور لونڈی کے! یہ ہے ایک جھلک اُس معاہدہٴ اخلاص و وفا کے احترام کی، جو اللہ کے بندوں اور بندیوں کے درمیان اُس وقت سے اب تک کروڑوں اور اربوں بار منعقد ہو چکا ہے اور ابھی چند منٹ میں، اس محفل میں ایک بار پھر منعقد ہونے والا ہے۔ عورتِ تشکیمِ حیات ہے۔ جنتِ الہی ہے اور اُس کی یہی ولاؤزیا ملائکہِ قدس ہیں اور اُن کی یہی زمزمہٴ سنجیاں، باغِ بہشت کا چپہ چپہ انوارِ الہی سے معمور، الطافِ کبریائی کا قدم قدم پر ظہورِ تخلیقِ ابوالبشر کی ہوتی ہے، تشریف آوریِ رونقِ بزمِ کائناتِ حضرت خلیفۃ اللہ کی ہوتی ہے، آپ آتے ہیں۔ جنت میں کس لطف و مسرت کی کمی، ہر سو نعمتوں کی بارش، ہر طرف انوار کی تابش! اس پر بھی اپنے دل کا ایک گوشہ خالی پاتے ہیں۔ محسوس ایسا ہوتا ہے، کہ جیسے اب بھی کوئی خلا ہے۔ اتنا مِغْت کے لیے یہ نہیں ہوتا کہ جنت کی لذاتِ مادی میں کچھ بڑھا دیا جائے، سرورِ روحانی کے سامان میں کچھ اضافہ کر دیا جائے بلکہ تخلیق ہوتی ہے آدم سے ملتی جلتی، لیکن پھر بھی اُس سے ذرا الگ ایک اور مخلوق

کی۔ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ آدم کا دل تکیں اب جا کر پاتا ہے
تکیں اپنے وجود کی اب محسوس کرتا ہے، لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَيْمَانِ سَوِيَّةٌ
اور پھر سوچئے، جنت میں کمی ہو کس چیز کی سکتی تھی؟ ہر ممکن لذت
خدمت کو حاضر ہر ممکن مسرت چاکری کو مکر بستہ۔ لیکن نوازشوں
اور بخششوں کی تکمیل جمعی جا کر ہوئی، آدم کے حق میں جنت جمعی حقیقی
معنی میں جنت ثابت ہوئی، جب مرد کے لئے عورت، شوہر کے
لئے بیوی، وجود میں آئی! — آدم زاد آج اس دنیا میں
اپنی آرزوؤں کی جنت کی تعمیر کس چیز سے کرنا چاہتا ہے؟ مال
و دولت ہو، جاہ و حکومت ہو، زہد و عبادت ہو، جو کچھ بھی انسان
کو دل و جان سے مرغوب و مقصود ہوتا ہے جس مقصود کے بھی
پھر میں رات دن ایک کرتا رہتا ہے، غور کر کے دیکھئے، ان سب
کے عقب میں، ان سب کی تہ میں آخری چیز کیا ہوتی ہے؟ یہی
نہ کہ دل کو جمعیت اور طبیعت کو سکون و تسلی حاصل ہو، لیکن بعینہ
یہی مقصود تو عورت کی بھی تخلیق سے ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لَّتَسْكُنُوا اِلَيْهَا — گویا ایک طرف مناسبت
(Feminism) کی پکار ہے، کہ عورت، ہر شعبہ زندگی میں
مرد کی حریف ہے، رقیب ہے۔ مرد اگر سیکڑوں فٹ کی بلندی
سے، طیارہ سے چھلانگ مارتا ہے، تو عورت اس سے بڑھ کر
چھلانگ مارنے کا حق لے کر رہے گی۔ مرد اگر گشتی لڑتا ہے تو

عورت بھی کشتی میں نام پیدا کرے گی۔ اور دوسری طرف اسلام کا معیار ہے، کہ عورت، مرد کی حریف نہیں، اُس کے لئے سرمایہ راحت ہے، اور مائیکین۔ اُس کی مہتم ہے، یعنی اُس کی پوری کرنے والی، اُس کی مکمل ہے، یعنی اُس کی زندگی کی تکمیل کرنیوالی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَتَّى تَقْتَهُ وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً، وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ نَقِيبًا. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا - ترجمہ:- (اے وہ لوگ جو ایمان

لائے ہو، اللہ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنیکا حق ہے، اور ہرگز نہ رو مگر صرف اس حالت میں جبکہ تم مسلمان ہو۔ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا، اور پھر اس کا جڑ پایا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پیدا کر دے۔ اور ڈرو اللہ سے جس نے تم پر بارانہ لگائے ہیں، اور خیال رکھو انہوں نے (حق کا) اللہ پر ہمہ دم نگاہ ہے۔ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ سے اور یہی بات کہو، اللہ تمہارا مال کی اصلاح کر دے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اللہ اور اس کے رسول کی نیک نیت سے ہے۔ بچہ پل کر اور بڑھ کر جو ان ہوا، اور جسے کل انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا جا رہا تھا، آج وہ اس قابل ہو گیا

کہ چلے، دوڑے۔ اور خود ہی نہیں، دوسروں کو بھی اپنے ساتھ چلائے۔ پڑھ لکھ کر ہوشیار ہوا، اور اس لائق، کہ نہ صرف اپنی ذمہ داری اپنے سرے، بلکہ قول دے دوسروں کی کفالت کا، حفاظت کا، ذمہ داری کا، خبر گیری کا، سرپرستی کا — خیرت بچپن کی بے فکریاں، اور ختم معصومیت کی فارغ البالیاں!

اور جو کل تک چمکتی بینا تھی، وہ مطالبہ کرنے لگی باپ سے اپنے حق کا۔ مطالبہ اپنی زبان سے نہیں، جس پر فضل شرم و حیا کے چٹھے ہوئے، اور پردے ادب و لحاظ کے پڑے ہوئے ہیں۔ مطالبہ اُس کی زبان سے جو بڑوں اور چھوٹوں سب کی رہنمائی کے لئے آیا، جس نے ایک ایک کو اُس کا فرض یاد دلایا، ایک ایک کو اُس کا حق بتلایا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

النِّكَاحُ مِّنْ سُنَّتِي۔ (نکاح تو میرا طریقہ ہے، میرا لایا ہوا دین ہے، اور میرا پھیلایا ہوا آئین۔ ایسا نہ ہو کہ اسے کوئی فضول دلا یعنی رسم سمجھ بیٹھیا خواہ خواہ کی قید) دُنیا شروع سے بار بار غلط تجربہ کرتی آئی ہے، اور آخر تک کرتی رہے گی۔ کوئی شرک و ارواح پرستی کے چنگل میں پھنسا ہوا، تجرود و رہبانیت کی طرف لے جایگا، اور کوئی الحاد و مادہ پرستی کی دلدل میں دھنسا ہوا Free love

اور حیوانیت کے رُخ پر چلائے گا۔ دُنیا کے ہاتھ میں صحیح قانون دینے میں آیا ہوں! میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ سارے برے

ہیں جہل و نادانی کے، بد نظمی و فتنہ سامانی کے۔ اور صحیح راستہ وہی ہے جماعت کے لئے اور فرد کے لئے، عورت کے لئے اور مرد کے لئے، صحت کے لئے اور عافیت کے لئے، عصمت کے لئے اور عاقبت کے لئے، جو میرا بنایا ہوا، میرا سمجھایا ہوا،

میرا بتایا ہوا، میرا چلایا ہوا ہے!

فَمَنْ هَاغِبٌ عَنْ مَسْنَدِي - اب اس پر بھی جو بد نصیب میرا طریق چھوڑ، ادھر ادھر بھٹکتا ہے، اور حکیم حاذق کے مطب سے منہ موڑ، چوراہہ کے کسی عطائی، اشتہاری، دوا فروش کا دہن پکڑتا ہے، وہ جان لے اور سُن رکھے کہ

فَلَيْسَ مِنِّي - وہ میرا ہرگز نہیں، میں اُس کی شامت اعمال سے بری، اب وہ جانے اور اُس کی کج روی!

نئی زندگی - باپ کی امانت کا زمانہ ختم ہوا۔ جس موم کی پتلی کو بچپن سے آج تک آنکھ کی پتلی بنا کر رکھا، پالا، پڑھایا، لکھایا، سکھایا، کھلایا، برسوں جس سے دل نے سرور حاصل کیا اور آنکھوں نے نور، جب وہ کسی قابل ہوئی، جب وہ خود اس لائق ہوئی کہ خدمت کر سکے اپنے ہنر اور سلیقہ کی شمع سے اندھیر کو اُجالا بنا دے، تو حکم ملتا ہے کہ وداع کر دو اُسے! متقل کر دو امانت کو دوسرے کے ہاتھ میں! آج سے اُس کی نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان، نئی زندگی اور نیا سامان!

کہتے ہیں، آج سے پانچ ہزار سال قبل، ایک باپ،
 بہت بوڑھے باپ کو حکم ملا تھا، کہ ذبح کر ڈالو اپنے جگر پارہ کو
 اپنے ہاتھ سے ! لڑکی کو نہیں، لڑکے کو، دودھ پیتے بچے کو نہیں
 اچھے پلے پلائے، دوڑنے، پھرنے والے، باپ کا ہاتھ بنا
 والے لڑکے کو ! اللہ اللہ ! جہاں یہ معاملہ اپنے دوستوں
 اور شیدائیوں کے ساتھ ہو، وہاں نام کے کلمہ گو کس شمار و قطا
 میں ؟ وقار اُلفت کے اس میدان میں جسم تو حسینؑ ابن علیؑ
 اور اُن کے زقار کے، خاک و خون میں تڑپتے ہیں اور شہادت گاہ
 امتحان میں سر عثمانؑ و علیؑ کے نذر ہوتے رہتے ہیں ۔

بزم تراشع و گل خستگی بوتراب

ساز تر ازیر و بزم حادثہ کربلا

حکم دہی ملت ابراہیمی کے ہر پیر و کو ملتا ہے، کہ جس کسی کے بھی
 لڑکی ہو، آزمائش کی اسی راہ سے گزرے، اور کسی کے دن
 بیٹیاں ہوں تو دن بار امتحان میں پورا ترے !

فخر آباے نامدار، اور ہم سب کے آقا و سردار تین
 صاحبزادیاں رکھتے تھے، تیمنوں کو اسی طرح بیاہا، رخصت کیا
 اپنے ہاتھوں دوسروں کو سونپا۔ رقیہ بیاہ کر گئیں (رضی اللہ عنہا)
 اُم کلثوم گھر سے وداع ہوئیں (رضی اللہ عنہا) اللہ کے پیارے
 کی پیاری، فاطمہ زہراء کا شانہ بنوت چھوڑ دوسرے کے گھر جا بسیں۔

اللہ اکبر بندہ نواز کے ہاں بے حساب طریقہ ہیں بندوں
 کے نوازنے کے، اور بیشمار راستے ہیں بندیوں کے سرفراز
 کرنے کے! ابراہیم خاک کے پتے، گوشت پوست کے بنے ہوئے
 بندے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) انہیں اپنا دوست کہہ کر کپارا
 اور خلیل کے لقب سے بڑھایا، چڑھایا۔ اللہ اللہ! کیا کیا
 بندہ نوازیں ہیں، اور کیسی کیسی سرفرازیں؟ جسے بڑھانا
 چاہیں، یوں خاک سے پاک بنا دیتے ہیں، اور جسے اٹھانا
 چاہیں یوں فرش سے عرش پر پہنچا دیتے ہیں! اور پھر صلہ
 و انعام کو جب عام کرنے، اور بخشش کو وقفِ دو جہاں کرنے
 پر آئے، تو جو امتحان اپنے خلیل کا اُن کے ظرفِ دہمت کی
 مناسبت سے لیا، اُس کا ایک ہلکا سا خواب، ملتِ ابراہیمی
 میں ہنسی کے باپ کو دکھا، اُس میں مناسبتِ مرتبہ خلیل
 سے پیدا کر دیتے ہیں! مقصود تو خود ہی لطف و نوازش کرتی
 ہے، اور شانِ کریم کی جھلک دکھائی، اور اس کے لیے
 بہانے کیسے کیسے مہیا کر دیے ہیں، ایک ہی وقت میں لطیف
 بھی اور دلگداز بھی، ایک ہی ساتھ پُر درد بھی اور دلنواز
 بھی؟

مبارک باد کا وقت۔ مبارک باد کا وقت وہ نہیں ہوتا جب
 امتحان کے کمرہ میں لڑکوں کے ہاتھ میں پرچہ آتا ہے۔ مبارکباد

اُس وقت دی جاتی ہے، جب کامیابی کا گڑھ چھپ سکتا ہے،
 مسافر کا سفر کامیاب اُس وقت نہیں کہا جاسکتا، جب وہ ٹکٹ
 لے کر درجہ میں داخل ہوتا ہے۔ کامیاب اُس وقت کہا جائیگا
 جب وہ سارے درمیانی ایشیوں سے گذرتا ہوا، سڑکوں اور
 پلوں کو عبور کرتا ہوا، سارے مرحلوں کو طے کرتا ہوا، منزل مقصود
 تک بہ خیریت و بہ عافیت پہنچ جائے۔ محفل کا نوشہ اور پیر
 لڑکی، دونوں سن لیں، کہ آج کی گھڑی، عملی زندگی کے بڑے
 اور کڑے امتحان میں داخلہ کی ہے، ایک عظیم الشان و پُر پیچ
 سفر حیات کے آغاز کی ہے۔ وقت نہیں ہے غفلت کے شاد باؤ
 کا، موسم نہیں ہے مدہوشی کے ترانوں کا۔ یہ گھڑی ہے احساس
 ذمہ داری کی پوری بیداری کی۔ اور یہی راز ہے اس کا کہ
 نکاح کا زمانہ بلوغ کے بعد ٹھہرایا گیا ہے، اور رضا مندی معتبر
 بالغ ہی کی مانی گئی ہے، کہ خود بلوغ کے معنی ہی یہ ہیں، کہ روح
 بھی اور جسم بھی اور قلب بھی، ایک عظیم الشان ذمہ داری کا
 بار اٹھانے کو تیار ہو گئے!

اچھی عورت - اچھی بیوی اور اچھی عورت وہ نہیں،
 جو بے جھجک مردوں سے ملے، اور بے جھپک ہال میں
 رخص کرے۔ بے شک شرک کے مذہبوں اور جاہلیت کی
 تہذیبوں نے معیار اسی کو سمجھرایا ہے، اور آج سحر فرنگ سے

مرعوب ”متحد“ بھی اسی پر ریچھا ہوا ہے۔ لیکن دُنیا کے سب سے بڑے معلم کے لائے ہوئے دین فطرت اور پھیلائے ہوئے آئین حکمت میں انجائش ان آزادیوں، بے باکیوں، آوارگیوں کی کہاں؟ یہاں تو نکاح بجائے خود ایک ”قید“ ہے اور اپنے ساتھ بہت سی قیدوں کا بڑھانے والا، بہت سی پابندیوں کا لانے والا۔ بس سُن لے مسلمان لڑکی، کہ زمانہ بے فکریوں کا ختم ہوا، اور دور شروع ہوا، نئی فکروں اور پابندیوں کا، نئی قیدوں اور ذمہ داریوں کا! اب تک سہیلیوں کے ساتھ کھیل کھیلی، بہنوں کے ساتھ ہنسی، بولی، ہجھکیوں کے ساتھ جھولاجھولی اب کل سے زندگی وقف ہوگی دوسروں کی خدمت کے لیے نہ کھانا اپنے لیے ہوگا نہ پہننا اپنے لیے، نہ اپنے وقت سونا نہ اپنے وقت جاگنا۔ خود بعد کو کھائے گی، پہلے دوسروں کو کھلائے گی۔ بے شک پہنے گی اور اوڑھے گی، مگر اس لیے کہ شوہر کو بھلی لگے، اپنے کو سنوارے گی، نکھارے گی، مگر اس لیے کہ شوہر کی نظر میں جھے۔ راتوں پر راتیں جاگے گی، ٹہل ٹہل کر کائے گی، اس لیے کہ نئی نسل کو بڑھائے، پھیلائے، صحت و زندگی کی شاہراہ پر چلائے، دوسروں کی سیرت کی تشکیل کرے، اُن کی نشوونما کی تکمیل کرے! منرل بیشک کڑی ہے، اور ذمہ داریاں سخت، لیکن

جو اس کو نباہ لے گئی، اور شوہر کا دل ہاتھ میں لیے دُنیا سے اٹھی —، بشارت ہے اُس کے لیے دُنیا کے سب سے بڑے راستباز کے کلام میں، کہ اُس کے اور جنت کے درمیان کوئی روک نہیں! — یہ آخری منزلِ نظر کے سامنے ہو، اور یہ دستورِ لعل ہاتھ میں، تو صحراے ہستی کا ہر کانٹا انشا اللہ پھول بن کر کھلے گا، اور راہ کا ہر پتھر پانی ہو کر بہے گا!

جی میں نتھا، کہ آج امانت کا چارج نئے امین کو دیتے وقت، ذمہ داریوں کا نقش اُس کے دل کی گہرائیوں میں بٹھا، اور فرائض کی فہرست ایک ایک کر کے اُسے سُنائے پُر آہ کہ اس کی ہمت کہاں سے لائے!

سنگ اٹھایا تھا کہ سر پا دایا!

آخر ایک دن وہ بھی تو تھا، کہ جو آج کی محفل میں باپ کی حیثیت سے ہے، خود بزم میں نوشہ کی حیثیت سے تھا۔ اور کسی اور کی امانت کو۔ اس کی اہمیت محسوس کے بغیر، ذمہ داری کا بوجھ محسوس کے بغیر، اس ہلکے پھلکے دل کے ساتھ قبول کر رہا تھا، کہ گویا ایجاب و قبول ایک کھیلِ تماشہ ہے! اِنَّهٗ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا، ظُلوم اور جہول بیشک اپنے اصلی معنی میں! حفاظتِ الہی کی دعا۔ کنعان کے پروانہ کا قصہ ہے، کہ اپنے نورِ نظر پر سفت کو بچانے کی کیسی کیسی کوششیں کر ڈالیں، لیکن

اور تو اور، خود اپنے بیٹوں سے پیش نہ گئی! پھر ایک چرکا لگ
 ہی چکا تھا، اور بیٹے کے غم میں بصارت تک کھو بیٹھے تھے،
 دوسرے تختِ جگر ابنِ یامین کی حفاظت کے لیے احتیاط کی
 نگاہ نے یہاں تک سمجھا دیا، کہ مصر کے شہر میں سب بیٹے داخل
 ہوں، تو ایک ساتھ ایک دروازہ سے نہ داخل ہوں!
 پھر یہ ہماری عقل آزمائیاں اور مصلحت بنیاں کچھ بھی چلیں؟
 کہاں بندہ بے بس کی تجویز و تدبیر، اور کہاں حکیم مطلق کی مشیت
 تنکوین و تقدیر! لیکن دیکھئے گا، عارفوں کے سردار کی زبان
 سے اس لمحہ بھی سچائی کس قیامت کی ادا ہوتی ہے۔ وما اعنی
 عنکم من اللہ من شئ اِنَّ الحکم الا للہ علیہ توکلت وعلیہ
 فلیتوکل المتوکلون۔ روتے جاتے ہیں، لرزتے جاتے ہیں
 اور زبان سے کہتے جاتے ہیں، کہ میری تجویزوں اور تدبیروں
 سے ہوتا کیا ہے، مجھ ناچیز کی کوئی احتیاط مشیت تنکوینی کا
 مقابلہ کر سکتی ہے؟ ہوگا تو وہی، جو میرا نہیں، میرے پروردگار
 کا چاہا ہوگا، وہی حاکم ہیں، وہی مالک ہیں، وہی تصرف
 ہیں، تنکیہ اور بھروسہ صرف انہیں کی ذات پر ہے!
 گنہگار باپ کی معصوم لڑکی! سپرد کیا تجھے اُس حافظ
 برحق و ناصراطِ مطلق کے، جس نے حفاظت کی یوسف کی کنوئیں
 کے اندھیروں میں، اور بنی یامین کی پردیس کے خطروں میں

جب ایک بزرگ پیغمبر تک بے بس ثابت ہو چکے تھے ! وہی تیرا
 محافظ رہے، زندگی کی ہر مشکل میں، سفرِ حیات کی ہر منزل میں
 آج بھی صبحِ زندگی کی کرن پھوٹتے وقت، اور کل بھی شامِ زندگی
 کی شفق پھولنے کے وقت ! اُس وقت بھی جب کہ تیرے سر پہ
 ہاتھ رکھنے والے بڑے، اور اُن بڑوں کے بڑے زندہ دستا
 ہیں، اور اُس وقت بھی جب کہ خود تیرا شمار ہو گھر کی بوڑھیوں
 میں گھرانے کی نانیوں اور دادیوں میں، اور لڑکپن کی تازگی کی
 جگہ لے چکیں، لٹوں کی سفیدیاں اور چہرے کی جھڑپاں اور
 آج کے دعا گو خطبہ نویس کی ہڈیاں تک خاک میں مل کر خاک
 ہو چکی ہوں ؟

جسنی تفریق اور امتیاز۔ مرد و عورت کی تفریق انسان ہی
 میں نہیں، نزد مادہ کا اختلاف تو حیوانات میں بھی ہے، بلکہ
 نباتات تک میں دریافت ہو چکا ہے۔ اب اگر دونوں ضمیمہ
 ہر جہت سے یکساں ہیں تو اس تقسیم و تفریق کی ضرورت ہی
 سرے سے کیا بنتی ؟ اور اگر بالکل ایسی مختلف ہیں، تو ایک ہی
 مخلوق کی دو قسمیں کیوں قرار پاتیں ؟ غیر فطری مذہبوں اور جاہلی
 تہذیبوں کو ٹھوکر پیس آ کر لگی ہے، عقل کم اندیش آخر کہا تک
 پہنچتی، اور نفس کے کن کن دھوکوں سے بچتی ؟ دینِ فطرت
 نے رہنمائی، آ کر کی، کہ بہ حیثیت انسان دونوں بالکل

ایک، حقوق بشری کے لحاظ سے دونوں میں سرمو فرق نہیں۔ بھوک، پیاس، گرمی، سردی، سختی، نرمی، رنج، خوشی کا احساس اس کو بھی اُس کو بھی، چوٹ لگے گی تو جسم اس کا بھی ڈکھے گا، اُس کا بھی دل کو دھککا پہونچے گا، تو غیرت و خودداری اُس کی بھی تڑپ اُٹھے گی، اُس کی بھی ان تمام حیثیتوں سے یکساں ہیں آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں، اور بھائی اور بہن سب یکساں، اور اسی طرت اشارہ ہے ادائے حقوق کے باب میں، وَلِهٰذَا مِثْلُ الَّذِی عَلَیْہِمْ کَلَامُ کِی بِلَاغَتٍ وَمَعْنَوِیَّتٍ پَر غور ہو۔ ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ دونوں کی صلاحیتیں ایک ہیں، دونوں کی قوتیں ایک ہیں دونوں کی ساخت جسمانی و ترکیب نفسی ایک ہے، بلکہ صرف یہ کہ دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر یکساں ہیں؟ لیکن جہاں سے صنفیت کے حدود شروع ہوئے، اور صنفوں کا منتقل وجود خود دلیل ہے اس امر کی، کہ دونوں کی قوتیں الگ، صلاحیتیں مختلف، اور دائرہ عمل علیحدہ نظام صنفی، نظام حیاتی کا ایک جزو غیر منفک ہے اور جب ایک کا دوسرے سے منتقل طور پر الگ ہے، تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اختلاف اثر انداز ہو رہا ہے، نظام شعوری، نظام فکری، نظام حسّی، نظام عضوی

نظام معاشری سب پر اور کارخانہ عالم میں دونوں کے
 حد و جد اگانہ ہیں — یقیناً ایک دوسرے کے متمم و مکمل
 معین و معاون۔ لیکن بہر حال ایک دوسرے سے مختلف
 و متباہن — ٹیم میں جیت کی کوشش میں شریک سب
 ہوتے ہیں، لیکن فیلڈ میں پوزیشن ہر کھلاڑی کی جداگانہ مقام
 ہر کھیلنے والے کا متعین اور دوسروں سے الگ۔ اب اگر فٹبال
 میں گول کیپر کہے، کہ میں کیوں سب سے پیچھے اپنی جگہ پر جا کھڑا
 ہوں۔ درآخالیکہ میرے ساتھی دوڑتے چھپتے جاتے ہیں، اور
 فارورڈ والے یہ کہنے لگیں، کہ دوڑ کی ساری محنت ہمیں گوارا کریں
 درآخالیکہ بیک والے پیچھے آرام سے کھڑے ہیں تو فرمائیے اس
 ٹیم کا کیا حشر ہو کر رہے گا؟ —

اللہ بہتر جانتا ہے، کہ آج عورت کے جو نادان دوست اُس
 کے حجاب کو اس کی پستی اور ”غلامی“ پر بطور دلیل لا رہے
 ہیں۔ اور اُس کی خانہ داری کی زندگی کا موقع اس بھیانک
 شکل میں پیش کر رہے ہیں، کہ گویا اس کے حق میں وہ ایک عذاب
 ہے، ٹھیک اسی قسم کے انتشار ذہنی میں مبتلا، دوسروں میں بھی
 یہی ”انارکی“ پھیل رہی ہے، اور ٹیم کا دشمن خود ٹیم والوں کو
 بنا رہے ہیں!

ٹیم کے اندر اعلیٰ و ادنیٰ کیسا، اور مغز و حقیر کے کیا معنی؟

لیکن انتظامی ضروریات کے لیے مرکزیت پیدا کرنے کے لیے (Dead Lock) ، تعطل دور کرنے کے لیے ، ٹیم کا ایک کپتان ضرور ہوگا ، پھر کیا ٹیم کے دوسرے کھلاڑی کپتان کے ” غلام “ ہوتے ہیں ؟ ہماری شریعت نے تو اس مرکزیت کی یہاں تک تاکید رکھی ہے ، کہ اگر دو مسلمان سفر میں ہوں ، تو ایک کو امیر سفر بنالیا جائے ، ہر شخص کی خانگی زندگی اپنی جگہ ایک ننھی ننھی سلطنت ہوتی ہے ۔ بجٹ کیونکر تیار ہو ، آمد و خرچ میں توازن کیسے قائم رہے ، خوراک کا کیا بندوبست ہو ، مسکن و لباس کے مسئلہ کس طرح حل ہوں ، بیماروں کے علاج کی کیا صورت ہو ، لڑکوں کی تعلیم و تربیت کس راہ پر لگے ، وغیرہ ۔ یہ سارے امور جس طرح بڑے بڑے مہربین سلطنت کے سوچنے ، سمجھنے اور طے کرنے کے ہوتے ہیں ، اسی طرح وہ بہت ہی چھوٹے پیمانہ پر سہی ، ہر میاں بیوی کے لیے قابل غور رہتے ہیں ۔ ان کے ایک جزو کا مالک و مختار مرد ہوتا ہے ، اور اور دوسرے کی کبھی بیوی کے ہاتھ میں ہوتی ہے ۔ کما کر مرد لایوگا ، کمائی کو سلیقہ کے ساتھ ٹھکانے عورت لگائے گی ۔ زمین میں غلہ مرد بوئے گا ، گوڑے گا ، جوئے گا ، ہل چلائے گا ۔ عورت اس غلہ کو پھٹکے گی ، پیسے گی ، گوندھے گی ، روٹی پکائے گی ۔ مٹی بچوں کو لے کر ڈاکٹر کے پاس باپ جائے گا ، دو اماں پلائے گی ، ہاتھ پیروہ سہلائے گی ۔ غرض جہاں تک اندر کی زندگی کا تعلق ہے ،

عورت اپنی اس چھوٹی سی سلطنت کی رانی یا ملکہ ہوتی ہے۔
 اسلام نے اس کو بھی مرتبہ بخشا ہے، اور اسی کو کسی کی زبان حکمت
 ترجمان سے یوں ادا کرایا ہے کہ
 الدنيا كلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة

(مشکوٰۃ، کتاب النکاح، فصل اول)

اس دارِ ناپائیدار میں بہترین جنس اچھی اور پاک بیوی ہے۔
 اور پھر مرد، یتیم کا کپتان سہی (وَلِلرَّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ)
 اور گھر کی سلطنت کا افسر سہی (الرَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ)
 لیکن آدمی کی قوتِ جہانی اور دور اندیشی کے مقابلہ میں جو
 آزادی کے پاس کم از کم ایک روشن پہلو، مسلسل صبر و تحمل،
 اور ایثار و جاں سپاری کا ہے، جس نے ان کا درجہ باپ سے
 کچھ اونچا ہی کر رکھا ہے، ہم میں کون ایسا ہے جسے سخت سے
 سخت مشقتوں کے باوجود مسلسل نوٹ بھینے تک اپنے بطن کے
 اندر رکھے ہوئے اس کی ماں نہیں چلتی پھرتی رہی ہے؟ ڈیڑھ
 ڈیڑھ اور دو دو برس تک رضاعت نہیں کی ہے؟ ہر وقت
 کی دیکھ بھال، حفاظت و کفالت، اپنے ذمہ نہیں رکھی ہے،
 (حَمَلَتْهُ اُمًّا وَهَنًا عَلٰی وَهْنٍ وَفِصْلُهُ فِي عَامَيْنِ) اور
 پھر ان سب سے بھی دشوار تر اور اہم ترین کام، نومولود کی پیر
 سازی اور اس کی تربیت کی تشکیل اور تکمیل کس کے حصہ میں رہی؟

غم ہم کو دیارِ سب جو شکل نظر آیا

جنت ماں کے قدموں کے نیچے کیوں۔ دنیا کی عمر جب سے قائم ہے، اس شکل ترین اور نازکترین ذمہ داری کو آج تک عورت ہی نے جھیلنا، نبانا، سنبھالا ہے۔ اور یہی راز ہے اس کا کہ جنت باپ کے نہیں، ماں کے قدموں کے نیچے ارشاد ہوئی ہے!

دو مسافر ہیں، جو ایک لمبا سفر ایک اجنبی ملک کا شروع کرنے والے ہیں، ایک ان میں سے ٹائم ٹیبل گاؤں تک خریدتا ہے، پرانے مسافروں سے مل کر مسافت کا، جغرافیہ کا، موسم کا، آب و ہوا کا، طرز معاشرت کا، ایک ایک چیز کا حال پوچھ لیتا ہے، کرایہ کیا پڑے گا، راستہ کونسا اختیار کرنا ہوگا، زبان کی اجنبیت کیسے حل ہوگی، وغیرہ وغیرہ ہر چیز جان لیتا ہے۔ دوسرے صاحب ہیں، جو آغاز سفر کے وقت، صاحب تجربہ سے مشورہ کرنا اپنے غم آزادی سفر کی توہین سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں جب چاہوں گا جس سمت چاہوں گا، جس سامان کے ساتھ جس حال میں ہوں گا چل کھڑا ہوں گا۔ عورت کے نادان دوست، جو آج نوجوان، کمسن، ناتجربہ کار لڑکوں لڑکیوں کے درمیان یہ پروپیگنڈا کرنے اُٹھے ہیں، کہ جو جس سے چاہے، بلا والدین کی وساطت و مشاورت کے شادی رچالے، ٹھیک اسی قسم کی ”آزادی“ کے مبلغ ہیں۔ ان ”خود پسندیدہ“ شادیوں کے جو نتیجے فرنگیوں کے

ملک میں نکل رہے ہیں، اور طلاق و تفریق کے جو جو فیصلے وہاں کی عدالتوں اور اخبارات کے صفحات کی رونق بنے رہتے ہیں، ان کے مختصر اعادہ کے لیے بھی اس محفل میں گنجائش کہاں سے نکالی جائے ؟

ولی کی اہمیت - یقیناً صرف شریعت اسلام نے پیش نظر رکھی ہے، کہ نکاح نام ہے حتی الامکان عمر بھر کے لیے ایک معاہدہ کا، ہر وقت کے، ہر قسم کے سابقہ کا۔ بچہ جس طرح ہمیشہ بچہ نہیں رہتا۔ نوجوان اسی طرح نوجوان ہی بنا نہیں رہتا شادی کی رات بہر حال چند گھنٹے کی عمر لے کر آتی ہے، اور شادی کا دن بہر حال دن ہی بھر کا ہوتا ہے۔ ہر سن اور ہر دن نئے نئے مسائل سامنے لائے گا۔ اور خود نوجوانی میں بھی ایک ہی قسم کے نہیں، بیسیوں مختلف و متضاد جذبات سے دوچار ہونا پڑے گا، لازمی ہے، کہ اپنی پسند و انتخاب کے ساتھ اپنے مخلص ترین و تجربہ کار بزرگوں کے مشوروں کو شریک رکھا جائے۔ اور یہی راز ہے ہماری شریعت میں نکاح کے لیے ولی کی اہمیت کا! آج جنہیں جوانی سے اُترا ہوا، بوڑھا پے کی طرف جھکا ہوا دیکھا جا رہا ہے، آج نہ سہی کل وہ بھی نوجوان ہی تھے، اور نوعمری کے جذبات سے پوری طرح لذت آشنا و سرشار۔ ۴

گزر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی!
واقف اس کو چہ کے قدم قدم سے، آگاہ اس وادی کے ایک ایک
پیچ و خم سے ۛ

معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی
میت ہوئی گزرا تھا اسی راہ گذر سے

خطبہ رسولؐ کے مطالب - دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور سب
سے بڑے خطیب کا خطبہ نکاح، آپؐ نے عربی کی دو مختلف
عبارتوں میں سن لیا۔ اُس میں آپؐ نے کیا پایا؟ سب سے پہلا
حمد اُس کی جو اکیلا حمد والا ہے، ہر نعمت کا مبداء، ہر مسرت کا منتہی
پھر التجا اُس سے دنیا میں اعانت کی، آخرت میں مغفرت کی۔
اور اس کی استدعا کہ بچائے رکھے ہم کو خود ہمارے نفس کے
حملوں سے، گویا ایک صاف اشارہ ہے، کہ اب جو نئی زندگی
شروع ہو رہی ہے، وہ شروع ہونیت کی صفائی اور قلب کی
پاکیزگی سے۔ اس کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کہ تنکوہی
طور پر اسباب ہدایت و گمراہی سب اُسی کے دست قدرت
میں ہیں، اور اُس کی یاد دہانی کہ ایمان کی کشتی ہر وقت امید
و بیم کے دو ابہ میں ہے۔ معاً بعد کلمہ شہادت - شہادت اس
کی کہ احکام تو صرف وہ ہیں، جو اللہ کے نازل کئے ہوئے ہوں
نہ کہ ذہن انسانی کے تراشے ہوئے نظریے۔ اور پھر شہادت

اُس کی کہ احکام مقہود ہی ہیں جو رسولؐ کی وساطت سے پہنچے ہیں۔ یہ دونوں شہادتیں گویا دنیا کے سامنے دلیرانہ اعلان ہیں اس کا کہ حکمتیں اور صداقتیں جو کچھ بھی ہیں، سب سمٹ سمٹا کر قانون اسلام کے اندر آگئی ہیں!

تجدید ایمان کے اس درس کے بعد اللہ کا بندہ اور سفیر اپنا کلام چھوڑ اپنے خالق کا کلام سنانے لگتا ہے، اور متفرق مقامات سے چار آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ اور ان چار مختصر آیتوں میں سے **اتَّقُوا اللَّهَ** کی تکرار پانچ بار ملتی ہے! گویا نئی زندگی میں داخلہ کے وقت، سب سے مقدم اور سب سے اہم، تقویٰ الہی، خوف خدا کی تاکید ہے۔ رسول اللہ صلعم دُنیا کے لیے معلم ہو کر آئے تھے، مصلح ہو کر آئے تھے، نعوذ باللہ کوئی فلسفی، کوئی رومان نویس نہ تھے، تعلیم حقائق کی، اور صرف حقائق کی دے گئے، جانتے تھے کہ جس رشتہ میں دوزخی روح ہستیوں کا ساتھ اور سابقہ سال کے ۳۶۵ تین سو پینسٹھ دنوں، اور دن کے چوبیس گھنٹوں کا ہے، لازمی ہے کہ ناگواریاں بھی پیش آئیں، اور کبھی کبھی ناچائیاں بھی، کبھی بے اتفاقی کی سرد مہریاں اپنا رنگ دکھائیں گی، اور کبھی غصہ و اشتعال کی گرما گرمیاں، کبھی دُکھ کبھی سُکھ، کبھی مایوسیاں، کبھی معذوریات کبھی بیماریوں کی دُکھن، کبھی ناکامیوں کی چٹھن۔ علاج ان سارے بڑے اور چھوٹے امراض کا، ناخوشگوار یوں کے

۱۸۴
 سلسلہ دراز کا، ازدواجی زندگی کے ہر نشیب و فراز کا ایک
 اور صرف ایک ہے، اور اُس کا نام ہے خوفِ خدا یا تقویٰ
 الہی! یہی ایک ایسی چیز ہے، جو مصیبت سے بچائے گی،
 ہر لغزش کے وقت آڑے آئے گی۔ یہی معنی و مفہوم ہیں
 ایجابِ قبول کے، اور یہی راز ہے خطبہ نبویؐ میں آیات
 تقویٰ کی تکرار کا۔

خاتمہ خطبہ نبویؐ کا اس قانونِ ربانی کی منادی پر ہوتا ہے کہ
 وَمَنْ يَطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ صلاح
 و فلاح کی راہ دکھانے والی روشنی تو صرف اللہ و رسولؐ کے قانون
 شریعت میں ہے، اور کامیابی تو اُسی کا حصہ ہے جو اطاعت
 اختیار کرے اس کامل ہدایت نامہ کی، اس مکمل دستورِ عمل کی،
 غلامی چھوڑ کر اپنی ہی جیسی محوِ عقل و بینش رکھنے والوں کے
 نظریوں اور فلسفیوں کی۔۔۔ اور کامیابی بھی ایسی مادی
 بھی، اور روحانی بھی، دینی بھی اور دنیاوی بھی، اشیخاص
 اور افراد کے لیے بھی، اور اقوام و جماعات کے لیے بھی۔
 ۔۔۔ اور اسی ایک شاہراہ کے سوا، ہر روشِ باطل
 اور راہِ رو کے حق میں ستمِ قاتل، خواہ وہ راہ دکھانے والا
 فردک ہو ایران کا یا برٹینڈرسل ہو انگلستان کا، یا جی لنڈے
 ہو امریکہ، ذمی شان کا!

اسلام اور نکاح - نکاح، اسلام کی نظر میں ایک معاہدہ ہے، ایک طرف سے اطاعت کا، خدمت کا، دوسری طرف سے حفاظت کا، کفالت کا، اور دونوں طرف سے محبت کا، امانت کا، رفاقت کا۔ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَحَمَةً ایک نسبتہ ضعیف و نازک مخلوق زبان ہار رہی ہے کہ اپنے کو پسند کر رہی ہوں دوسرے کے۔ دوسری نسبتہ قومی اور صاحب اقتدار ہستی قول دے رہی ہے کہ میں قبول کر رہا ہوں دوسرے کی ذمہ داری کو۔ اور دونوں اس قول قرار پر گواہ ٹھہرا رہے ہیں، قطع نظر ان دو عاقل بالغ گواہوں کے، جن کا تعلق صرف دُنیا کے ضابطہ سے ہے، خود عالم الغیب و الشہادۃ اور اُس کی ساری غیبی و شہودی قوتوں کو۔ نہ ہو کہ عمر کے کسی مرحلہ میں حیات منزلی کے کسی شعبے میں، غفلت کے کسی لمحہ میں نگاہ استقامت بھٹکے، قدم ثبات پھسلے۔ مرد چونکہ ٹیم کا کپتان ہے، قوام ہے با اختیار زیادہ ہے، اس لیے قدرتا خطاب خطبہ بھر میں براہ راست مرد ہی سے ہے۔ اور جمعۃ الوداع کے مشہور و معروف خطبہ میں، زبان نبوت نے مردوں سے خطاب کی صراحت کر دی ہے؛

اتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ - ڈرتے رہو اللہ سے عورتوں کے حقوق کے باب میں، پرہیز کی تاکید اُسی کو کی جاتی ہے، جس سے

بد پرہیزی کا خطرہ ہی زیادہ ہوتا ہے، اور اختیارات محدود اہل کے کہے جاتے ہیں، جسے حکمرانی کا اختیار ہوتا۔

عورتوں کے حقوق - حدیث کی ہر کتاب النکاح کے ماتحت ایک باب ”عشرة النساء“ کا یا مثل اس کے ملے گا، اور وہ بھرا پڑا ہوگا بیوی کے ساتھ حسن معاشرت، رفیق و ملاطفت کی تفصیل و تاکید ہے۔ یہ سب تفسیر ہے حکم قرآنی وَعَاشِرًا وَهْنًا بِالْمَعْرُوفِ کی۔ قول رسول پاک کے کان لگا کر سنئے۔ توصان یہ آدازیں سننے میں آئیں گی کہ گھلاؤ پہناؤ بیوی کو اپنی ہی طرح رکھو معاشرت میں، معیشت میں اپنی سطح پر، بات نکتہ چینی و دشمنی کی زبان پر نہ لاؤ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حق پہچانو بیوی کا سا برتاؤ میں، یعنی جو معاملات بھی برتنے میں آئیں، اُن کا طریقہ بہتر سے بہتر رہے، اور شتہ سے شتہ - نہ ہو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ کسی بھک منگی کی جھولی میں خیرات کی روٹی کا ٹکڑا ڈالا جا رہا ہے، انکی اصلاح کی کوشش یقیناً کرو، لیکن اس میں بھی لحاظ انکی نزاکت کا رکھو۔ کمان کو اتنا نہ جھکاؤ کہ ٹوٹ کر رہ جائے۔ اور تو اور، مومن کے ایمان تک کا معیار یہ ارشاد ہوا ہے، کہ ایمان کامل ترین اُس کا ہے جو نرم ترین ہے اپنے اہل کے حق میں، اپنی عورتوں کے باب میں، اور عمل رسول پاکؐ کا دیکھنا چاہئے، تو اس شفاف مرقع میں یہ صاف دیکھ لیجئے کہ

آپ اپنے اہل سے ہنس بول رہے ہیں پوری بے تکلفی اور خوش خلقی کے ساتھ۔ کوئی بیوی صاحبہ کبھی کوئی کڑی بولی بول اٹھتی ہیں تو آپ صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں۔ جو بیوی صاحبہ کس ہیں، اُن کی رعایت سے آپ اُن کے کھیل تماشے، تفریح میں شرکت فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ شب کو جب آپ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے لیے بستر مبارک سے اُٹھ، قبرستان کو جانا چاہتے ہیں، تو اُٹھتے آہستہ سے ہیں، اور یہ سارا اہتمام آہستگی کا، اس لیے کہ پاس ہی سونے والی بیوی صاحبہ کے آرام میں بلا ضرورت خلل نہ پڑے !

بچپن میں تو جب کسی کی شادی کا نام سننے میں آتا، تو ذہن اپنے سامنے کھیل تماشے کی تصویر لاکھڑی کرتا۔ بچپن کا یہ خواب نوجوانی تک قائم رہا۔ گوشکل بدل گئی، نکاح کی حقیقت اب بھی مخفی رہی، اور جھوٹے شاعر اور لپاڑے روماں نویں اصل حقائق کو مخفی سے مخفی تر بناتے گئے۔ جب خیال اپنی شادی کا آیا، تو اس کے معنی محدود رہے چند تفریحوں اور چند فیسپیوں تک۔ گویا ازدواجی زندگی سمٹ آئی تھی، اپنی عظیم الشان وسعتوں اور بے نہایت پیمایشوں کے ساتھ، دھوم دھام کی چند گھڑیوں میں۔ راگ رنگ کے چند گھنٹوں میں، غفلت کے چند فہموں میں، عشرت کے چند فرموں میں ! — گویا سفر کا

آغاز مترادف تھا نفس سفر اور اختتام سفر کے ! اور بچہ کی پیدائش
مترادف تھی بچپن کے ، لڑکپن کے ، نوجوانی کے ، جوانی کے ،
بڑھاپے کے ، نہر رہا تغیرات کے ، اور بشمار انقلابات کے !۔
آہ ! بچپن کی نادانیاں ، اور نو عمری کی خام خیالیاں ! بات اتنی
صاف ، صریح ، واضح ، لیکن اُس وقت سمجھ میں نہ آتی تھی نہ آئی
کہ ایک ”آج“ پر خدا معلوم کتنے ”کل“ آنے والے ہیں نرم
بھی اور گرم بھی ، اور اس ایک شام کی خدا جانے کتنی صبحیں
طلوع ہونے والی ہیں دلکش و رنگین بھی ، اور اُداس و غمگین بھی ۔
آنکھوں سے پردے رفتہ ہی رفتہ ہٹے ، اور سوالات پیچیدہ سے
پیچیدہ اور سنجیدہ سے سنجیدہ ، ہر قسم کے چھڑے ، یہاں تک کہ
نوجوانی کی برق پاشیاں رخصت ہوئیں ، پختہ عمر کی ٹھنڈی
چاندنی چھٹکی ، اور ترجمان حقیقت اقبال کا شعر ، قال نہیں ،
حال بن کر رہا ہے

میں نوائے سوختہ درگلو - تو پریدہ رنگ رمیدہ بو

میں حکایتِ غمِ عاشقی - تو حدیثِ ماتمِ دلبری !

قربان جائیے اُس معلم و ہادی کے ، جس نے ایک مختصر سے
خطبہ میں ان منازلِ راہ کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر
شکل کا حل ، نسخہ تقویٰ الہی میں دیدیا ۔ مرد وہ ہے جو یاد
رکھے ان سب موقعوں پر اپنی ذمہ داریوں کو ، ذمہ داری کی

گرا نباریوں کو! — جذبات کی تیز و تند آمدنی یقیناً گزر جانے والی ہے، اور اُسے گزر ہی جانا چاہئے، بغیر اس کے کہ گھروں میں آگ لگائے، بغیر اس کے کہ ہرے بھرے گلشن کو جھلسا دے، لیکن طویل رفاقت سے جو مناسبت فریقین میں پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ مناسبت تمام آہستہ آہستہ تبدیل ہو جاتی ہے موانست عام میں۔ اور اس اُس و موانست اور محبت لطیف کی نیم جانفزا کی ہلکی ہلکی جنبش، زندگی کی آخری سانس تک کو لذیذ بنائے رکھتی ہے

طریق عشق و محبت، رہ ہو ادھوس

وہ راہبر کی ہدایت، یہ رہگذر کا فریب

باپ کی وصیت - باپ کا سن جب اتنا آ جاتا ہے، کہ اولاد جوان ہو کر شادی کے قابل ہو جائے، تو یقین کر لینا چاہئے کہ جو وقت دور کبھی بھی نہ تھا، اب اور قریب آگیا ہے۔ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ، اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں، اور ہم فدائیوں کے نبی بزرگوں کی سنت چلی آ رہی ہے، کہ جب اُس نہ ٹلنے والے وقت کا قرب محسوس ہو جائے، تو وصیت کا کلمہ اپنی اولاد کو پہنچا دیا جائے۔ حاضرین بھی اس وصیت کو سن لیں اور گواہ رہیں کہ جس بزم کا آغاز الحمد للہ سے ہوا تھا، اُس کا اختتام ارتا للہ پر ہو رہا ہے۔ یہ وصیت کچھ لائبریری نہیں، دونوں کے پروردگار نے اپنے اسماعیلی نبی کے واسطے گنتی کے چند لفظوں میں ہم تک پہنچا دی ہے۔

ان اللہ اصفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔
 اے اللہ! آج تیرے ایک ناتواں بندہ اور ناتواں بندی کے
 درمیان تیرے ہی قانون کے ماتحت تیرے ہی حکم و ہدایت کے مطابق
 تیری ہی رضا کے خاطر وہ رشتہ قائم ہو رہا ہے جو آدم و حوا سے لے کر
 اب تک تیرے میٹھارنیک بندوں اور نیک بندیوں کے درمیان
 قائم ہو چکا ہے۔ اے اللہ! ان سب کے طفیل میں ان دونوں کو
 بھی اس امتحان میں پورا اتار، ہر آزمائش میں ثابت قدم رکھ، انکے
 نفوس کو پاک کر دے، انکے قلوب کو اپنی محبت و ذوق طاعت سے
 بھر دے! ان کی دنیا سُدھا کر دے، ان کی عاقبت سنوار دے!
 ان کی زندگیاں جوڑی جا رہی ہیں تیرے نام کی برکت کا سہارا لیکر
 قائم رکھ اس سہارے کو جب تک یہ تیری زمین پر جھیں، اور جب
 اس عالم سے اٹھیں، اور جب دوبارہ تیرے حضور میں حاضر ہوں!
 دونوں گم کر دیں اپنی مرضی تیری مرضی میں، تو ان کا ہو جا، اور یہ سیر
 ہو جائیں۔ اے اللہ! محفوظ رکھ ان کو اور ان کی نسل کو سارے فتنوں
 سے عصر حاضر کے اور عصر قبل کے، خدا وہ کیسے ہی خوشنما نقاب اپنے
 چہروں پر ڈال کر آئیں، کیسے ہی نظر فریب پر دوں میں اپنے کو چھپائیں!
 اے اللہ! ان کے نصیب پر سایہ ڈال دے اپنے خلیل ابراہیمؑ اور
 بی بی سارہؑ کا، اپنے خلیل ابراہیمؑ اور بی بی ہاجرہؑ کا۔ انھیں نقش قدم
 پر چلا محمد رسول اللہ اور بی بی خدیجہؑ کے، محمد رسول اللہ اور بی بی عائشہؑ

کے ! بادِ سہموم کی ہر لپٹ کو ان کے حق میں نسیمِ سحر کا جھونکا بنا دے
 آتشِ فردوس کے ہر شعلہ میں ان کے لیے گلزارِ خلیلؑ کے پھول کھلا دے
 اپنے دین کی محبت ان کے دلوں میں جما دے ! اپنے دین کی خدمت
 کا ولولہ ان کی روح میں بسا دے ۔ اپنے دین کی نصرت کا جذبہ
 ان کے اندر جگا دے ! جب تک اس دُنیا میں آباد رہیں ، اسلام کے
 ہتھیاروں سے اپنے جسم کو سجاے ہوئے ، اور جب تیرے حضور
 میں حاضر ہوں ، تو ایمان کا طغرا پیشانی پر لگائے ہوئے ! جب بلاوا
 تیرے یہاں سے آئے تو ان کے دل تیری دید کی آرزو بسائے
 ہوئے ، اور ان کے چہرے تیرے شوق و اشتیاق کی چمک سے
 جگمگائے ہوئے ! دُنیا غدار ہو جائے ، اور یہ محمدؐ کے دین کے
 وفادار رہیں ۔ زمانہ اپنے قول سے پھر جائے ، اور یہ کلمہ توجید پر
 استوار رہیں ! انھیں شرمندہ نہ کر ایک دوسرے سے ، شرمندہ
 نہ کر اپنے سے ، اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ سے ! تیری مرضیات
 کی جنت انکے لیے ہو ، اور یہ تیری جنت کے لیے ، اپنے کھلے ہوئے
 چہروں کے ساتھ ، ہنستے ہوئے جلوں کے ساتھ ، چمکتے ہوئے بشرِ ہا
 کے ساتھ ، دھکتے ہوئے مکھڑوں کے ساتھ ، اور ان کے ساتھ ہم سب
 دعاگوؤں کے لیے بھی !

مسئلہ طلاق

کتاب و سنت کی روشنی میں

مسئلہ طلاق

کتاب سنت کی روشنی میں

اپنوں کی بیگانہ دہشتی - جہاد پروردہ، غلامی، اور تعداد ازدواج کی طرح طلاق بھی شریعت کے اُن چند مسائل میں سے ہے جن پر ”دانیانِ فرنگ“ نے بہت روزِ خوب سہنی اُڑائی - لیکن جتنا سنے اُس سے کہیں زیادہ رونا پڑا اور بالآخر بہت سی ٹھوکریں کھا کھا کر بڑی حد تک اسلام ہی کے قانون کی تقلید پر مجبور ہونا پڑا - لیکن عبرت کا مقام ہے کہ اپنوں کی بیگانہ دہشتی اب تک قائم ہے - اور بیگانے تو تجربہ کی تلخیاں اُٹھا اُٹھا کر کچھ نہ کچھ درست ہو گئے پر اپنوں نے اپنی چیزوں سے بیزاری جو انھیں کی تقلید میں سیکھی تھی - وہ بتو قائم ہے! نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ آج اگر کوئی شخص طلاق دیتا ہے تو غیر مسلم نہیں، خود مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ گویا اُس نے کسی ظلمِ عظیم کا، اور عقل و شریعت دونوں کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا!

افراط و تفریط - طلاق کے بارے میں افراط و تفریط شروع سے چلی آرہی ہے - یونان کے دور تمدن و تہذیب میں اسے عورت کے لیے سخت معیوب خیال کیا جاتا تھا اور عملاً

اس میں سخت دشواریاں تھیں۔ ایک مورخ لکھتا ہے:-
 ایٹھینیا میں بیویوں کو قانوناً کوئی حق ہی حاصل نہ تھا۔ شوہر
 اگر بدسلوکی کرے تو بھی عورت کے لیے تفریق حاصل کرنی آسان
 نہ تھی۔ جب طلاق ہو جاتی تو اولاد بجائے ماں کے باپ کے
 پاس رہتی تھی۔

روم نکاح کا مورخ مسولیٹورنا فرانسس، یونان کے ذیل میں لکھتا ہے:-
 عورت کے لیے تفریق بڑی توہین کی بات تھی۔ یورپی
 پیڈیس (شاعر) امیڈیا کی زبان سے کہلاتا ہے کہ ”طلاق عورت
 کے لیے بڑی شرم کی بات ہے“۔ ایشینہ میں تفریق
 کے واقعات ہوتے ضرور تھے لیکن انکی تعداد کہیں زائد ہوتی
 اگر شوہر کو مالی نقصان نہ برداشت کرنا ہوتا۔ شوہر کو طلاق
 دیتے وقت قانوناً بیوی کا جہیز واپس کرنا ہونا تھا یا ایک
 خاص شرح سے اس پر سود دینا ہوتا۔ مطلقہ کے اعزاء اس کی
 زندگی بھر کے نفقہ کے لیے دعویٰ کر سکتے تھے۔

متعدد دوسری قوموں میں بھی یہی دستور رہا ہے۔ روم کے
 عروج تمدن کے زمانے میں صورت حال ٹھیک اس کے
 برعکس ہو گئی۔ اب طلاق کوئی بات ہی نہ رہی، فسخ نکاح بات باپ

۱۔ ”تاریخ دنیا کے قدیم“ از ڈاکٹر دیسٹن امریکی مطبوعہ جارج ہیرپ لندن۔
 ۲۔ ”ارتقاء نکاح“ از میڈیٹورنا ص ۴۴ مطبوعہ دائرہ اسکاٹ لندن۔

ہونے لگا۔ اور تفریق زوجین نے ایک کھیل تماشہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ ڈاکٹر ویسٹر کے الفاظ میں ”عقد نکاح کی حیثیت مٹھن ایک قانونی معاہدہ کی رہ گئی جو جلد قائم بھی ہو سکتا تھا اور جلد ٹوٹ بھی سکتا تھا۔ ایسی ایسی رومی خواتین بھی تھیں جن کی بابت یہ مشہور ہے کہ وہ اپنے سن کا حساب اپنے شوہروں کی تعداد سے لگایا کرتی تھیں۔ طلاق ایک بالکل عام چیز ہو گئی تھی (ص ۲۸۶ کتاب مذکور) مورخ گبن نے اپنی مشہور ”تاریخ زوال مملکت رومہ (باب ۱۵) میں تفصیل کے ساتھ طلاق کی اس گرم بازاری کو لکھا ہے۔ اور ایک فٹ نوٹ میں ایک شوہر کا ذکر کیا ہے جو ایک فاتحانہ انداز سے اپنی اکیسویں بیوی کو دفن کر رہا تھا اور خوش تھا کہ یہ وہ عورت تھی جو اس سے قبل ۲۲ شوہروں کو ختم کر چکی تھی! خود رومہ بھی اس حیثیت سے ہر زمانہ میں یکساں نہ تھا، ایک زمانہ وہ تھا کہ بقول ”لیکن“ مصنف تاریخ اخلاق یورپ کے رومہ نے پانچویں برس تک طلاق کا نام بھی نہیں سنا۔ کہاں ایک زمانہ میں اس قدر احتیاط تھی اور کہاں پھر ایک زمانہ یہ آیا کہ مورخ لیگی کے الفاظ میں۔

”نکاح کی حیثیت جب فریقین کے درمیان رے قانونی معاہدہ

کی رہ گئی تو ہر فریق جب چاہتا اپنی مرضی کے موافق اس معاہدہ کو ختم بھی کر سکتا تھا۔ اور تفریق کے بعد از سر نو نکاح کر سکتا۔ نکاح کا احترام اب رخصت ہو چکا تھا۔ سرو نے اپنی بیوی ٹھہرنیسا کو اتنی سی بات پر چھوڑ دیا کہ اُس نے سب جہیز کی فرمائش کی تھی۔ اگس نے لیویا کے شوہر سے لیویا کو اس کے زمانہ محل میں جبراً اس لیے طلاق حاصل کرائی کہ خود اپنے عقد میں لاسکے۔ ایک عورت کا ذکر آتا ہے جو دس شوہر کر چکی تھی اور ایک عورت کا جو پانچ سال کے اندر آٹھ شوہر بدل چکی تھی۔ سب سے بڑھ کر ایک اور عورت کا ذکر آتا ہے جو تیسویں بار ایک ایسے مرد کے نکاح میں آئی تھی جس کی وہ کہیں بیوی تھی۔

مسیحیت کی تفریط - عرب جاہلیت میں بھی طلاق کا یہی رنگ تھا۔ رومہ کی شائد اسی افراط کو دیکھ کر مسیحیت نے تفریط یہ کی کہ طلاق کو بجز سزاے زنا کا رمی کے اور ہر صورت میں قطعاً ناجائز قرار دیدیا۔ ہندوؤں کے قانون میں بیوی کی زندگی کو تمام تر شوہر کی زندگی میں ضم کر دیا گیا اور علحدگی کی گویا کوئی شریفانہ صورت باقی ہی نہ رہی۔ اس وقت بھی دنیاے غیر متہن کو چھوڑ کر خود دنیاے متہن کے اندر طلاق کے مختلف نظریے قائم ہیں۔

لے یہ اقتباس اصل انگریزی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کا طعن اردو ترجمہ سے منقول نہیں۔

امریکہ اور یورپ کے ہر ہر ملک کے الگ الگ قوانین و ضوابط ہیں۔ اور کوئی طلاق کے شرائط کو نرم سے نرم کرنے پر مُصر ہے اور کوئی اُن کے سخت سے سخت کرنے کے درپے تفصیل کی گنجائش اس مختصر مضمون میں نہیں۔ عملاً امریکہ میں اس وقت طلاق کی جو گرم بازاری اور فیصدی جتنی شادیوں کا انجام طلاق پر ہوتا ہے اُس کا تذکرہ انگریزی خوان ناظرین کو ”انگل شیم“ کے صفحات میں مل سکتا ہے۔

تغیر پذیر نظریے طلاق ایک سلبی چیز ہے۔ حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ طلاق سے متعلق قوموں اور جماعتوں کا زاویہ نگاہ ہمیشہ بدلتا رہا ہے۔ بڑے بڑے مدعیان علم و دانش، تہذیب و تمدن، ماضی و حال میں ایک دوسرے سے اس باب میں سخت مختلف الرائے ہیں۔ اصل مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ خود حقیقت طلاق پر غور کیا جائے۔ طلاق ظاہر ہے کہ ایک سلبی شے ہے۔ کسی ایجابی شے کا نام نہیں۔ فسخ رشتہ ازدواج کا نام ہے۔ پس طلاق کا مفہوم صحیح اُس وقت سمجھ میں آ سکتا ہے جب نکاح کا مفہوم صحیح ذہن نشین کر لیا جائے۔ اور یہ کوئی طویل و پیچیدہ مسئلہ نہیں۔ دوسرے مذاہب نے جو کچھ بھی سمجھا ہو، اسلام نے حیرت انگیز بلکہ معجزانہ جامعیت کے ساتھ نکاح کی اصلی غرض و غایت دو مختصر فقروں میں بیان کر دی ہے۔

هو الذی خلقکم من نفس واحدة جعلنہا زوجہا یسکن
الیہا ۛ (اعراف ۶ ۲۴)

اللہ وہی تو ہے جس نے تم انسانوں کو تن واحد سے پیدا کیا اور
اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ تم اُسی سے راحت حاصل کرو۔
نکاح کی غایت - مرد کے لیے اُس کے ہمجنس زوجہ کی غایت
تخلیق یہاں بیان کر دی ہے کہ مرد اُس سے تسکین حاصل کئے
یسکن الیہا کا ترجمہ اردو میں تسکین پائے، اُس حاصل کئے
راحت پائے آرام پکڑے ان رب فقروں سے ہو سکتا
ہے - گویا بیوی بننے کے معنی ہی یہ ہیں کہ شوہر کا قلب اُس سے
تسکین پائے، بیوی اُس کے لیے باعثِ راحت و موجبِ آرام
ہو، ایک کی زندگی دوسرے کی زندگی کا جز بن جائے۔ ایک
دوسری جگہ اسی مفہوم کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ ارشاد
فرمایا ہے :- **ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنو
الیہا وجعل بینکم مودۃً ورحمۃً** اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے
کہ اُس نے تمہارے ہی نفسوں سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ
تم اُن سے راحت پاؤ اور تمہارے درمیان محبت و ہمدری پیدا کر دی (ردم ۲۶)
پہلی آیت میں اگر یہ اجمال تھا کہ شامِ آدم اور صرف حضرت حوا علیہما السلام
کی پیدائش سے ہو اور دلالتِ حضرت آدم تک محدود رہے ایک دوسری
آیت نے یہ شبہ بھی دور کر دیا اور صاف صاف من انفسکم

کہہ کر مدلول کو بالکل روشن کر دیا۔ اور بیویوں کی غایتِ تخلیق
پھر دُہرا دی کہ شوہر کے لیے تسکینِ قلب اور مزید توضیح و تاکید
کے لیے یہ بھی بتا دیا کہ میاں بیوی کے درمیان مودت و محبت
(محبت و ہمدردی) پیدا کر دی جاتی ہے۔ تیسری بار یہی مفہم
ایک اور لطیف پیرایہ میں بیان ہوا ہے :- **هن لباس لکم
وانتم لباس الھن (بقرہ ۲۳)**

تمہاری بیویاں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے
لباس ہو۔ علامہ ابن جریر نے آیت کی تفسیر میں ایک معنی
یہ لکھے ہیں کہ :- **زوجة الرجل سكن تسكن اليها كما
قال تعالى ذكره وجعل منها زوجها ليسكن اليها۔**
مرد کے لیے بیوی مایہ تسکین ہوتی ہے جس سے وہ سکون پاتا
ہے جیسا کہ دوسری آیت **وجعل منها زوجها ليسكن اليها**
میں وارد ہوا ہے۔

اور پھر اسی معنی کی تائید میں اکابر تابعین مجاہد،
قتادہ، سدی وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں بلکہ خود ترجمان
الفرقان حضرت عباسؓ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ :-
قال هن سكن لکم وانتم سكن لھن۔ بیویاں تمہارے
لیے مایہ تسکین ہیں اور تم اُن کے لیے۔

اور حافظ ابن کثیر نے بھی ابن عباسؓ، مجاہد، سعید بن جبیر

من، قتادہ، سدھی اور مقاتل بن حیان سے یہی نقل کئے
ہیں۔ بعد کے مفسرین میں سے صاحب معالم و صاحب خازن
وغیرہم نے بھی یہی معنی اختیار کئے ہیں۔ غرض از دو واجی
زندگی سے متعلق اسلام کا مطمح نظریہ ہے ہی نہیں کہ عورت
مرد کے سرکسی نہ کسی طرح منڈھ دی جائے اور روتی ہوئی
اور جھینکتی ہوئی اُس کے گھر میں پڑی ہوئی اپنی زندگی کے
دن پوری کر کے رہے۔ بلکہ شریعت کو مطلوب یہ ہے کہ
دو زندگیاں مل کر ایک ہو جائیں اور دونوں ایک دوسرے
سے خوب مانوس و مائل ہو کر رہیں۔

سکینت قلب و تسکین خاطر کا لفظ حیرت انگیز جامعیت
رکھتا ہے۔ انسان کے خالق سے بڑھ کر انسان کا فطرت
شناس اور کون ہو سکتا ہے۔ فطرت بشری کے اسرار
و دقائق کی رعایت اُس کے کلام سے بڑھ کر کس کے کلام
میں ہو سکتی ہے۔ سکینت کے لفظ کو مطلق چھوڑ دینا اور اس
کی مزید تشریح و تفصیل نہ کرنا بھی ایک خاص اعجاز ہے۔ ظاہر
ہے دنیا میں اختلاف مذاق بے حد و حساب ہے۔ ہر فرد کا
مذاق دوسرے سے جدا گانہ ہوتا ہے اسی لیے ہر شخص کے
سکون قلب کے اسباب بھی دوسرے سے مختلف ہی ہوتے
ہیں۔ ہر شخص کے لیے بہترین بیوی اُسی کے معیار کے مطابق

اُسی کے دلچسپیوں کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ رنگ روپ
حسن و جمال قد و قامت مزاج و طبیعت، سلیقہ و شعور، تعلیم
و تربیت ہر لحاظ سے ایک کا معیار دوسرے سے مختلف ہی ہوتا
ہے اجمالاً بس اتنے جزو پر سب متفق ہیں کہ ہر شخص اپنی تسکین
قلب ہی چاہتا ہے۔

بیویوں میں اعلیٰ مرتبہ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بیویوں میں سب سے اعلیٰ
مرتبہ اُسی کا ہے جس سے شوہر کو تسکین قلب سب سے زیادہ
حاصل ہو۔ چنانچہ حضور صلعم کی نظر میں حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محبوب ترین ہونے کا راز بھی یہی ہے،
ورنہ محض جمالِ ظاہری کے لحاظ سے سب سے زیادہ شہرت
ام المومنین حضرت صفیہ بنت حمی کی تھی۔ تسکین بدرجہ اتم حاصل ہونا

۱۔ امام نسائی نے اپنے سنن کی کتاب النکاح میں ایک باب باندھا ہے ای النساخۃ
(بہترین بیوی کونسی ہے) اور اس کے تحت میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث
لکھی ہے التی تسرک اذ انظر و تطیبعہ اذا امرو و تخیفہ فی نفسہا
و مالہا بما یکسرک۔ یہ بھی گویا صورت و سیرت کی خوبیوں کی جامع ”مایہ تسکین“
کی تفسیر ہی ہے۔

۲۔ غالب شاعر نے اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہا ہے۔
تسکین کو ہم نہ روئیں جزو ق نظر ہے۔ حورانِ خلد میں تری صورت گرے
ہمیں شاعر نے محبوب میں سب سے اعلیٰ شے ”تسکین“ ہی کو قرار دیا ہے۔ کہتا ہے کہ
وہ تو بجز محبوب کے اور کسی سے حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ کم از کم اُس کی سی صورت
ہی عروں کی ہو۔

آسان نہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ عموماً ممکن ہی نہیں۔ لیکن دنیا میں ہر وصف مطلوب کے مراتب و مدارج ہوتے ہیں۔ اگر راحت و انس کسی درجہ میں بھی ہے تو مقصد نکاح کسی حد تک پورا ہو رہا ہے اور فسخ معاہدہ کی کوئی صورت داعی نہیں ہوتی لیکن اگر اتفاقات ایسے پیش آجائیں کہ صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہو جائے اور سکونِ قلب کسی درجہ میں بھی حاصل ہو نی سکے۔ بجائے ہر وقت اذیتِ قلب کا سامان رہنے لگے تو ایسی صورت میں بجز اس کے چارہ ہی کیا ہے کہ سرے سے معاہدہ ہی کو ختم کر کے فریقین ایک دوسرے سے آزاد ہو جائیں؟ یہ صورتِ حال خوشگوار ہرگز نہیں اور نہ شریعت میں پسندیدہ ہے لیکن سوال خوشگوار سی و پسندیدگی کا نہیں، ضرورت کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب باوجود سعی و تدبیر ایسے حالات مخالف جمع ہو جائیں تو اس وقت علاج کیا ہے؟ مذہب و احکام مذہب کو چھوڑیے جن اہل فکر نے خالص عقلی حیثیت سے مسئلہ پر غور کیا ہے وہ بھی آج تک کیا کوئی اور تدبیر و علاج نکال سکے ہیں؟ اسی ارادی انقطاع تعلق کا شرعی نام اگر شوہر کی طرف سے ہو، طلاق اور اگر بیوی کی طرف سے ہو خلع ہے۔ اس توضیح سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ طلاق سخت ترین سزا کے مترادف نہیں یعنی شریعت کو مقصود یہ صورت حال نہیں کہ

بیوی کی طرف سے کوئی معمولی سی ناخوشی شوہر کو ہوئی اور اُس نے اپنے اختیارات کو کام میں لا کر بید ہڑک اُسے اپنے گھر سے نکال دیا طلاق کے کلمات زبان سے ادا کر دیئے۔

بے شبہ ایسی صورتیں بھی پیش آتی رہتی ہیں اور یہ حد درجہ افسوسناک ہے لیکن شریعت نے طلاق کی اصلی حیثیت سنرا کی نہیں رکھی بلکہ بہت سی ضرورتوں کے آخری علاج کی حیثیت سے جائز رکھا ہے۔ آپریشن کرنے والا نشتر درد و اذیت رفع کرنے کے لیے ہوتا ہے لیکن کوئی شامت زدہ آپ اپنے قلب میں بھونک کر خودکشی کرے تو یہ اُس کی اپنی بختی ہوئی نشتر ساز کا اس میں کیا قصور؟ یہی سبب ہے کہ شریعت نے شوق طلاق سے روکا ہے اور اس میں جلد بازی کو پسند نہیں کیا ہے اہل نظر نے کلام مجید ہی سے اس نکتہ کو سمجھا ہے سورہ نسا میں ایک جگہ بیویوں کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كُنتُمْ هُنَّ فَعَلْنَ
 أَنْ تَكْرَهُنَّ شَيْئًا فَعَلْنَ اللَّهُ فَيَهْ خَيْرٌ كَثِيرًا -
 اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہو اگر تمہیں وہ ناپسند بھی ہوں تو کیا عجب ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کر رہے ہو اور اللہ اُسی میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔ ابو بکر حصص رازیؒ اس آیت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:-

یدل علی انه مندوب الی امسا کہا مع کراہتہ
لہا (احکام القرآن للجصاص جلد ۲ ص ۱۳۲) آیت سے نکلتا ہے
کہ ایسی بیوی کے ساتھ باوجود ناپسندیدگی کے نباہ کرتے رہنا
چاہئے ۔ اور حافظ ابو بکر ابن عربی مالکیؒ اسی آیت کے ذیل
میں لکھتے ہیں :-

المعنی ان وجد الرجل فی زوجتہ کراہیۃً وعنہا غبۃً
ومنہا نفرةٌ من غیر فاحشة ولا تشوز فلیصبر
علیٰ اذاها وقلة انصافها فرجماکان ذلک خیر
لہ قال علماؤنا فی ہذا دلیل علی کراہیۃ

الطلاق (احکام القرآن لابن عربی جلد ۱ ص ۱۵۲) مطلب
یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کی طرف سے بجز بے حیائی اور
نافرمانی کی صورتوں کے کسی اور جہت سے اپنے اندر
ناپسندیدگی یا بے رغبتی یا بیزاری پائے تو چاہئے کہ
اُس کی بیوی کے اسی عیب پر اور اس کی خوبی کی
کمی پر صبر سے کام لیتا رہے کہ اکثر اس کے حق میں
بہتر ہوتا ہے اور علمائے مالکیہ نے طلاق

کے ناپسندیدہ ہونے کی دلیل اسی آیت سے پکڑی ہے۔ اخذ کلی

دوام کی نیت ۔ اگر رشتہ نکاح میں شروع ہی سے نیت
دوام و پائیداری کی نہ ہو اور طلاق کا رواج عام ہو جائے

بابات بات پر بلا کسی وجہ قوی کے مرد اپنی بیویوں کو چھوڑنے لگیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ کہ حیات منزلی و خانگی زندگی کی مستریں خاک میں مل جائیں گی میاں بیوی کے درمیان اول دن سے بے اعتمادی و بدگمانی قائم ہو جائے گی۔ نکاح کا جو اصلی مقصد رفاقت دائمی اور ایک دوسرے کے لیے ہمدردی و ایثار ہے وہی سرے سے فوت ہو جائے گا اور بجائے اس کے خود غرضی اول دن سے جڑ پکڑنے لگے گی۔

اور مردوں و عورتوں کی اصلاح نفس ہونے کے بجائے دونوں کے پیش نظر صرف نفس پرستی رہ جائے گی۔ بچونکی تربیت اور گھر کی تعمیر و آبادی جیسی کچھ غارت ہو کر رہے گی وہ ستراؤ۔ یہ محض خیال آرائیاں اور مفروضات نہیں۔

رومہ کی تاریخ میں اس کا تجربہ ہو چکا عرب جاہلیت اور یہود قدیم اس کا خمیازہ اٹھا چکے اور آج امریکہ کی عدالتیں روز اس ”طلاق بازمی“ کے عبرتناک نتائج کا مرقع پیش کر رہی ہیں۔ رازدار شریعت، حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:- اعلم ان فی الکشاہ من الطلاق و حبریان الرسم بعد الماتفات بہ مفسدہ کثیرہ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۳ مطبع خیرہ) جانا چاہیے کہ طلاق کی کثرت اور بے پروائی کے ساتھ اس کا دستور

جاری ہو جانے میں بہت زائد خرابیاں ہیں۔ آگے ان نقصان کو خاصی تفصیل سے گنایا ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود علاج بہر حال علاج ہے۔ لذت و خوشگوارِی کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض اوقات صحت قائم رکھنے کے لیے جسم سے خون نکال دینا، یا کسی عضو کو کاٹ دینا ہی ضروری ہوتا ہے اور وہ علم طب کامل نہیں ناقص ہے جو فصد و آپریشن کا نام سُنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور کسی حال و کسی صورت میں ان اعمال کی اجازت نہ دے! حضرت شاہ صاحب نے کہاں تو زور و قوت کے ساتھ مفسد رواج طلاق کو بیان فرمایا ہے اور کہاں حکیمانہ نکتہ سنجی کے ساتھ خود ہی یہ لکھے پر بھی مجبور ہیں کہ :- **و مع ذلک لا یکن سد** **هذا الباب والتضیق فیہ فانه قد یبرئ الذوجان** **متناشہین اما السوء خلقتها اولطموح احدہما** **الی حسن انسان آخر والتضیق معیشتہما اولفرق** **واحد منہما ونحو ذلک من الاسباب فیکون** **ادامۃ هذا النظم مع ذلک بلاء عظیم و حرجاً** **(ایضاً) بایں ہمہ اس باب (طلاق) کو بند کر دینا یا اس میں** **دشواری پیدا کرنا بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ میاں بیوی** **کے درمیان بھی کبھی مخالفت ہو ہی جاتی ہے۔ کبھی طرفین کی**

بد مزاجی کی بنا پر اور کبھی اس بنا پر کہ ایک فریق کو کسی تیسری ہستی کے ساتھ فریفتگی ہو جاتی ہے اور کبھی تنگی رزق کی بنا پر اور کبھی کسی فریق کے حق کی بنا پر اسی طرح اور بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں اس رشتہ کا قائم رکھنا ایک سخت مصیبت و آفت کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

دوائے تلخ۔ یہیں سے یہ ہے کہ کلام پاک میں صراحت کے ساتھ کہیں بھی طلاق سے ناگواری ظاہر نہیں فرمائی گئی۔ طلاق، فصد یا آپریشن کی طرح ایک علاج ہے اور کوئی طبیب حاذق کسی خاص طریق علاج سے اپنی مستقل نیازی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہے گا کہ یہ کوئی شوق یا تفریح کی چیز نہیں، علاج ہے۔ اور اس لیے اسے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت ہاتھ میں نہ لینا چاہئے۔ لیکن جب حالات ایسے پیش آجائیں کہ دوسری تدبیریں بے اثر رہنے لگیں تو بڑی تکلیفوں سے بچنے کے لیے اس چھوٹی تکلیف کو یقیناً برداشت کرنا چاہئے۔ کڑوی دوا کے خوش گوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مرض کے شدید کے وقت دوائے تلخ کی ناخوش گواری کو گوارا بنانا ہی ہوتا ہے۔ کلام پاک میں لفظ طلاق اور اس کے مشتقات میں ایک دو جگہ نہیں بیسیوں بار آئے ہیں مگر ناگواری کے الفاظ کسی ایک مقام پر بھی وارد نہیں ہوئے۔

پھر احکام طلاق بھی اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوئے ہیں (کیا جو شے مستقلاً منوف و مکروہ ہوتی ہے اُس کے احکام و آداب بھی تلقین کئے جاتے ہیں؟) پھر حضرت زیدؓ ایک ممتاز صحابی تھے اُن کا مرتبہ امتیاز اسی سے ظاہر ہے کہ تمام جہات صحابہ میں وہی ایک ایسے ہوئے ہیں جن کا نام صراحت کے ساتھ اللہ کے کلام میں آیا ہے اور نہ صرف نام بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ انعم اللہ علیہ (وہ شخص جو اللہ کے ہاں سے مورد انعام ہوا ہے) ان ممتاز صحابی نے اپنی بیوی صاحبہ کو طلاق دی۔ بیوی صاحبہ اس مرتبہ کی تھیں کہ پہلے سے حضور انورؐ کی قریبی عزیز تھیں اور بعد کو ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔ حضرت زیدؓ کے واقعہ طلاق کا ذکر کلام پاک میں ہے۔ لیکن بلاشبہ ملامت و مذمت۔ اگر طلاق بالذات قابل ملامت و مذمت ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کلام مجید اس پہلو کو نظر انداز کر دیتا۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت زیدؓ نے کوئی متعین و مخصوص الزام نہیں لگایا تھا۔ عام ناموافقت فرج ہی کو عذر قرار دیا۔

حدیث کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت اور زیادہ واضح ہو کر رہتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعرمیؓ کی روایت سے حدیث ذیل متعدد کتب فقہ و تفسیر میں نقل ہوئی ہے :-

تزوجوا ولا تطلقوا فان الله لا يحب الذواقين والذواق
 نکاح کرو اور طلاق نہ دیتے رہو کیونکہ خدا لذت چکھنے والوں
 اور چکھنے والیوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت
 کو عمومی و طبعی حالت نکاح و ازدواج ہی کی مقصود ہے (طلاق
 سے اُس نے رد کیا ہے مگر کن کو بہ ذواقین و ذواقات کو
 رنگ رنگ کی لذت چکھنے والوں اور والیوں کو۔ اُن مردوں
 اور عورتوں کو جو محض لذت نفسانی کی تلاش میں ادائے حقوق
 و فرائض سے غافل اور اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر روز
 ایک نیا شکار پھانسنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور پرانی بیویوں
 کو محض اس بنا پر چھوڑتے رہتے ہیں کہ وہ پرانی ہو چکی ہیں۔
 پس طلاق میں اگر کراہیت ہے تو اُس طلاق میں جس کا معنی انشاء
 نفس پرستی ہو نہ کہ اُس طلاق میں جو کسی مقصد صحیح کے ساتھ
 بغرض رفع مفسد یا بطور علاج عمل میں لائی جائے۔

صحاح ستہ میں بسلسلہ طلاق صدہا احادیث مروی
 ہیں۔ ایسی کوئی حدیث بھی وارد نہیں ہوئی ہے جس میں نفس
 طلاق پر ملامت آئی ہو۔ لے دے کے ایک روایت ابنی
 الحلال والی ہے جو عام طور پر زبان زد ہے اور اسی کو کراہیت
 طلاق کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بخاری کی حدیث ہے
 نہ مسلم کی۔ ابو داؤد میں البتہ اس مضمون کی دو روایتیں آئی ہیں۔

ایک کے الفاظ یہ ہیں :- عن محارب قال قال رسول اللہ
صلعم ما احل الله شيئاً ابغض اليه من الطلاق -
محارب کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں
حلال کی ہیں ان میں اُسے سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔
محارب جن پر روایت ختم ہوئی ہے صحابی نہیں تابعی ہیں ان
سے کسی صحابی کا نام جس نے خود حضور کی زبان مبارک سے
سنا ہو منقول نہیں۔ ایسی روایات کو اصطلاح میں ”مرسل“
کہتے ہیں اور ان کا درجہ ظاہر ہے کہ حدیث مرفوع سے بہت
پست ہوتا ہے۔ دوسری روایت ان الفاظ میں ہے :-
عن ابن عمر عن النبی صلعم قال ابغض الحلال الى الله
عن وجل الطلاق - حضرت ابن عمر رسول اللہ سے روایت
کرتے ہیں کہ اللہ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناگوار طلاق
ہے۔ لیکن ناقد حدیث حافظ سخاویؒ کی تحقیق میں اس روایت
کا اسناد صحابی ابن عمر تک تو صحیح ہے رسول اللہ تک اس کی
مرفوعیت ضعیف ہے۔ (المقاصد الحسنہ) گویا دونوں روایتیں اول
تو بجائے احادیث نبوی کے محض آثار کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور
پھر معنی بھی اسی قدر ہیں کہ عقد مناکحت جیسے پاک رشتہ کو جو اللہ
کے واسطے سے دو زندگیوں کو جوڑ کر ایک کرتا ہے بلا ضرورت
محض نفس پرستیوں کی خاطر توڑ ڈالنا اللہ کی نظر میں ناگوار ناپسند

یہ حافظ ابن حجر ایک جگہ شرح بخاری میں ضمناً اس اثر ابن عمرؓ کو لا کر لکھتے ہیں۔ کہ امام بخاریؒ نے اثر مذکور کو محل حدیث انقض الحلال الی اللہ الطلاق علی ما اذا دفع من غیر سبب لے۔ اُس وقت سے متعلق سمجھا ہے جب طلاق بلا وجہ دی جائے۔ حضرت زید کی طلاق کا ذکر قرآن مجید کے حوالہ سے اوپر آچکا ہے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اللہ کی مبغوض شے کا ذکر کلام مجید میں بلا شائبہ ملامت آجاتا؟ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی طلاق کا ذکر بخاری وغیرہ کتب صحاح میں ہے۔ متعدد دوسرے اجل صحابہ کی طلاقوں کے تذکرے سیر و تاریخ میں مذکور ہیں اور حضرت امام حسنؓ کی کثرت طلاق تو فطرہ شہرت سے حد ضرب المثل تک پہنچی ہوئی ہے۔ اگر طلاق علی الاطلاق شریعت کو ناگوار و مبغوض ہے تو کیا خدا نخواستہ حضرات صحابہؓ کثرت کے ساتھ امر مبغوض کے مرتکب ہوا کیے؟۔

سُنّت کی روشنی۔ سب سے بڑھ کر مثال خود سرور کائناتؐ کی ذات مبارک ہے۔ حضورؐ کا حضرت حفصہؓ کو طلاق دینا اور

۱۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ مصر، خیرہ، طبیبی وغیرہ۔ دوسرے شارحین نے اثر مذکور کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان کا محبوب ترین مشغلہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا ہے لانا حب الاشیاء عند الشیطان التفریق بین الزوجین۔

پھر اُسے واپس لے لینا ایک مشہور و معلوم واقعہ ہے ابن سعد نے متعدد طریق سے روایات و راجح کی ہیں اُن سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی لیکن حضرت جبریلؑ یہ پیام لے کر آئے کہ

ارجع حفصۃ فانہا صوامتہ قوامۃ وہی ذو جنتک فی الجنة (طبقات جلد ۸ ص ۵۷ مطبوعہ لائڈن)

حفصہؓ کی طلاق واپس لے لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور بڑی نماز پڑھنے والی ہیں اور جنت میں آپؐ کی بیوی۔ اس پر آپؐ نے طلاق سے رجوع کر لیا۔ سیر کے علاوہ حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے اپنے سنن میں حضرت عمرؓ سے اور نسائی نے اپنے سنن میں حضرت عمرؓ سے سبھی روایت کی ہے۔ البتہ ان احادیث میں حضرت جبریلؑ و انا جزو موجود نہیں۔ صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے طلاق دی تھی پھر رجعت کر لی۔ کیا (نغذ باللہ) حضورؐ اوز بھی ایسے فعل کا ارتکاب کر رہے تھے جو اللہ کو مبغوض تھا؟ اور خیرام المؤمنین حفصہؓ کی طلاق تو آپؐ نے واپس بھی لے لی اور واقعہ عام و متداول کتابوں میں شائع بھی ہو چکا لیکن ان کے علاوہ حضورؐ نے اپنے نکاح میں آنی ہوئی کم از کم دو اور بیویوں کو بھی طلاق دی ہے جو قائم رہی اور واپس

نہیں لی گئی۔ بعض اہل سیر نے تو دوسے بھی زائد کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دو کے متعلق مطلقہ ہونا بالکل ثابت ہے حال کے اہل قلم نہ معلوم ان واقعات کا ذکر کرنے سے شرماتے کیوں ہیں؟ درآنحالیکہ اُس پاک زندگی کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ بھی ایسا نہیں جو اپنے اندر ہدایت کا سبق اور رہنمائی کی روشنی نہ رکھتا ہو۔ بہر حال ایک منکوہہ کا نام اسماء بنت نعمان کنذیہ تھا۔ اور دوسری کا نام عمرہ بنت یزید کلابیہ۔ ابن ہشام جو موجودہ ذخیرہ سیرت نبوی میں سب سے قدیم اور سب سے مقدم ہے اُس میں ہے: اسماء بنت النعمان الکندیہ تزوجھا فوجدھا بیاضاً فمستھا وودھا الی اہلھا

(سیرۃ ابن ہشام حصہ ۳ ذکر ازدواج الرسول)

اسماء بنت نعمان کنذیہ کے ساتھ آپؐ نے نکاح کیا لیکن اُن کے جسم پر سفید داغ دیکھے۔ پس آپؐ نے اُنہیں رخصت کر دیا اور اُنہیں اُن کے گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔

وعمرہ بنت یزید الکلابیہ فلما قدمت علی

رسول اللہ صلعم استعاذت من رسول اللہ صلعم فقال رسول اللہ صلعم متع عائذ اللہ فرمھا الی

اہلھا۔ ویقال ان التی استعاذت من رسول اللہ کنذیہ عمرہ کلابیہ ویقال ان رسول اللہ صلعم

دعاھا فقالت انامن ثم نول ولانا قی فردھا
رسول اللہ صلعم الی اہلھا (ایضاً)

عمرہ بنت یزید کلابیہ جب یہ حضورؐ کے پاس آئی
... تو اُس نے حضورؐ سے پناہ مانگی پس حضورؐ نے اُسے نصرت
کر دیا اور اُسے اُس کے گھروالوں کے پاس بھیج دیا ... اور ایک
قول یہ ہے کہ جس عورت نے حضورؐ سے پناہ مانگی تھی وہ یہ نہ تھی
بلکہ اسماء بنت النعمان کی چچا زاد بہن ایک کندہ تھی
اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضورؐ نے اسے بلایا کہا کہ ہم لوگ
کسی کے پاس نہیں جاتے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں پس
حضورؐ نے اسے اس کے لوگوں کے پاس واپس کر دیا۔

ان میں سے پہلی یعنی اسماء بنت نعمان کا ذکر سہیلی
نے بھی روض الانف شرح ابن ہشام میں کیا ہے اور قسطلانی
نے مواہب لدنیہ میں اور زر قانی نے شرح مواہب میں
بھی عمرہ اور اسماء کے نام اسی حیثیت سے گناے ہیں یہ
سے زیادہ تفصیل طبقات میں ہے۔ ابن سعد نے کلابیہ اور جویہ
دونوں کے واقعات کو بسط کے ساتھ کئی صفحوں میں لکھا ہے۔
اور مختلف و متعدد روایتیں جمع کر دی ہیں۔ مضمون یوں ہی
بہت طویل ہوا جا رہا ہے ورنہ طبقات کی روایات اس
قابل تھیں کہ حرف بحرف نقل کی جاتیں۔ سب کا جزو مشترک

نفس واقعہ طلاق ہے۔ اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی مدارج النبوت میں ایسی ہی بسط و تفصیل سے کام لیا ہے سیر و طبقات سے گذر کر حدیث تک میں یہ ذکر موجود ہے۔

سنن ابن ماجہ میں باب متعة الطلاق کے زیر عنوان

ام المؤمنین صدیقہ روایت کرتی ہیں :-

عن عائشة ان عمرت بنت الجون تعوذت من رسول الله صلعم حين ادخلت عليه فقال لقد عذت بمعاذ فطلقها وامر اسامه وانسا فتها بثلاثة اثواب وازقيه - عمر بنت الجون - جب آنحضرت صلعم کے پاس (خلوت) میں لائی گئی تو اس نے اللہ کی پناہ مانگی۔ آپ نے فرمایا تو نے ایسے کی پناہ مانگی جس سے پناہ مانگی جاتی ہے پس آپ نے اسے طلاق دیدی۔ اور اسامہؓ یا اس کو حکم دیا تو انھوں نے اسے تین جوڑے سفید کتان کے دے کر رخصت کر دیا۔

سنن نسائی میں باب مواجہتہ الرجل المرأة بالطلاق میں

ہے کہ اوزاعی نے زہری سے ان بیوی کی بابت دریافت کیا جنھوں نے رسول اللہ صلعم سے پناہ مانگی تھی۔ تو زہری نے روایت ذیل بیان کی :-

عن عائشة ان الکلابیہ لما دخلت علی النبی صلعم

قالت اعوذ بالله منك فقال رسول الله صلعم
لقد عذت بعظیم الحق باهلک - حضرت عائشہ
فرماتی ہیں کہ زن کلابیہ جب رسول اللہ صلعم کے پاس غلوت
میں آئی تو کہا کہ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس
پر آپ نے فرمایا کہ تو نے بڑے کی پناہ مانگی - اب اپنے
والوں سے جا مل -

اور آگے بڑھیے امام بخاریؒ نے کتاب الطلاق میں
ایک مستقل باب اس عنوان سے باندھا ہے کہ من طلق
وہل بواجہ الہجل امرأۃ بالطلاق - باب اس
شخص کے بیان میں جس نے طلاق دی اور آیا مرد و عورت
کے رو برو ہی اسے طلاق دے ؟

اور اس کے تحت میں دو حدیثیں ایک حضرت عائشہ سے اور
دوسری ابو امیہؓ سے نقل کی ہیں - جن میں جو نیہ کا ذکر خاصی
تفصیل سے ہے اور واقعہ طلاق نبویؐ کو صراحت سے بیان
کیا ہے تفصیلات و جزئیات اور اختلافات جو بھی ہوں حضورؐ
کی نفس طلاق پر امام بخاریؒ کی بھی شہادت موجود ہے - پھر
نہوذ باللہ کوئی ”روشن خیال“ مسلمان یہ سمجھنے کی جرات کر سکتا
ہے کہ حضورؐ نے بھی ایسا فعل کیا جو حق تعالیٰ کو ناپسند و ناگوار
تھا ؟ -

ان تصریحات کے بعد یہ تو واضح ہو گیا ہوگا کہ مقصد صحیح کے ساتھ سب موقع و ضرورت طلاق وینا شریعت اسلامی میں بلاشبہ ملامت و کراہیت بالکل جائز و درست ہے۔ کلام مجید عمل رسول تعامل صحابہ سب اسی پر متحد ہیں۔ عقلیت و روشن خیالی بھی نفس طلاق یا تفریق میں ازواج کے مطلقاً نا درست ہونے پر کوئی دلیل اب تک پیش نہ کی گئی ہے۔ یہ رہ جاتی ہے کہ وہ مقاصد صحیحہ ہیں کیا کیا؟۔ اسباب طلاق ہونے کیا کیا چاہیے۔ طلاق کا قدم کن کن مواقع پر اور کن کن حالات کے درمیان اٹھانا چاہیے؟ نزاع و اختلاف کا اصلی میدان یہی ہے مختلف قوموں ملکوں کے عقائد کے دماغوں نے زور آزمائی اسی موضوع پر کی ہے۔ کسی قوم کے مقنین نے اتنی سختی کی کہ بھری بیوی کی حرام کاری کے اور کوئی صورت اُسے چھوڑنے کی جائز نہ رکھی۔ یہی وہ قومیں ہیں جن کے ہاں طلاق کا مفہوم سزا کے مترادف ہے اور کہیں کے اہل حل و عقد نے اتنی ڈاکھیل ڈال دی کہ مرد پر مطلقاً کسی قسم کی پابندی و ذمہ داری ہی نہیں رکھی۔ گویا بیوی مرد کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے کہ جب اس کا جی چاہے زمین پر اٹھا کر پیچ دے! اسلام کا قانون فاطر کائنات کا قانون ہے۔ فطرت بشری کا لحاظ اس میں ہوگا

تو اور کہاں ہو گا۔ شریعت نے دیکھا کہ طلاق علی نتیجہ ہے شوہر کی انتہائی بے رغبتی و ناپسندیدگی کا۔ اور رغبت، دلی پسند، التفات خاطر و تعلق قلب کے قوانین و ضوابط کوئی آج تک منضبط کر سکا؟ جس طرح عشق و محبت کے موجبات و محرکات بے شمار ہوتے ہیں اُسی طرح بیزاری و تنفر کے اسباب کا شمار و استقصاء بھی کسی کے بس کی بات نہیں۔ مختلف قوموں ملکوں اور زمانوں کے مذاق ایک دوسرے سے مختلف تو ہوتے ہی ہیں خود ایک ہی مقام کے افراد باہم کتنا اختلاف مذاق رکھتے ہیں۔ اسے بھی چھوڑیے ایک ہی فرد کا مذاق عمر، صحبت و عام حالات کے اعتبار سے کتنا بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے اُس نے اپنے ہاں اسباب طلاق کا ضابطہ یہ رکھا کہ سرے سے کوئی ضابطہ ہی نہیں رکھا اور وجوہ طلاق مطلقاً معین ہی نہیں کیے۔ یہ شریعت اسلامی کا کوئی نقص نہیں عین کمال ہے عیب نہیں ہنر ہے۔ امریکہ کی چھوٹی چھوٹی ولایت و یورپ کے چھوٹے چھوٹے ملک جو داخلی و اندرونی معاملات میں آزادی کامل رکھتے ہیں اس باب میں آج تک متحدہ نہو کے ہر ملک کا قانون اپنے ہاں کے لیے جداگانہ وجوہ طلاق رکھتا ہے اور انہیں پر زور دیتا ہے۔ اور اس پر بھی ان قوانین میں برابر دو بدل ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ عین ان

سطور کی تحریر کے وقت بھی ناروے و سویڈن کے ملکوں سے ایک جدید مسودہ قانون طلاق کی خبریں آرہی ہیں۔ جب ایک ہی زمانہ کی اور وہ بھی یکساں تمدن و معاشرت رکھنے والی قومیں اس باب میں ایک دوسرے سے متفق نہیں ہو سکتیں اور سب نے پسند و ناپسندیدگی کا معیار جدا جدا رکھا ہے تو اسلام تو عالمگیر مذہب ہے اور اس کا قانون ہر قوم ہر تمدن ہر زمانہ ہر ملک کے لیے ہے ظاہر ہے کہ وہ اسباب طلاق کا کوئی معین نظام و ضابطہ کیونکر رکھ سکتا تھا؟ اُس نے وہی کیا جو ایک عام و عالمگیر مذہب کو کرنا چاہئے تھا۔ اور محض عام ہدایات دے دینے پر قناعت کی۔

شرائط طلاق۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس نے مرد پر کوئی ذمہ داری نہیں رکھی اور اُسے آزاد و مطلق العنان چھوڑ دیا یہ عام ہدایات بجائے خود ایسی ہیں جو مفساد طلاق کی تمام تر مصلح ہیں اور اُن کا اگر لحاظ کیا جائے تو طلاق کی تلخیاں دنیا گواریاں تا حد بشر بالکل دور ہو کر رہیں۔ پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت اسلامی طلاق کی یہ ہے کہ طلاق کے وقت ادائے مہر شوہر کے ذمہ لازمی رکھا گیا ہے۔ کلام پاک میں تصریح ہے کہ جو مال عورت کا حق ہو چکا اُسے واپس لینا جائز نہیں ولا یحیل لکم ان تاخذوا مما تیتموهن شیاً (نفرہ ۱۶)

اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ طلاق دیتے وقت بیویوں سے اُس مال سے کچھ واپس لے لو۔ جو تم انہیں (بطریق مہر وغیرہ) دے چکے ہو۔ بعض لوگ اسی ڈر سے عورت کو طلاق نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں تنگ کر کے اور تکلیف دے دے کر قید نکاح میں پڑا رہنے دیتے تھے۔ ایسوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ (نساء ۲۴)
اور بیویوں کو اس لیے نہ روکے رکھو کہ جو کچھ انہیں مہر وغیرہ میں دے چکے ہو اُس میں سے کچھ حصہ واپس لے لو۔

اور مہر مقرر کرانے میں چونکہ عورت آزاد ہے اس لیے اُسے حق حاصل ہے کہ شوہر پر ایک طرح کی روک رکھنے کے لیے جتنا چاہے مہر مقرر کرالے۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا (نساء ۲۴)

اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم اُس بیوی کو انبار کا انبار مال (بطور مہر یا ہبہ) دے چکے ہو تو تم اُس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ دوسری جگہ اہم قید عدت کی لگائی ہے عدت کی مدت تین مہینہ کی رکھی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ طلاق رفتہ رفتہ تین مہینہ کے اندر اپنی نیکیاں کو پہنچے یہ نہ ہو کہ عورت دفعۃً قید نکاح سے باہر ہو جائے۔ وَالْمُطَلَّقَاتُ

يَتَرَقَّصْنَ بَانَفْسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (بقرہ ۲۸)

اور طلاق پائی ہوئی عورتیں اپنے کو انتظار میں رکھیں تین بار کے ایام ماہوار تک۔ دفعۃً واحدۃً تین طلاقیں بعض ائمہ کے نزدیک تو جائز ہی نہیں۔ حنفیہ کے ہاں ایسی طلاق کا کو قانونی نفاذ ہو جاتا ہے تاہم ناپسند اُن کے ہاں بھی کی گئی ہے اور یہ دکھانے کو کہ ایسی طلاق دینا مخالفت سنت کے گناہ کا مرتکب ہونا ہے اس کا نام تک طلاق بدعی رکھا ہے۔ (یہ تین ماہ کی مدت ایسی ہے کہ شوہر کو غور و فکر کا کافی موقع مل سکتا ہے اور ناگوارمی اگر کسی ہنگامی غصہ یا فوری اشتعال کا نتیجہ ہے تو باسانی دور ہو سکتی ہے)۔ تین مہینہ کی جدائی میں فریقین کو ایک دوسرے سے متعلق اپنے جذبات کا بھی صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ طلاق کا مسنون و پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ شوہر صرف ایک بار طلاق لے اور اگر چاہے تو تین مہینہ کے اندر اس سے رجوع کر لے اگر رجوع نہیں کیا تو یہی طلاق بائن ہو جائے گی یعنی اس کا نفاذ ہو جائیگا اور اب رجوع بجز دوسرے شخص سے نکاح کر لینے کے بعد ممکن نہیں رہے گا۔ ”قروء“ کا لفظ لا کر آیت میں یہ بھی بتلادیا کہ زمانہ عدت کا آغاز زمانہ طہر سے ہونا چاہئے۔ اور چونکہ عدت کا آغاز عین وقت طلاق ہی سے ہو جاتا ہے اس لیے تو یہ حکم یہ ہوتا ہے کہ طلاق جب دی جائے تو حالت طہر ہی میں ہو جب کہ

فریقین کے تعلقات زندہ و بیدار ہوتے ہیں۔ نہ کہ عورت کے اُس مخصوص زمانے میں جب کہ فریقین میں فی الجملہ علیحدگی سی ہوتی ہے بلکہ احادیث سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ حضور انور کو عورت کے زمانہ ناپاکی کی طلاق سخت ناپسند تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور حضور کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اُسی وقت اُن سے رجوع کرایا صحاح کی حدیثوں میں یہ روایت بقیصیل موجود ہے۔

پھر اگر اس تین ماہ کی مدت میں شوہر رجوع کر لے تو بہتر ہے۔ وبعولتھن احق برّ دھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحاً (بقرع ۲۸) اور اُن کے شوہر ہی اس مدت کے اندر انہیں لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اگر قصد اصلاح ہو۔ اتنی مدت کے بعد بھی اگر دینی ہوئی محبت نہیں ابھرتی تو معلوم ہوا کہ مزاجوں کی ناہمواری حد تدبیر سے باہر ہو چکی ہے۔ اور اب علاج اگر ہے تو علیحدگی ہی ہے۔ اگر قصد اصلاح ہو (ان ارادوا اصلاحاً) کی قید بڑھا کر واضح کر دیا کہ رجعت کا مقصد آئندہ کے لیے اصلاح حال اور سدھری ہوئی خوش و خرم زندگی ہونا چاہیے۔ تنگ کرنے یا تکلیف دینے کے خیال سے یا محض لوگوں کی شرما شرمی میں بلا قصد اصلاح رجعت کرنا نہ کرنا برابر ہو گا۔ اگر شوہر کا دل بالکل ہی ہٹ نہیں

چکا ہے اور آئندہ موافقت کی کوئی گنجائش باقی ہے تو اسکی ایک عملی صورت بھی ارشاد فرمائی گئی ہے :- **وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يَرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (نساء ۶)** اگر تم لوگوں کو میاں بیوی میں رنجش کا اندیشہ ہو تو چاہئے کہ ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر کر دو پھر اگر میاں بیوی موافقت چاہیں گے تو اللہ ان میں اتفاق پیدا کر دے گا۔ ”اگر میاں بیوی موافقت چاہیں گے“ (ان یسیرید اصلاً) کی قید یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔ یعنی اصل وارد مدار فریقین کی مناسبت فراج و توافق پر ہے۔ اگر محبت کی چنگاری بالکل جل کر بجھ نہیں چکی ہے بلکہ محض زیر خاکستر ہے تو باہر والوں کی کوشش سے پھر جھک اٹھے گی۔

جلد بازی کے علاج کے طور پر شوہر کو یہ بھی صاف سمجھا دیا گیا ہے کہ طلاق کا کلمہ زبان سے خوب سوچ سمجھ کر نکالے اس لیے کہ تیسری بار طلاق پڑ جانے کے بعد اب کوئی صورت اُس بیوی سے مراجعت کرنے کی باقی نہ رہے گی۔ سو اس کے رد کہ وہ بیوی کسی اور سے نکاح کرے اور پھر وہ شوہر بھی اسے **يَحْلِلُ** چھوڑ دے۔ **فَانْطَلَقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَاِنْ طَلَقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اِنْ بَعَثَا**

ان ظنان یقیناً حد و دالہ (بقرہ ۲۹) جب شوہر طلاق بائن دیدے تو وہ عورت اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی تا وقتیکہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ بھی اس طلاق دیدے تو کوئی حرج نہیں اگر وہ میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں۔ اگر انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور اب کی پھر نزاع و اختلاف حقوق کی نوبت نہ آنے پائے گی۔

جب میل و موافقت کی سب راہیں بند نظر آئیں اور چارہ گاہ طلاق ہی رہ جائے جب بھی حسن سلوک و حسن معاشرت کی بہر صورت وہ بہر حال تاکید ہے۔ الطلاق مرتین فامساک بمعرفہ او نسہا (بقرہ ۲۹) طلاق (جس کے اندر رجوع کرنا جائز ہے) دو مرتبہ ہے اس کے بعد پھر وہی صورتیں ہیں یا تو قاعدہ کے ساتھ واپس لے لینا اور یا خوش عنوانی کے ساتھ رخصت کر دینا۔ بقول حضرت مولانا تھانوی مدظلہ خوش عنوانی سے چھوڑنے کے لیے ضرور ہے کہ نیت بھی شرع کے موافق ہو یعنی رفع نزاع مقصود ہو۔ یہ قصد نہ ہو کہ اس کی دل شکنی کریں اس کو دلیل

لے اور حلالہ کے بعد زوج اول کے ساتھ نکاح ہو ناجب ہی ہے کہ ان کو حکم خداوندی کے قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال اور اس پر اتماد ہو۔ ورنہ ضرور نزاع باہمی اور آلتان حقوق کی نوبت آئیگی اور گناہ میں مبتلا ہوں گے (حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن)

کریں اس لیے نرمی و دلجوئی کی رعایت ضروری ہے (تفسیر بیان القرآن جلد ۱ ص ۱۲۲) اس کے بعد پھر تاکید ہے، 'وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلِّغْنَ أَجْلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَاهُونَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّلْعِتْدِ وَأُوْمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرع ۲۹)

اور جب تم طلاق دے چکے عورتوں کو اور وہ اپنی عدت کو پہنچنے لگیں تو یاروک لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو انھیں اسی طرح سے اور ان کو ستانے کے لیے نہ روکے رہو کہ ان پر زیادتی کرنے لگو اور جو کوئی ایسا کرے گا سو اپنی ہی جان پر ظلم کرے گا۔ سورہ طلاق میں ایک بار پھر ارشاد ہوتا ہے 'فَإِذَا بَلَغْنَ أَجْلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَادُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (طلاق ع ۱) جب ان عورتوں کی عدت ختم ہونے لگے تو انہیں یا خوش عنوانی کے ساتھ روک لو (یعنی بدستور اپنے نکاح میں رہنے دو) یا خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دو۔

سورہ بقرہ میں ایک جگہ مطلقہ عورتوں کی مختلف قسمیں کر کے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کر کے آخر میں ایک عام ارشاد ہر قسم کے مطلقات کے لیے ہوتا ہے۔ 'وَالْمُطَلَّقاتُ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (بقرع ۳۱) سب مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانا دستور کے موافق یہ حق ہے متقین کے اوپر۔ غرض

بار بار تاکید و تصریح ہے تو اسی کی کہ ظلم و زیادتی، اتلاف حقوق ہرگز نہ ہونے پائے (رشتہ نکاح جب تک قائم رہے تو اسی غرض سے کہ طرفین کی زندگی لطف و راحت سکون و اطمینان سے بسر ہو اور رشتہ نکاح اگر توڑنا پڑے جب بھی مقدم لحاظ اسی کا رہے کہ دفع ظلم، رفع نزاع، دفع شر ہو) ان حدود و اور ان قیود ان شرطوں اور ان حد بندیوں کے ساتھ بھی کیا طلاق کوئی ظالمانہ فعل کسی درجہ میں باقی رہ جاتا ہے؟ کیا اب بھی اسلامی طلاق کو منہ کے متراویٰ قرار دینا صحیح ہوگا؟ دنیا کا کوئی قانون اس سے زیادہ حکیمانہ اس سے بڑھ کر مصالح پر نظر رکھنے والا ہو سکتا ہے؟ ممانعت قطعی اگر کسی شے کی ہے تو بیوی کے ساتھ بدسلوکی کی۔ بیوی کو دکھ پہنچانے کی، بیوی کو جلانے، متانے، پٹانے کی۔ اُسے متعلق چھوڑ دینے کی اُس کے اوائل حقوق کی طرف غافل ہو جانے کی اور حکم موکد اگر ساری ازدواجی زندگی میں کسی شے کا ہے تو وہ عاشق و مہن بالمعروف کا حسن معاشرت کا، دفع و ملامت کا۔ اگر یہ صورت نکل ہو تو سبحان اللہ اگر حالات اسے ناممکن بنا دیں تو چھوڑتے اقرار ہی لیکن رہے بہر حال یہی۔ کیا ایسے منہ فنانہ ایسے مصلحانہ قانون کی نظیر دنیا کہیں پیش کر سکتی ہے؟

عدت، خصوصیت اسلام۔ زمانہ عدت کا تقرر اسلامی قانون کے مختصات میں سے ہے۔ آخری بحث یہ رہ جاتی ہے کہ شریعت نے اس مدت کے لیے کیا احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اور آغاز طلاق سے لیکر

تمکین طلاق تک عورت کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ ایک بیوی جو کل تک گھر میں بیٹھی ہوئی راج کر رہی تھی کیا وہ شوہر کی زبان سے کلمہ طلاق نکلتے ہی معاً گھر سے نکال دی جائیگی۔ اور اس وقت سے اُسے اپنی ضروریات زندگی کے لیے خود انتظام کرنے پر مجبور ہو جانا پڑے گا؟

اس کے جواب میں متعدد آیات قرآنی پہلے ہی گزر چکی ہیں جن میں تصریح و تاکید ہے کہ طلاق کے وقت بیوی کو نننگی بوجی کر کے نہیں بلکہ مہر کی رقم نیز بقدر وسعت کچھ اور سامان دے دلا کر اچھی طرح رخصت کرنا چاہئے۔ لیکن رخصت کرنے کے بھی یہ معنی نہیں کہ اُسی وقت گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ بلکہ کلام پاک میں تصریح ہے کہ زمانہ عدت عام حالت میں شوہر ہی کے مکان میں گزارنا چاہئے اور شوہروں کو حکم ہے کہ بلا وجہ خاص ہرگز گھر سے باہر نہ نکالیں۔ اِذَا طَلَقَ الْمَرْءُ الْمَرْءَ فَلَطْقُهُنَّ لِأَعْدَتِهِنَّ وَاحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ دَلَّكُمْ وَلَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (طلاق ۱۶) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کو یاد رکھو اور اپنے رب کا تقویٰ رکھو ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوا اس صورت کے کہ وہ کوئی کھلی بیچانی کر بیٹھیں۔ (اس صورت میں انھیں نکالنا جائز ہوگا) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔

جو شخص اللہ کے حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے۔ گویا جب تک کوئی صریح تصور نہ صادر ہو مطلقہ عورتوں کو تین مہینہ تک گھر میں رہنے دینا اُسی طرح ضروری ہے جس طرح منکوحہ بیویوں کے لیے ہوتا ہے۔ ذرا آگے بڑھ کر پھر اسی حکم کی تاکید ہے۔ اسکنوہن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروہن لتضیقوا علیہن (طلاق ع) مطلقہ عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔

من وجدکم کا لفظ سکنی سے گذر کر نفقہ پر بھی حاوی ہے۔ چنانچہ امام ابو منصور مازیدیؒ سے اس کی تفسیر یہ منقول ہے کہ مطلقہ عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں نفقہ اپنی حیثیت کے لائق دیتے ہو۔

لہ فاحشۃ مبینہ کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ ہر بڑی بُرائی خواہ اس کا غفلت قول سے ہو یا فعل سے فحش و فاحشہ کہی جاسکتی ہے۔ الفحش والفحشۃ اعظم قبہ من الافعال والا قوال (راغب) سلف سے اس موقع پر متعدد معنی منقول ہیں۔ مثلاً حرام کاری، بدزبانی، اہرمعصیت، شوہر سے گستاخی گھر سے باہر نکلنا۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول اُن کا ہے جنہوں نے یہ کہا کہ اس موقع پر فاحشہ سے مراد مطلقاً معصیت ہے اس لیے کہ فاحشہ کے معنی بھی ہر اہرمعصیت کے ہیں پس زنا سرقت، بدزبانی، اور گھر سے بزمانہ عدت باہر نکلنا یہ سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔

جصاص حنفیؒ اور ابن عربی مالکی نے بھی اپنے اپنے احکام اقوال اسی طرح کے متعدد معانی نقل کیے ہیں۔ فقہا حنفیہ میں (علاوہ جصاص کے) عینی شارح کنز نے بھی فاحشہ مبینہ سے یہی مراد لی ہے۔ کہ شوہر کے اعزہ سے بدزبانی کی جائے۔ اور انہیں تکلیف دی جائے۔ وهو ان تفحش علی اہل الہجر لہ فضل فوقہ ہم۔

قال الامام ابو منصور ما تريد من تأويل هذا الآية
اسكنوهن من حيث سكنتم وانفقوا عليهن من وجدكم
(کفایہ شرح ہدایہ)

اہل تفسیر میں سے صاحب معالم وصاحب خازن نے بھی یہاں
مسکن کے ساتھ نفقہ کو بھی شامل رکھا ہے اور ابن جریر نے سدی کا قول
بھی اسی معنی میں نقل کیا ہے۔ عن السدی قال المراتة يطلقها
فحليد ان يسكنها وينفق عليها۔ کہ جب عورت کو طلاق
دی جائے تو شوہر کے ذمہ اُس کا مسکن و نفقہ واجب ہے۔ اور رب
سے بڑھ کر یہ کہ خود عبد اللہ ابن مسعود کی ایک قرأت اس معنی کی تائید
میں مل جاتی ہے۔ يدل على صحة هذا التأويل قراءة ابن
مسعود وانفقوا عليهن من وجدكم (کفایہ شرح ہدایہ)۔
اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن مسعود سے اس آیت کی
قرأت یوں منقول ہے وانفقوا عليهن من وجدكم۔
ملك العلماء مسعود كاساني ودون قرأتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ
والاختلاف بين القراءتين لكن احدهما تفسير الاخرى بقول
عمر وجل والسادق والسادقة فاقطعوا يد يها وقراءة
ابن مسعود ايمانها وليس ذلك اختلاف القراء الا بل قرأ
تفسير قراءة الطاهر وكذا هذا (بدائع صنائع جلد ۳ ص ۲۱۴)
دووں قرأتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں بلکہ ایک قرأت دوسری

محض تفسیر ہے جیسے اس آیت میں السارق والسارقة فاقطعو
ایداً یسما من ابن مسعود کی قرأت ہے (یعنی چوری کر نیوالے اور کرنیوالی
دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو کے بجائے دونوں کے داہنے ہاتھ) یہ اختلاف
قرات نہیں بلکہ ابن مسعود کی قرأت شرح و تفسیر ہے مشہور قرأت کی ایسا
ہی اس موقع پر بھی ہے۔ مسکن کے حکم میں نفقہ کا حکم شامل ہی ہے
اس لیے کہ جب عورت مکان کے اندر رہے گی تو کچھ کمانہ سکے گی اب اگر
اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہ ڈالا جائے اور خود اُس کے پاس کچھ نہیں
تو سوائے اس کے کہ ہلاک ہو جائے یا سخت مصیبت میں پڑے اور کیا
نتیجہ ہوگا اور یہ جائز ہے نہیں۔

چنانچہ فقیہ ابن ہمام نے بھی آیت سے یہی مسئلہ نکالا ہے۔
فی قولہ تعالیٰ اسکنوہن الخ فان المارد انفقوا علیہن
وجد کم (فتح القدیر) آیہ کریمہ اسکنوہن الخ سے مراد یہی
ہے کہ مطلقہ عورتوں کو نفقہ اپنی حیثیت کے لائق دیتے رہو۔

کلام مجید کی ضروری تصریحات گزر چکیں۔ تلاش سے اور
بھی مل سکتی ہیں۔ دفتر احادیث اس متن کی شرح ہے۔ البتہ ایک
”اثر“ جو فاطمہ بنت قیس کا جو متعدد طریقوں سے مروی ہوا ہے
اس مضمون کا ہے کہ انہیں طلاق کے بعد حضور نے اُن کے شوہر سے
نفقہ و مسکن نہیں دلوا یا۔ بلکہ اُن کے لیے ایک دوسرے مکان
میں زمانہ عدت گزارنے کا انتظام فرمایا اور فقہاء شافعیہ نے اسی

حدیث سے استناد و احتجاج بھی کیا ہے۔ لیکن حنفیہ نے اپنی کتابوں میں اس کے معقول و شافی جوابات سوئے ہیں۔ اور سب سے زیادہ بسط و تحقیق کے ساتھ امام ابو جعفر طحاویؒ نے کہ وہ جس پایہ کے فقیہ تھے اُسی پایہ کے محدث بھی تھے اس مسئلہ پر شرح معانی الآثار میں گفتگو کی ہے۔ اور کنز کے بعض شارحین نے بھی تفصیل و اطناب سے کام لیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اول تو نفس روایت، اپنے مختلف طرق کے اختلافات و مناقضات کی بنا پر خود ہی مشتبہ ہے دوسرے یہ کہ اکابر صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ وغیرہم کے سامنے یہ روایت پیش ہوئی اور انہوں نے اس سے انکار کیا اور عمل اس کے خلاف کیا۔ تیسرے یہ کہ ان صاحبہ کا نفقہ و مسکن جو شوہر کے ذمہ سے ساقط کرایا گیا یہ استثنائی صورت انہیں کے قصور یعنی زبان کی تیزی کی بنا پر ہوئی نہ یہ کہ یہ کوئی عام قانون تھا۔

کیا اسکا کوئی بدل ہے؟ اب اسلام کی ساری تعلیمات طلاق کے بارے میں بقدر ضرورت پیش نظر ہو چکیں ان کے مطالعہ کے بعد اپنے دل کو ٹٹولیے اور اپنے ہی سے سوال کیجئے کہ استغفر اللہ عا دلائہ قانون کا بدل (نعم البدل نہ سہی محض بدل) دینا اب تک کسی گوشہ میں کسی دور میں پیش کر سکی ہے؟ اور جنہوں نے اس تعلیم کو بھی ظالمانہ کہہ کر پکارا ہے۔ حقیقۃً ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے۔

عِتابِ محبوب

عَتَابِ مَحْبُوب

صورتِ حال - صورت یہ ہوئی کہ ایک بار مکہ میں حضورؐ اپنی مجلس میں مصروف تبلیغ تھے کہ قریش کے بڑے بڑے زور آور اور مشکبر سردار، ابو جہل، شیبہ، امیہ، وغیرہم آنکے، اور اس مجلس میں بیٹھ گئے۔ اسلام سے بڑھ کر ظاہر ہے کہ حضورؐ کو کونسی شے عزیز ہو سکتی تھی؟ دن رات اُٹھے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ دُھن تھی تو اسی کی، تڑپ تھی تو اسی کی۔ ایسا موقع مل جانا حضورؐ کے نقطہ نظر سے غنیمت نہیں نعمت تھا ایسے موقع حاصل ہی کب ہوتے تھے؟ منکرین قریش، حضورؐ کی کوئی آواز اپنے کانوں تک آنے ہی کے کب روادار ہوتے تھے جتنی سرگرمی جس قدر انہماک، خیال میں آسکتا ہے، حضورؐ اس سب کے ساتھ انہیں کی طرف متوجہ تھے، خدا جانے کن کن آرزوؤں کے ساتھ کہ ان میں سے ایک تنفس بھی ایمان قبول کرے، تو اس کے ساتھ بیوں، پچاسوں، سیکڑوں اور مسلمان ہو جائیں! عین ایسے موقع پر ایک نابینا اور دجاہت دنیوی کے اعتبار سے ایک بالکل معمولی درجہ کے مسلمان، حاضر خدمت ہوتے ہیں، اور کچھ پوچھ پوچھ شروع کر دیتے ہیں۔ غریب کو کیا خبر کہ یہاں کون کون بیٹھا ہوا ہے۔ سرداران قریش کی ذہنیت کا

حال معلوم ہے۔ اپنے مرتبہ اپنی پوزیشن کے نشہ میں کس قدر چورستے تھے۔ بدر میں مقابلہ پر جب انصار (شرفائے مدینہ) آئے تو یہ کہکر لڑنے سے انکار کر دیا، کہ تم ہمارے برابر کے نہیں! چنانچہ نہیں لڑے، جب تک کہ مقابلہ میں خاندان قریش ہی کے مومنین صف آرا نہ ہو گئے۔ اسی بدر میں ابو جہل جب قتل ہونے لگا تو عین اُس وقت اپنے قاتل سے رحم کی درخواست نہیں کرتا، بلکہ پوچھتا ہے کہ تم ہو کون؟ اور جب جواب میں ان کا انصاری ہونا سنتا ہے، تو حسرت و یاس سے انہیں آخری لفظوں پر دم توڑتا ہے، کہ کاش میرا قاتل شرفائے مکہ میں سے کوئی ہوتا! افسوس کہ جان ایک کاشتکار کے ہاتھ سے جا رہی ہے! یہ تھی ذہنیت ان قریشی سرداروں کی۔ اُس ذہنیت کے افراد پر، جو اثر ان نابینا کے یک بیک آجانے اور (ان کے نقطہ خیال سے) تو دخل و معقولات شروع کر دینے کا پڑا ہوگا، وہ ظاہر ہے۔ حضورؐ سے بڑھ کر ان لوگوں کے ایمان لے آنے پر حریض اور کون ہو سکتا تھا۔ ٹھیک اسی نسبت سے حضورؐ پر تنغض و انقباض کا اثر ہونا بھی بالکل قدرتی تھا۔

اب آیت پڑھئے اور مفہوم، مقتضائے حال کی نسبت سے پوری طرح ذہن نشین کرتے جائیے۔

عبس و تولیٰ ان جملہ کلامی۔ نبیؐ اپنی مجلس خاص میں منعقب

ہو گئے اور بے اتفاقی برقی اس پر کہ ایک نابینا آوارہ ہوئے
اعلیٰ کا لفظ کسی تحقیر یا تعریض کے لیے نہیں، بلکہ یہ لفظ
لا کر گویا ان صحابی کی طرف سے صفائی پیش کر دی گئی، کہ ان
بیچارے کی یہ مداخلت، قصداً اور دانتہ نہ تھی !

تبلیغ کا اقتضاء۔ حضور انور اس موقع پر، اور ان حالات میں،
یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے، کوئی بھی مبلغ ایسے موقع پر ہوتا تو اور
کیا کرتا؟ کیا اُن بڑے بڑے سرداروں کے ایمان لانے کا
موقع یوں ہاتھ سے نکلے جاتے دیکھنے پر خوش ہوتا؟

فروع کا سوال۔ پھر وہ صحابی صاحب، زیادہ سے زیادہ
پوچھنا کیا چاہتے تھے خدا نخواستہ انھیں توحید میں شک تھا؟
رسالت میں شبہ تھا؟ وجود آخرت میں تردد تھا؟ مومن تو بھلا
وہ تھے ہی۔ جو کچھ بھی پوچھتے، دین کے فروع ہی کی کوئی
بات ہوتی، کہاں کسی کو دین کے اندر کوئی فرعی عمل بنانا
اور کہاں کفار کے کسی رئیس، یا چند روسا کو دائرہ اسلام
میں لانا! دونوں کی اہمیت کا کوئی مقابلہ ہو سکتا تھا؟ چہ جائیکہ
جب وہ چند کافر، چند سو کے لیے ذریعہ ہدایت بن سکتے تھے !
نبی سے کمتر ضبط رکھنے والا کوئی دوسرا مبلغ ہوتا، تو یہ وقت

تو وہ تھا، کہ بے اختیار جھجلا اٹھتا۔ حضور خود بھی اگر اس گھڑی
قولی یا فعلی، کوئی، سختی یا تشدد برتتے، جب بھی فطرت بشری

کے لحاظ سے بالکل حق بجانب ہوتا۔ نہیں فطرت بشری ہی نہیں، فطرت نبوی کے بھی عین مطابق ہوتا، راہ تبلیغ میں رُکاوٹ دیکھتے، کون نبی ایسا تھا، کہ اللہ ہی کے واسطے اللہ ہی کے دین کے واسطے جوش سے نمتانہ اُٹھتا؟ — لیکن یہاں کمالِ حلم سے یہ بھی تو نہ ہوا۔ اور معاملہ صرف عدم التفات اور چینِ جبین پر ختم ہو کر رہا! اور وہ صاحبِ ٹہرے آنکھوں سے معذور۔ انھوں نے دیکھا ہی نہیں، اس لیے ان کی کچھ زیادہ دشمنی بھی نہ ہونے پائی۔

غرض مبلغِ اعظم نے جو بھی کیا، اس موقع پر کوئی بشر یہاں تک کہ پیمبر بھی اس سے زیادہ، اور اس کے سوا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن اب انکی سُنئے، جو بشر نہیں، خالقِ بشر ہیں اور جن کے لیے انسانی غیب، اور شہادت "دونوں ایک حکم میں ہیں فرماتے ہیں، اور ان کا فرمانا، بشری دماغ کی تشریح کے مطابق سمجھتے جائیے :-

وما یددیٰک لعلّٰہ یزکی - اے پیغمبر آپ کو غیب کی کیا خبر؟ ممکن تھا کہ ہمارے علمِ غیب میں یہی مقدر ہوتا، کہ وہ صحابی آپ کی اُس وقت کی توجہ و التفات سے پوری طرح نکھر جاتے! اب بکھرے ہوئے تو تھے ہی، اب پوری طرح منور کیا۔ کمالِ تزکیہ حاصل کر لیتے۔

اویذ کہ فتنفعہ الذ کہی - یا یہی ہوتا کہ وہ جو خاص چیزیں
آپ سے دریافت کرنے آئے تھے، اسی میں آپ کی نصیحت
پوری طرح کارگر ہو جاتی، اسی باب خاص میں انھیں پوری
تشفی ہو جاتی !

اجتہاد نبوی صحیح یقیناً نہیں قرار پایا۔ لیکن کس معیار
سے؟ کسی بشری، انسانی، طبی، فلفلی، یہاں تک کہ پیمبری
معیار سے بھی نہیں؛ محض خدائی، الہی، فوق البشری عالم الغیبی
معیار سے !

ارشاد ہوتا ہے کہ آپ کا اجتہاد بجائے خود بالکل صحیح
مرض کی اہمیت یقیناً انہی کفار کی بہت بڑھی ہوئی تھی، لیکن مسئلہ
کا دوسرا رخ بھی تو تھا۔ نظر اُدھر کرنی چاہئے تھی سرداران
قریش کا مرض لاکھ اہم سہی، یہ بھی بالکل درست کہ ہر طبیب،
زکام کے مریض سے کہیں پیشتر ہیضہ ہی کے مریض پر توجہ کرے گا،
لیکن پھر یہ بھی تو ہے، کہ وہ بدبخت طالب علاج تھے کب؟
ساری کبھی لفظ

اما من استغنی فانت له تصدی - استغنی سے، وہ
اپنے کو مریض اور محتاج علاج سمجھ ہی کہاں رہے تھے؟
اب تو الٰہی آپ سے نفرت و وحشت کر رہے تھے، طلب حق نے
مبیزا رہے، آپ کے پاس سے ہٹنے اور بھاگنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے،

اور آپ انہیں کی طرف لیے جاتے تھے حق تعالیٰ کی غیرت اسے گوارا نہیں کر سکتی۔ ایمان لائیں نہ لائیں خود ہی بھگتیں گے۔ یہ بالکل درست کہ مبنی و منشاء آپ کے اس عمل کا، آپ کی فرض اصلاح و شفقت علی الخلق ہی تھی۔ لیکن اثرات تبلیغ کے ترتیب و وقوع کا اس درجہ اہتمام آپ کے ذمہ ہے کب؟ آپ کا کام صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ وہ نہیں سُننے تو۔
وما علیک الا یزگی۔ آپ کو کیا۔ نتائج و ثمرات تو نماز ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ وہ نہ مائیں آپ کی بلا سے۔ آپ پر ان کے نہ ماننے کا کیا الزام؟ اور آپ کیوں اس فکر میں پڑے اب رہا وہ دوسرا شخص جس سے آپ نے بے التفانی برقی، اس کا مرض لاکھ ہلکا سہی اور اس پر ضرورت توجہ اس حیثیت سے اور اسی نسبت سے، ہزار مؤخر۔

واما من جاءک بسیعی وھو یحشی فانت عنہ تلھمی لیکن یہ بھی تو خیال کیجئے، کہ وہ طلب صادق کے ساتھ امید شفاء لے کر، اپنے کو مریض اور آپ کو طبیب سمجھ کر دوڑا ہوا آیا تھا۔ اُس کے دل میں اعتراض نہیں، اللہ کا ڈر تھا وہ نسخہ شفا آپ سے مانگنے آیا تھا۔ کیا اب بھی وہ مستحق توجہ نہ تھا؟ اس کا حق راجح نہ تھا؟
خیر یہ واقعہ خاص تو گزر ہی چکا۔ آئندہ ایسا نہ ہوئے۔

خوب متحضر رکھے کہ۔
 کلام انتہا تذکرہ فنِ شاعرِ ذکور۔ کلام مجید زبردستی کسی
 کے سر پر چکنے کی چیز ہی نہیں محض نصیحت کی کتاب ہے۔ جس کا
 جی چاہے، اسے ہنسی خوشی قبول کرے جو ادھر نہ آنا چاہے
 وہ آپ بھگتے گا۔

اس کے آگے بھی کچھ دور۔ کلام مجید ہی کے خصوصیت
 کا بیان چلا گیا ہے لیکن جو سوال تھا، اس کا جواب ختم ہو چکا
 ان توضیحات و تصریحات کے بعد نبی کریم صلعم کا طرز عمل بحمد اللہ
 بالکل شفاف بے غبار نظر آنے لگا، اور کم از کم اس باب
 میں ذہن کو کوئی الجھن باقی نہیں رہی۔

میلادی روایات

میلادِ نبویؐ روایا

بعض پچھلے نمبروں میں بہ ذیل مراسلات، میلادِ نبویؐ روایات کی صحت و عدم صحت پر کچھ گفتگو آچکی ہے، آج کی صحبت میں پھر اس پر ایک نظر کرنا ہے۔

کلام مجید میں ذکر متعدد انبیاء کرام کا آتا ہے، لیکن صرف چند انبیاء کرام اور ان کے متعلقین ہیں، جن کی پیدائش یا ولادت کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس مختصر فہرست میں سب سے پہلے نام حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ کی پیدائش خوارقِ عادت کا ایک مجموعہ تھی، اور فطرت کے عام دستور کے بالکل مخالف ہوئی، بادل تو آپ کو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا کیا گیا، پھر فرشتوں سے آپ کی تعظیم کرائی گئی، اور جس مخلوق نے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا وہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گیا۔ آپ کو تمام اسماء کا علم کرا دیا گیا، آپ کی پیدائش سے قبل فرشتوں سے خاص طور پر گفتگو فرمائی گئی۔ اور پیدائش کے بعد ہی فرشتوں کے علم کا آپ کے علم کے مقابلہ میں امتحان لیا گیا، جس میں آپ کو کامیابی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا سلسلہ واقعات عام انسانوں کی پیدائش کے قبل و بعد وجود میں لاتے رہنے کا دستور نہیں۔ زوجِ آدمؑ حضرت حواؑ کی پیدائش کے بابت کوئی تصریح کلام مجید میں وارد نہیں، لیکن اس قدر

ہے کہ **وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** (اُسی نفس واحد یعنی آدم سے اُس کے زوج کو پیدا کیا)، اور اکثر مفسرین مثلاً امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر، قاضی بیضاوی وغیرہم نے قتادہ، سدیی، وابن عباس کے حوالے دے کر یہ معنی لکھے ہیں، کہ آپ کی پیدائش حضرت آدم کی پسلی سے ہوئی۔ یہ معنی بالکل صحیح ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنا اشارہ تو کلام مجید سے بھی ہوتا ہے، کہ آپ کی پیدائش فطرت کے عام دستور سے ہٹ کر کسی اور طریق پر ہوئی تھی۔

حضرت اسحقؑ کی ولادت کے سلسلہ میں کلام مجید سے ثابت ہے کہ بشارت دینے فرشتے انسان کی صورت میں مرنے ہو کر آئے، جنہیں آپ کی والدہ نے، جو نبی نہ تھیں دیکھا، اور اُن سے گفتگو کی، اور اُن فرشتوں نے انھیں حضرت اسحقؑ کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کی بھی بشارت دی، اور اُن کے دل کو تسلی اور ڈھارس دی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر، انکی والدہ پر، باوجود اُن کے نبی نہ ہونے کے، وحی نازل ہوئی۔ اُن کے دل کو تسلی و تسفی دی گئی، حضرت یسویٰ کی حفاظت کا ایک خاص طریقہ بتایا گیا، اُن کے محفوظ رہنے اور آئندہ پیغمبر بننے کا علم جو اب تک پردہ غیب میں تھا، اُن کی والدہ کو عطا کیا گیا۔ پھر سمندر میں ڈالے جانے کے بعد بحرِ انہ

انداز سے آپ کی پرورش فرعون و اہل فرعون سے کرائی گئی، اور رضاعت پر آپ کی والدہ ماجدہ ہی کو مقرر کرایا گیا۔ یہ ساری تصریحات کلام مجید ہی میں ہیں، احادیث میں اور زائد تفصیلات موجود ہیں۔ یہ سارے واقعات خوارقِ عادت ہیں یعنی فطرت کے عام دستور کے خلاف ہیں۔

حضرت یحییٰؑ کی ولادت اُس وقت ہوئی، جب آپ کے والد ماجد اپنے کو بوجہ ضعیفی تولید کے ناقابل اور آپ کی والدہ کو عقیمہ سمجھ چکے تھے۔ پھر اس مبارک ولادت کی بشارت فرشتوں نے پکار پکار کر دی۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت تو ایک مجموعہ عجائب ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کا بغیر کسی مرد کے حاملہ ہو جانا، باوجود نبی نہ ہونے کے فرشتوں کا آپ سے گفتگو کرنا، اور اپنے بطن سے ایک نبی مرسل کے تولد ہونے کی بشارت ملنا، وضع حمل کے وقت ایک چشمہ کا جاری ہو جانا، تازہ پھلوں کا خود بخود آکر گرنا، پھر حضرت مسیحؑ کا بچپن ہی میں بولنے لگنا، اور اپنی والدہ مکرمہ کی پاکدامنی کی شہادت دینا ہر واقعہ بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ خود حضرت مریمؑ کے پاس اپنے بچپن میں بغیر کسی ظاہری ذریعہ کے کھانا پہنچ جانا قرآن ہی میں درج ہے۔ اور احادیث میں خوارقِ عادات کے مزید جزئیات مل جاتے ہیں۔

بہر حال اللہ کے جتنے نیک اور برگزیدہ بندوں اور بندوں کی پیدائش کا ذکر کلام مجید میں ہے، اُن سب میں یہ امر مشترک ہے، کہ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش کے وقت، یا قبل، یا بعد، کچھ خوارقِ عادت کا ظہور ضرور ہوا ہے، یعنی ایسے واقعات برابر پیش آئے ہیں، جنہیں انسان اپنے محدود تجربہ میں، فطرت کے عام دستور کے خلاف پاتا اور سمجھتا ہے۔ خصوصاً ماؤں کو غیبی بشارتیں ملنا، تو حضرت مسیحؑ، حضرت موسیٰؑ، اور حضرت اسحاقؑ، تینوں کی ولادتوں کے متعلق اور فرشتوں کا مرئی ہو کر آنا، حضرت مریمؑ اور حضرت سارہؑ دونوں کے متعلق (بادجو) ان کے نبی نہ ہونے کے ثابت ہے۔ پھر اگر رسولوں کے سرکار اور پیغمبروں کے سرتاج کی ولادت کی بشارتیں فرشتوں نے پکار پکار کر دی ہوں، اگر اس آفتاب کے طلوع پر عالم ملکوت میں غلغلہ شادمانی و مسرت برپا ہوا ہو، اگر اس نور مجسم کی والدہ ماجدہ کے لئے بعض انوار غیب مرئی ہو گئے ہوں، اگر اس خوش نصیب و قابل رشک خاتون کے شہود میں بعض لطائفِ ملکوت لے آئے گئے ہوں، تو کیا کسی مسلمان کو اس پر حیرت ہونی چاہئے؟ کہا جاتا ہے کہ صحیح حدیثوں میں ان عجائب و خوارق کا ذکر نہیں، جو عموماً میلاد ناموں میں درج ہیں۔ حدیثوں میں ان واقعات کا ذکر تو کثرت سے ہے، اس سے کسی گروہ کو بھی انکار نہیں۔

بحث صرف یہ رہ جاتی ہے، کہ آیا یہ احادیث صحیح و قابل استناد بھی ہیں، یا ضعیف و موضوع؟ اس کے جواب کا حق عوام کو نہیں، بلکہ صرف ماہرین فن کو ہے، 'قانون'، 'طب'، 'فلسفہ'، 'ادب'، 'دنیا کے ہر علم و فن کی طرح فن حدیث بھی ایک مخصوص فن ہے۔ اور حدیثوں کا پرکھنا، صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا، صرف انہیں بزرگوں کا کام ہو سکتا ہے، جنہوں نے مخصوص اس فن کی تحصیل و تکمیل میں اپنی عمریں صرف کی ہوں، اور جن کا محدث و نقاد حدیث ہونا اہل فن کو مسلم ہو۔

یہ سچ ہے، کہ بعض محدثین نے ان میلاد می روایات کی تضعیف کی ہے، لیکن جن بزرگوں نے انہیں قبول کر کے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے، اور ان سے استناد کیا ہے، ان کا علم و فضل، ان کا تجربہ و دائرہ نظر بھی کچھ کم قابل احترام نہیں۔ ایسی حالت میں ہم عامیوں کے لئے ان روایات سے یکسر انکار کر بیٹھنا کہاں تک زیبا ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ دورِ متاخرین میں شائد محدثین کے سرتاج ہوئے ہیں، کتب میلاد کی تصنیف میں آپ کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے، لیکن خود شاہ صاحب نے جو فارسی میلاد نامہ تالیف فرمایا ہے، اُس میں ان روایات سے انکار نہیں، بلکہ بعض کا اندراج موجود ہے۔ فرماتے ہیں:-

شب ولادت آنحضرت صلعم در حرکت آمد کو شک کسری
تا آنکہ شنیدہ شد آواز وے و افتاد از آنجا چارہ کنگرہ و ببرد
آتش فارس و غرہ بود پیش از اں ہزار سال و خشک شد چشمہ
ساوہ (سرور المحزون، ص ۱، مجتبیٰ دہلی)

آنحضرت صلعم کی شب ولادت کسری کے محل میں لرزہ پڑا
جس کی آواز سنی گئی، اور اُس کے چودہ کنگرے گر گئے، اور
آتش فارس جو ایک ہزار سال سے برابر روشن تھی بجھ گئی اور
چشمہ ساوہ خشک ہو گیا۔

یہ روایتیں عام طور سے میلادناموں میں بیان کی گئی ہیں
اور شاہ صاحبؒ کا انھیں قبول کر لینا ہم عایوں کے لئے کافی
تشفی بخش ہو جانا چاہیے۔

آج سے ساڑھے تین سو سال قبل، ہندوستان کے ایک
اور فاضل، حضرت شاہ عبدالحق دہلویؒ بھی فن حدیث کے ایک
ممتاز و مستند عالم گزرے ہیں، آپ کا ایک رسالہ عربی میں
ماثبت بالسنۃ کے نام سے ہے، جس کا موضوع اس کے نام
سے ظاہر ہے۔ اس رسالہ کے ص ۳ سے لے کر ص ۸ تک میلادِ نبیؐ
کے سلسلہ میں جو جو عجائب و خوارق عام میلادناموں میں مذکور
ہیں، تقریباً سب کے سب درج ہیں۔ مثلاً قریش کا پہلے سے
خشک سالی میں مبتلا ہونا اور آنحضرت صلعم کے قرب ولادت کی

برکت سے کھیتوں کا سرسبز ہو جانا، حضورؐ کی والدہ ماجدہ کو حمل کی گرانی نہ محسوس ہونا، ہر مہینے رو یا میں بشارتیں ملتے رہنا، وضع حمل کے وقت نورانی پرندوں کا نظر آنا، فضاء میں بیویوں کا چاندی کے لوٹے لے ہوئے دکھائی دینا، زمین کے مشرق و مغرب کے انتہائی سرے تک نظر کے سامنے آ جانا، ایک علم کا مشرق میں، ایک علم کا مغرب میں، اور ایک علم کا پشت کعبہ پر نصب ہونا، ایوان کسریٰ میں زلزلہ پڑنا، اور چودہ ستونوں کا گر جانا، آتش عجم کا ہزار سالہ روشنی کے بعد بجھ جانا وغیرہ وغیرہ، اور پھر کچھ یہ نہیں، کہ اس رسالہ میں رطب و یابس سب ہی کچھ جمع کر دیا گیا ہے، بلکہ عجائب و خوارق میلاد کی ابتداء میں محقق مصنف نے تصریح کر دی ہے کہ اس میں صرف وہی اخبار درج کئے گئے ہیں، جو روایات احادیث کے مسلم و متعارف طریقوں سے صحیح ثابت ہو چکے ہیں! و اور دنا من الاخبار ما در و صحیح من الطرق المتعارف فی رواۃ الاحادیث (ص ۲ نولکثوری) اور صرف اسی رسالہ میں نہیں بلکہ سیرت نبویؐ پر مدارج النبوة کے نام سے حضرت شیخؒ کی جو مشہور کتاب فارسی میں ہزار ڈیڑھ ہزار صفحے کی ضخامت کی ہے، اس میں بھی ان واقعات کو اور زیادہ تفصیل کے ساتھ دوہرایا ہے (جلد دوم، ص ۱۵۳ تا ۱۵۴ مطبوعہ فخر المطابع السالطیہ) حضرت شیخؒ کا

ان روایات کو نقل کرنا اور ان کی تصحیح، توثیق کرنا۔ کسی عامی کا نقل کرنا نہیں۔

ان دونوں بزرگوں سے بھی بڑھ کر شہادت قاضی عیاض مالکی کی ہے، جو پانچویں اور چھٹی صدی کے ایک نامور محدث اور صحیح مسلم کے مشہور شارح گزرے ہیں اور فن حدیث میں اُن کا یہ مرتبہ ہے، کہ بخاری و مسلم کے مشہور شارحین، امام نووی، علامہ ابن حجر وغیرہ سب ان سے استناد کرتے ہیں، ان کی کتاب، الشفافی تعریف حقوق المصطفیٰ کی بابت صاحب کشف الظنون کہتے ہیں وہو کتابٌ جلیلٌ عظیم النفع کثیر البرکۃ لم یؤلف مثله فی فنہ فی الاسلام۔ اور شاہ عبدالغزیز محدث دہلویؒ۔ اس کتاب از عجائب کتب مصنفہ میں باب است وخیلے مقبول افتادہ۔۔۔۔۔ ”و درجت آں کتاب علماء و شعراء اطالست مدح و ثنا نمودہ اند“ (بنا الحیثین منہ ۱۳ ص ۱۲۹ مطبع محمدی لاہور) اس کتاب جلیل کی جلد اول کی ”قسم رابع“ کے آخر میں ایک مستقل فصل، آیاتِ وقت و ولادت مبارک پر ہے۔ اس کے الفاظ ذیل ملاحظہ ہوں :-

ومن ذلک ما ظهر من الایات عند مولدہ وما حکمہ اُمّہ ومن حضرہ من العجائب وکونہ درافعا ولسد عند ما وضعتہ شاخصا ببصرہ الی السماء

وما رآته من النور الذي خرج معه عند ولادته
وما رآته اذ ذاك امر عثمان ابن ابی العاص من تدي
البحوم وظهور النور عند ولادته حتى ما تنظر الا
النور... وما جرى من العجائب ليلة مولدك صلعم
من ارتجاج ايوان كسرى وسقوط شرفاته ونحوض
بحيره طيرية وحمودنا فارس كان لها الف عالم محمد
اور اسی طرح کے سجزات میں وہ آیات و عجائب بھی ہیں جو آپ کی
ولادت کے وقت ظاہر ہوئیں اور جنہیں آپ کی والدہ نے اور ان
لوگوں نے بیان کیا جو وہاں موجود تھے۔ اور وہ یہ ہیں کہ جب آپ
دنیا میں ظاہر ہوئے، تو آپ اپنا سر (گویا دعا کے لئے) بلند کیے
ہوئے تھے، اور آسمان کی طرف نظر فرما رہے تھے۔ نیز وہ امر جے
عثمان بن ابوالعاص کی والدہ نے دیکھا تھا کہ آپ کی ولادت
کے وقت تارے جھک کر آپ سے قریب ہو گئے تھے، اور آپ
ایک ایسا نور عظیم ظاہر ہوا کہ ان کو کچھ نظر نہیں آتا تھا بجز اس
نور کے.... اور جو عجائب آپ کی شب ولادت میں ظاہر ہوئے
مثلاً ایوان کسری کا زلزلہ اور اس کے ستونوں کا گر پڑنا، اور
بحیرہ طیریہ کا خشک ہو جانا، اور آتش عجم کا جو ہر سال سے روشن
تھی بجھ جانا۔

یہ شہادتیں ان بزرگوں کی تھیں جو حدیث و سنت کی پرکھ

رکھنے والے اور فن حدیث کے جاننے والے تھے۔ اُنھوں نے ان روایات کو رد نہیں کیا، بلکہ قبول کر کے اپنے صفحات میں جگہ دی۔ باقی جن محدثین کرام نے اول بار ان روایات کو شائع کیا، اور اپنے مجموعہ تالیفات میں جگہ دی، یعنی بیہقی و حاکم، ابونعیم و طبرانی، وغیرہم۔ ان میں کوئی بھی کذب و غلط بیانی کے ساتھ متہم نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ ان بزرگوں کا معیار روایت اس قدر بلند نہیں، جتنا بخاری و مسلم وغیرہ کا تھا۔ یہ ہرگز مقصد نہیں، کہ ان روایات کو جزو دین بنا لیا جائے، اور ان کے رد و قبول کو کفر و اسلام کا معیار قرار دے دیا جائے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی زیادتی ہے کہ ان روایات کو سرے سے ناقابل قبول سمجھ کر ان سے یکسر انکار کر دیا جائے اور اس انکار کو اپنی تحقیق و روشن خیالی کی دستاویز قرار دیا جائے۔!

حریف کی داد و تحسین! ”ترک قابل مبارک باد ہیں کہ اُنھوں نے

اپنی زبان کے لئے عربی کے قدیم دستروک رسم الخط کو چھوڑ کر لاطینی حرف اختیار کر کے۔ ”ترک صدیوں تک یورپ میں اجنبی اور پردیسی سمجھے گئے

اب وہ ترقی یافتہ قوموں کا رسم الخط اختیار کر کے ہمیشہ سے کہیں زائد

یورپ کے قریب آگئے ہیں! یہ اصلاح حقیر اور معمولی نہیں۔ یہ بہت

بڑی اصلاح ہو گئی، اور یہ اصلاح وہی بڑا شخص کر سکتا تھا جس کے

ہاتھ میں اس وقت ترکوں کی قیمت کی باگ ہے ”(ٹائمس لندن، ۱۳ مئی ۱۹۰۷ء)

یہ لندن کے مشہور روزنامہ اور انگریزی قوم کے رب سے زیادہ

رعب دار اخبار ٹائمس کے ایک بڑے مضمون کا خلاصہ اقتباس ہے، جو ۳۱ اگست کے ایڈیٹوریل صفحات میں شائع ہوا ہے۔ ترکوں نے ترکی رسم الخط کو (جو عربی و فارسی و اردو رسم الخط بھی ہے) چھوڑ کر اپنے جنون اصلاح میں جو فرنگی حروف تحریر کو اپنا رسم الخط بنا لیا ہے، اور جس کی تفصیلات روزانہ اخبارات میں بکثرت آچکی ہیں، یہ اُس ”اصلاح“ پر دربار فرنگ سے وادہ لہی ہے، یہ اس ”تجدد“ پر یورپ کی سرکار سے انعام مل رہا ہے! ارشاد ہو رہا ہے کہ اب تمھاری ترقی اور تمھارے کمالات میں کیا شبہ رہ سکتا ہے، اب تو ”تم“ ”ہم“ سے نزدیک اور ”اپنے“ سے دُور ہوئے جاتے ہو! اکبر مرحوم نے شاید کچھ اسی طرح کا نظر دیکھ کر کئی سال ہوئے فرمایا تھا۔

رقیب سٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم
یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اولیٰ

مگر اب ان غیرتمند عاشقوں کا زمانہ نہیں، اب تو رقیب کی زبان سے سٹیفکٹ عطا ہونا خوش نصیبی کی معراج اور فخر کا اوج کمال ہے!

ناک کا داغ

۲۵۴ ناک کا داغ

نظام عالم کو قائم کئے ہوئے بیشمار مدت گزر چکی ہے، دنیا اپنی انہیں نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے ساتھ ایک بحیاب زمانہ سے آباد ہے، بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیادیں پڑ چکی ہیں، نامی گرامی حکمران پیدا ہو چکے ہیں، نامور کشور کشا گزر چکے ہیں، یہ سب کچھ ہے، لیکن ”علم“ اور ”تمدن“ کا جو مفہوم آج سمجھا جا رہا ہے اُس سے انسانی دماغ ابھی تک نا آشنا ہے۔ دنیا مختلف قوموں میں بٹی ہوئی ہے، اور زمین مختلف اقلیموں میں بھٹی ہوئی ہے ہر قوم دوسری سے بیگانہ، ہر ملک دوسرے سے اجنبی۔ آمد و رفت کے وسائل محدود، رسل و رسائل کے ذرائع دشوار، اُپنی اپنی تعلقات بمنزلہ صفر۔ لکھے پڑھے ہوؤں کی تعداد ہر ملک میں قلیل۔ کتابوں کی یہ فراوانی جو آج ہے، کسی کے دہم و گمان میں بھی نہیں۔ گویا ہر ملک، دوسرے ملکوں سے بے نیاز و بے تعلقی بجائے خود ایک مستقل عالم تھا، اسی لئے قدرتِ تبارہ ملک کے لئے ایک جداگانہ ہادی، اور ہر قوم کے لئے ایک علیحدہ داعی۔ لیکن اب محاسب قدرت کے اندازہ میں وہ وقت آجاتا ہے، جب ہر ملک کے ڈانڈے دوسرے سے مل کر رہیں گے، ہر قوم دوسری قوم سے تعلقات پیدا کرے گی، بیگانگی و بے تعلقی

کی جگہ ایک سخت قسم کی دوستی یا دشمنی لے گی۔ ملکوں کی ایجاد
 دور دراز سفر کو آسان کر دے گی، آلات کی مدد سے مشرق کی
 خبر دم کی دم میں مغرب تک پہنچ جائے گی، چھاپہ کی ٹھیک نقوش
 کا غنمی کے خزانے اُگلنے لگیں گی، اور کتابوں کے لکھنے والوں
 کی تعداد شاید پڑھنے والوں سے بھی بڑھ کر رہے گی!

محاسب فطرت کا اندازہ۔ محاسب فطرت کے اندازہ میں
 جب کائنات اپنی عمر کی اس منزل تک پہنچ جاتی ہے، جب
 دنیا اپنی پختگی و تکمیل کا یہ درجہ طے کر لیتی ہے، جب یہ گھڑی
 آ جاتی ہے، تو اس ملک میں جو اور سب ملکوں سے زیادہ علم
 اور اُجڑ تھا، اُس سر زمین پر جہاں علم و حکمت، تمدن و شائستگی
 کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا، اُس فضا میں جس نے نہ کوئی ارسطو
 پیدا کیا تھا، نہ کوئی جالینوس۔ نہ کوئی ہومر پیدا کیا تھا نہ کوئی
 کالی داس۔ اُیتوں کے خاندان میں، ان پڑھوں کے گھرانے
 میں، ایک یتیم اُمتی اُٹھا کھڑا کیا، کہ اپنے ملک و قوم ہی کو نہیں
 بلکہ ساری انسانی آبادی کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلاتا
 ساری دنیا کے بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ دکھا، تارے بہت سے
 نکل چکے، شب انسانیت بسر ہونے کو آئی، اب تو مطلع کائنات
 پر آفتاب بن کر طلوع ہو، عامی و عالم، جاہل و حکیم، گورے اور
 کالے، مشرقی اور مغربی، نادان و دانایا، رب کے ظلمت کدوں

اپنی نورانیت کے پرتو سے روشن کر دے، عصاے موسیٰ، دُعمیٰ
 تحتِ سلیمان، نارِ ابراہیم، صنِ یوسف، وغیرہ کے سارے معجزات
 جو مخصوص ملکوں اور مخصوص قوموں کے مقابلہ میں پیش کیے جاتے
 تھے، ختم ہو چکے، اب زمانہ نئی کر دے رہا ہے، تیرے جلو
 میں وہ معجزات ہوں گے جو آفتاب سے بڑھ کر روشن ہوں گے!
 تو اُمّی ہے، اور دُنیا اب کاغذی نقوش پر جان دیگی، تو اُن پڑھنے
 اور دُنیا اب قدر صرف اسکولوں اور کالجوں، یونیورسٹیوں اور
 اکاڈمیوں کی ہوگی، تو خط نہیں لکھ سکتا، اور دُنیا میں اب پرش
 صرف ڈگریوں اور ڈپلوموں امتحانوں اور کتب خانوں کی ہوگی،
 لیکن ہماری قدرتوں کا اعجاز، اور ہماری کار فرمایوں کا تماشا
 دیکھنا، کہ یہی قلم اور یہی دوات، یہی کاغذ اور یہی سیاہی، یہی
 علوم اور یہی فنون، ن، وَالْقَلَمُ وَمَا يَسْطُرُونَ
 یہی کتب خانے اور یہی چھاپہ خانے، یہی کتابیں اور یہی
 کتبے، یہی مقالات، اور یہی تحقیقات، یہی قلم اور دوات کی

لہٰذا ن کے معنی ہر مفسر نے اپنے مذاق کے موافق لکھے ہیں۔ لیکن لغت میں ان کے ایک معنی
 دوات کے ہیں اور یہی ابن عباسؓ، حسن و قتادہؓ سے بھی مروی ہیں۔ النون الدواة وہی قلم و
 عن وجہ ن والقلم عن الحسن و قتادہ (تاج العروس) عن ابن عباس قال ان
 خلق النون وہی الدواة (ابن جریر) عن الحسن فی قوله ن قال وہو اللاتۃ (۱)
 عن قتادہ قال النون الدواة (بغوی) نے ضحاک کی جانب بھی کئی معنی دیے ہیں۔ بیضاویؒ نے
 نینا پوریؒ نے ایک ہی معنی دوات لکھے ہیں اور خازن نے ایک شعر بھی سندیں نقل کیا ہے۔

پیدا کی ہوئی ساری مخلوقات تیرے حق میں گواہ ہو کر رہیگی۔ تیری ہی صداقت کا کلمہ پڑھے گی، تیری ہی بزرگی و برتری کے محضر پر مہر تصدیق ثبت کرے گی! بد نصیب ابو جہل اور کور بخت ابو لہب آج تجھے رو کر رہے ہیں تو اپنی بے بصری کی بنا پر محض ہیں، کل ہی وہ دن آتا ہے، جب انھیں کی ذریات جن لوگوں کو دانائی و فرز انگی کا امام تسلیم کرے گی، حکمت و دانش کا پیشوا تسلیم کرے گی، خود ہی زبانِ قال اور زبانِ حال دونوں سے ما اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمُجْتَنُونَ تیری گواہی دیں گے، اور بول اٹھیں گے، کہ تو اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے مجنون اور دیوانہ نہیں، بلکہ خطی اور دیوانے وہ ہیں جو اپنی جہالت سے تجھے جھٹلا رہے ہیں۔ عقل کے اندھے وہ ہیں، جو اپنی نادانیوں سے تیری نبوت میں شک کر رہے ہیں۔ دُنیا جتنی آگے بڑھے گی، عقل و حکمت کو جتنی ترقی ہوتی جائے گی، تیرے لائے ہوئے دین کا چہرہ روشن سے روشن تر ہو جائے گا تیری عقل و فرز انگی کا آواز بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا، رآزی و غرآلی، طوسی و فارآل ابنِ رشد و ابنِ سینا، تیری ہی حلقہ گوشتی پر فخر کریں گے، غر نوئی و غر و سی ترک و سلجوق، مصطفیٰ اکمال و امان اللہ کو تیری ہی غلامی پر ناز ہو گا! زمانہ بدل جائے گا، اہل زمانہ کی طبیعتیں بدل جائیں گی، مشرق کی بساط الٹ کر مغرب کے ٹھاٹھ جم جائیں گے، روحانیت

وَاِنَّ دُكُوْشَ كَا صِلٰهٖ غَيْرَ مَعْدُوْدٍ ہ۔ **اِنَّكَ لَاجْرًا غَيْرَ مَحْنُوْنٍ**
تیری تبلیغ رسالت کا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، تو نے اپنی اصلاحات
سے دنیا میں جو انقلاب برپا کر دیا ہے، اُس کا دائرہ وسیع سے
وسیع تر ہی ہوتا جائے گا تیرے غلاموں کے ذخیرہ علم سے خوشنیتی
کر کر کے اہل مغرب بڑے بڑے نظامات فلسفہ تیار کریں گے، تیری
منقبت نگاری کا رائل اور گولڈ اپن لے باعث شرف سمجھیں گے۔
تیرا ہلکا پرتو پڑ جانے سے ٹالسٹائے اور گاندھی، ذرہ سے آفتاب
بن جائیں گے، تیری عظمت کا اعتراف آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹی
کریں گی، تیرے منہ سے نکلے ہوئے کلموں کے زندہ و محفوظ رکھنے کے
لیے ہالینڈ اور جرمنی کے بڑے بڑے دارالاشاعت وقف
رہیں گے۔ تیرا نام ہر روز پانچ، پانچ مرتبہ برلن، پیرس اور لندن
کے بلند میناروں سے پکارا جائے گا، تیرے پرستاروں کی عبادت
و کلام کی تشریح و تہنیتی کو براؤن و نکلسن اپنے لئے سرمایہ سمجھیں گے،
جو تیرے دین کے منکر ہوں گے، جو تیرے نام سے دشمنی رکھیں گے،
خود انھیں کے قلم اور انھیں کی دوات، انھیں کے کاغذ اور
انھیں کی سیاہی، انھیں کی عقل اور انھیں کے دماغ کو ہم تیری
عظمت کے اعتراف، تیری دانائی کی شہادت، تیری کامیابی
کی گواہی کے لیے وقف رکھیں گے!

مناقب کی جامعیت۔ تو آج اُمی ہے، بلیکس ہے، یتیم ہے،
 اور ظاہر بیٹوں کی نگاہ میں بے وقعت و بے اثر۔ تیرا بدمی
 و دامنہ معجزہ یہ ہے، کہ علوم و فنون ہی تیری عقل و دانائی پر گواہ
 ہوتے جائیں گے، اور اہل علم و ادب باب فن ہی کا گروہ تیری
 کامیابی پر ایک دلیل ناطق ہوتا جائے گا، لیکن علوم و فنون کے
 دفتر ہیں تک پہنچ کر خاموش نہ ہو جائیں گے، بلکہ تیری عقل
 و دانش، تیرے اثر و کامیابی سے گزر کر جب تیرے اخلاق کی
 بلندی، تیری زندگی کی پاکی و پاکیزگی، تیری سیرت کی عظمت
 و بزرگی کا تذکرہ آئے گا، تو علم و فن کے دفنوں کی خاموشی
 و اِنک لَعَلِّ اَخْلَقَ عَظِيمَ زَبَانِ اِیْکَ بَارِ پھر ناطق ہو جائیگی
 اور تاریخ، تیرے آفتاب جمال کی نورانیت کے سامنے کسی
 بزرگ، کسی حکیم، کسی فاتح، کسی رشی، کسی مصلح، کسی نبی کی روشنی
 کو نہ پیش کر سکے گی! تاریخ اپنی فہرست مشاہیر (ہیروز) کو اول
 سے آخر تک دوہرا جائے گی، اپنے اسماء الرجال کو ایک ایک
 کر کے سنا جائے گی، لیکن زندگی کے ہر شعبہ میں، اور ہر موقع پر
 اخلاق کی اس بلندی، ظرف کی اس وسعت، قلب کی اس
 فراخی، اور مناقب کی اس جامعیت کی کسی دوسری مثال
 کے پیش کرنے سے عاجز رہ جائے گی!

انیسویں اور بیسویں صدی کے ماہرین نفیات کی تحقیقات

ہے، کہ نفس بشری تین اجزاء سے مرکب ہے، ایک عقل یا دقون دوسرے جذبات و احساسات، تیسرے ارادہ یا سعی مسلسل ساتویں صدی کے ایک اُمتی کی لائی ہوئی کتاب کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے تین مختصر و جامع فقروں میں دنیا کی مصلح اعظم کی ساری زندگی کا عطر کھینچ دیا، اور حیرت انگیز اعجاز، بلاغت و جامعیت کے ساتھ یہ تینوں حقیقتیں روشن کر دیں کہ

۱۔ نہ تو ان پیغمبر کی عقل میں کسی طرح کا خلل، اور دماغ میں کسی طرح کا فتور ہے، بلکہ ان پر تو عقل و دماغ کے پیدا کرنے والے کا خاص فضل ہے۔ یعنی ان کی عقل تو مرتبہ کمال پر پہنچی ہوئی ہے، ان کی عقل کے مرتبہ شناس ہونے کے لیے تو خود بھی بہت عاقل ہونے کی ضرورت ہے (مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ)

۲۔ اور نہ یہ ارادہ و ہمت میں ضعیف ہیں، یہ مخالف قول کے ہجوم سے گھبرانے والے ہیں۔ یہ اپنے کام میں بدستور لگے رہیں گے اور ان کی اسی قوت ارادی کے جو عملی نتائج کو ثمرات نکلیں گے، وہ جلد کیا معنی دیر میں بھی ختم ہونے والے نہیں، وہ غیر محدود اور غیر منقطع ہیں (وَأَنْتَ لَكَلَّا جَبْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ)

پھر اپنے جذبات کی پاکی و پاکیزگی، اور اپنے احساسات

کی بندی و برتری کے لحاظ سے بھی تاریخ کائنات میں
اگر کوئی ہستی بزرگ و عظیم کہی جانے کی حقدار ہے تو
یہی ہے (وَإِنَّا لَعَلَىٰ خَلْقِ عَظِيمٍ)

دنیا میں اب تک جتنے مصلح اور بزرگ پیدا ہوئے ہیں
سب نے اسی سہ گانہ نفسی زندگی کی کسی ایک ہی صنف یا شاخ
تک اپنی اصلاحوں کا دائرہ محدود رکھا ہے، کوئی وجود باری
پر بہتر سے بہتر عقلی دلائل قائم کر گئے، معرفت الہی کے دقیق
سے دقیق اسرار کھول گئے، رموز کالہیات کی بہترین شرحیں
لکھ گئے، کوئی ایسے آئے، جو اپنے کلام کی شیرینی، زندگی کی
سادگی، اور پیام کی تاثیر سے دلوں کو موہ گئے، بزم کائنات
کے جذبات کو بخود و ببقرار کر گئے، محفل گیتی کے احساسات
سوز و گداز سے گرما گئے، اور کوئی ایسے بھی گذرے، جنہوں
نے اپنی ہمتوں کا ہدف بجائے دل و دماغ کے جسموں کو رکھا
اپنی زبردست قوت ارادی کی فوجوں کے ساتھ باطل کو ہر
معرکہ میں شکست دی، اور جو اپنی بے پناہ قوت عمل کی شمشیر زنی
کا نشان رزمگاہ عالم کے چپہ چپہ پر ثبت کر گئے۔ لیکن وہ بے نظر
ہستی، جو معرکہ بدر میں سپہ سالار بھی ہو، اور غار حرا میں خلوت
نشین بھی، جو خد بخت کا محبوب دلربا بھی ہو، اور بھوک سے پیٹ پر
پتھر باندھ باندھ کر صبر کرنے والا بھی جو ایک کامیاب معاملہ فہم

تاجر بھی ہو، اور ساری ساری رات عبادت کے لئے کھڑے ہو کر
کاٹ دینے والا بھی، جو ناصح بھی ہو، اور زندہ دل بھی، جو فقر
و توکل کا بھی پوری نشیں ہو، اور آئین جہان بینی کا معلم بھی، جو علم
و حکمت کا درس بھی دیتا ہو، اور عشق و محبت کے گُر بھی سکھاتا ہو،
جو ایک ہی وقت میں عقل و فہم کی درس گاہ کا اُستاد بھی ہو، جذبات
کے چمن کا سب سے زیادہ لطیف، شاداب اور سد بہار پھول
بھی ہو، اور سعی و ارادہ کے میدان میں سب کا سردار بھی ہو،
ایسی جامع اور لائشریک لہ ہستی تو صرف اُسی مصلح اعظم
کی ہوئی ہے، جس کی تصدیق کسی وقتی معجزہ اور ہنگامی کرا
پر منحصر نہیں، بلکہ جس کی سچائی پر (ن وَالْقَلَمُ وَمَا يَسْطُرُ)
دوات، اور قلم، اور ان کے لکھے ہوئے دفتر علوم و فنون
کی خاموش زبانیں ہمیشہ کے لئے گواہِ ناطق رہیں گی!
آج کا ماہرِ نفیات اپنی محدود بشری معلومات کے لحاظ سے
کہہ سکتا ہے کہ ترتیب بیان میں جذبات کے ذکر کو ارادہ کے ذکر
پر مقدم ہونا چاہئے تھا، لیکن اس بیچارہ کو اس کی خبر نہیں، کہ
سیرت کی بلندی کے اصلی امتحان کا وقت تو ہر قسم کی عملی کامیابیوں
کے حصول کے بعد ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ ان کے قبل۔ اس لئے
انتہائی عملی کامیابیوں کا ذکر، سیرت کی بزرگی پر مقدم ہونا لازمی
تھا۔ نفیات کی عام درسی کتابوں میں لکھی ہوئی ترتیب میں اس

بظاہر خفیف اصلاح کے ذریعہ سے کتاب مبین نے یہ پورا مفہوم واضح کر دیا، کہ ”اے پیمبر، ابھی تو تم کمزوری اور مغلوبی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہو، ابھی یہ نادان اور بد نصیب تمہارے اوپر مضحکہ کر رہے ہیں، لیکن عنقریب وہ دن آ رہا ہے، جب تمہارے کمالات عقلی کا انھیں اعتراف کرنا پڑے گا اور تمہاری تبلیغ کی عملی کامیابی کی یہ نوبت ہوگی، کہ بڑے سے بڑے خزاواں کی کبجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں گی، بڑی سے بڑی فوجوں کی سرداری تمہیں حاصل ہوگی، بڑی سے بڑی قوت و طاقت کے تم مالک ہو گئے اُس وقت تمہارے خلقِ عظیم کے جو ہر حکمیں گے اُس وقت یہ نظر آئے گا، کہ آج کی فروتنی و حلم، خاک رسی و بُرد باری، نرمی و رحمتی، مغلوبیت کی مجبوری سے نہیں، بلکہ تمہاری سرشت ملکوتی اور فطرت لطیف میں داخل ہے، اور تمہاری سیرت کی بلندی و برتری کا پورا امتحان ان عملی کامیابیوں اور فیروزمندیوں کی معراج پر پہنچ کر ہوگا۔“

بشارت کا وقت - یہ بشارتیں اُس وقت نازل ہوتی ہیں، جب حق، چاروں طرف سے باطل کے زرعہ میں گھرا ہوا ہے، جب مکہ کا ایک پاک نسب میتیم، اپنے گنتی کے

لے متعین کی تحقیق میں سورہ اقرار کے بعد سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی ہے
عن جابر بن عبد اللہ قال اول ما انزل الله تعالى من القرآن بكتة اقرأ باسم ربك ثم قال والقلم (اتقان، سیوطی، نور سابع، ملاحہ مطبوعہ مکتبہ)

چند رفیقوں کو چھوڑ کر، مکہ اور گرد و جوار کی ساری آبادی کے خلاف اپنی بیچارگی اور بے بسی کو پوری طرح محسوس کر رہا ہے، جب چشم ظاہر کے سامنے کوئی ایک علامت بھی اس کی تائید و موافقت میں موجود نہیں، اس لیے معا بعد یہ ارشاد ہوتا ہے، کہ آج تو ان ٹیگٹیوں کو کون تسلیم کرے گا، آج تو خود تمہارا ہی دل سارے ظاہری اسباب کامیابی سے مایوس ہو چکا ہے، فُتِ بُصْرُ وُ بُصْرُ بَا تِلْکُمُ الْمَفْتُونُ ! لیکن عنقریب تمہیں بھی نظر آجائے گا اور انھیں بھی تم دیکھ لو گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے، کہ واقعۃً نادان اور لایعقل اور سرسپرا، ہوا کون ہے؟ آج یہ اپنے عقل و فہم کے غرہ میں تمہیں نادان سمجھ رہے ہیں، اِن دَبَاثُ هُوَا عِلْمُ مِمَّنْ خَضَلَ عَنْ سَبِيلِهِ وَ هُوَا عِلْمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ، لیکن کل ان نادانوں کو بھی نظر آجائے گا۔ کہ بھٹکا ہوا کون ہے، اور راہِ راست پر کون ہے! کس کا دماغ اوہام و خیالات فاسدہ میں پھنسا ہوا ہے، اور سر رشته حقیقت کس کے ہاتھ میں ہے! کائنات کا پروردگار خود ہی اس کا فیصلہ کر کے رہے گا، قیامت ہی کو نہیں، اس مادی و عنصری دنیا میں بھی۔

لے سو قریب ہے کہ تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے، جس وقت تیرے نیک خلقوں کی کشش اور ہدایت کی نشانیاں دنیا میں انکوارہ پر لائیں گی، تیرا کمال انہی نظروں کے سامنے ظاہر اور جلوہ گر ہوگا اور موت کے بعد اچھی طرح دیکھ لیں گے۔ (شاہ عبدالعزیز دہلوی)

یہ فیصلہ غمگین ہو کر رہے گا، نہ ہو، کہ اسے دور سمجھ کر اپنے پیہر اور حالات مخالف کے ہجوم کو دیکھ کر کہیں تم ان نالائق جھٹلانے والوں کے کہے سنے میں آ جاؤ، فلا قطع الملکذ بین، وڈ و ا لوندھن فیدھنوں، اور نہ ہو کہ ان باطل پرستوں کی مروت، یا صلح جوئی اور مصالحت پسندی کے تقاضہ سے اپنے فریضہ حق گوئی میں کچھ کمی آنے دو، یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہی یہ ہیں، کہ ادھر تم اپنے فرائض تبلیغ و رسالت میں نرم پڑو اور اُدھر وہ اپنی مشق ستم میں نرمی اختیار کریں۔ بلا لحاظ عواقب، بلا خیال نتائج، دعوت حق و تبلیغ رسالت میں لگے رہو، میٹھیں ضدی کہیں، جنگجو کہیں، غیر مصلحت اندیش کہیں، جو چاہیں کہیں، انکی مروت و خاطر میں خود نرم پڑ جانے کا خیال تک دل میں نہ لانا۔ ہر روز کے مقابلہ میں ظلمت، ہر ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت، ہر راستی کے مقابلہ میں کجی، فطرت کا دستور شروع سے چلا آ رہا ہے، لطافت و پاکیزگی کے اس سرچشمہ، نیکی و خلوص کے اس سمندر، خوبی و محبوبی کے اس آفتاب کے مقابلہ میں لازمی تھا کہ دوسری طرف شرارت و نفاق، گندگی اور پلیدی، زشتی و خباثت کا ڈھیر بھی اسی درجہ کا ہو، اسی لئے فوراً ہی ارشاد ہوتا ہے، کہ کس کے ساتھ مصالحت کرو گے؟ کس کی جانب اتحاد عمل کا ہاتھ بڑھاؤ گے؟ کیا ایسوں کے ساتھ جن کے یہ خصوصیات ہوں؟

کیا ان کی طرف جن کے یہ اوصاف ہوں؟ جھوٹے لیاڑھے بات
 فلا تطع کل حلاۃ مہین ہما زمشاء بنمیم، مناع الخیر
 معتد اثیم عتلیٰ بعد ذلک ذنیم، ان کان ذامال بنین
 بات پر بے ضرورت قسمیں کھانے والے ذلیل و خوار جنھیں اپنی
 عزت نفس کا ذرا خیال نہیں، عیب لگانے والے، طعن کرنا
 ادھر سے ادھر جا جا کر لگائی بجھائی کرنے والے، نیک کاموں
 میں روڑے اٹکانے والے، اپنی عقل کے غرہ پر اسد کی بانڈھی
 ہوئی حدوں کو توڑنے والے، گناہوں کی گندگی میں لتھڑے
 رہنے والے، جھگڑے بکھیرنے والے، اور پھر جس قوم
 و طبقہ میں شامل نہیں اُس کی جانب اپنی نسبت کرنے والے
 اور یہ ساری اگر کیوں؟ اس لئے کہ اپنے مال اور اولاد پر فخر
 ہے، اپنی جائیداد اور جتنے پر ناز ہے!

اسوہ رسول۔ رسول آج چشم ظاہر سے مستور ہیں، لیکن ”اسوہ رسول“
 مستور نہیں۔ وہ قدم، جن پر پشانیوں کا رگڑنا ہمارے لیے اوج
 سعادت تھا، آج ہماری نظروں سے اوجھل ہیں، لیکن ”نقش قدم“
 موجود ہیں۔ صاحب خلق عظیم آج ”رفیق اعلیٰ“ کی رفاقت میں
 ہے، لیکن ”خلق عظیم“ کی امانت انسانوں کے سینوں اور کتبانوں
 کے سفینوں میں آج بھی محفوظ ہے۔ پیامبر کا پیام زندہ ہے، کام
 زندہ ہے، نام زندہ ہے، اور آج خاک کا ہر تپلا اپنے ظن اور

باطل کے مطابق، اُس گنجلے لڑکے کو کسب فیض کر سکتا ہے، ٹھیک اسی طرح باطل پرستی کی بھی راہ آج بھی بند نہیں، جس طرح صاحب ”خلقِ عظیم“ کی غلوئی نسبت زندہ و قائم ہے، اُسی طرح ”حُلاتِ مہین“ کا سفلی سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوا ہے۔ بے ضرورت حلف نامے شائع کرنے والے، غیر اللہ کی قسمیں کھانے والے، اسے کمالِ انشا پر بازی کا نمونہ سمجھ کر اس پر فخر کرنے والے، اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں اپنی عزت و شرافتِ ظرف کا خون کر ڈالنے والے، بیگانوں کے سامنے اپنوں کی مخبری و جاسوسی کرنے والے نیک کاموں میں شرکت اور چندے سے مختلف جیلوں حوالوں سے روکنے والے، پردہ اور سود کے متعلق اللہ کی باز بھی ہوئی حدود کو اپنی روشن خیالی کے زعم میں توڑ ڈالنے والے ان گناہوں کو گناہ نہ سمجھ کر ان پر فخر کرنے والے، لڑائی جھگڑوں کو طرح طرح کے پُر فریب طریقوں سے طول دینے والے، اپنی بڑائی کا نقارہ اپنے ہاتھ سے پیٹنے والے، پاک و پاکیزہ گروہوں کی جانب بلا استحقاق اپنی نسبت دینے والے، اور پھر یہ ساری زیادتناں محض اپنے جتنے اور اپنے سرمایہ، اپنی پارٹی اور اپنے فنڈ

(عبارت ماہِ صفر ۲۶۲)

المتعلق فی قوم لیس نہم (قاموس)، الذائد فی القوم و لیس نہم (دراغب) المنتب الی قوم هو معلق بہم لا منہم (ایضاً) فی کلام العرب المصنف بالقوم و لیس نہم (ابن جریر)
حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن مسیبؓ سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔

کے بل پر کرنے والے، جب تک روئے ارض پر موجود ہیں کون کہہ سکتا ہے، کہ صبح سعادت کی پوری نورانیت و ضوئانی کے ساتھ شب باطل بھی اپنی پوری تیرگی و سیاہی کے ساتھ موجود ہیں، ان برصیبوں کی بڑی شامت یہ ہوتی ہے، کہ انھیں جب اللہ کی نشانیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے، جب انھیں ان کے کرتوتوں کے نتائج پر آگاہ کیا جاتا ہے، جب انھیں احکام الہی پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو یہ بے توجہی سے منہ پھیر لیتے ہیں، وَاذِنتُ لَیْ اٰیٰتِنَا قَالِیْ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ - اور بجائے توجہ و انتفات کے کہنے لگتے ہیں، کہ یہ تو وہی سنی سنائی پرانی کہانیاں ہیں! پستی و گمراہی کا یہ آخری مرتبہ ہوتا ہے، جب نصیحت و موعظت بھی تلخ معلوم ہونے لگتی ہے، جب راستی سے بے تعلقی و بیزاری اس حد تک پہنچ جاتی ہے، جب حق و صدا سے سارا رشتہ ٹوٹ کر پورا اعتماد صرف اپنی ذکاوت و ذہانت اور اپنے جتنے اور اپنے سرمایہ پر رہ جاتا ہے تو اُس وقت عذاب الہی اس شکل میں نازل ہوتا ہے، کہ اس بد بخت کی ناک پر داغ سَنِمَہُ عَلٰی الْخُرْطُوْمِ لگا دیا جاتا ہے، اور اس کے چہرے کو داغ دار کر دیا جاتا ہے، اور اُس کی توہین و رسوائی کا سامان دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں کر دیا جاتا ہے! آخرت میں تو ناک پر جس طرح داغ لگایا جائے گا، اُس کا حال وہیں معلوم

ہو سکتا ہے، البتہ دنیا میں ناک پر داغ لگنے کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ ہر وہ شے جو انسان کو ایسا بدنام و سوا کر دے، کہ پھر وہ رسوائی اُس سے دفع نہ ہو سکے۔ ہر وہ شے جو کسی کی سفیدی میں سیاہی لگا دے، ہر وہ شے جو کسی کے ایسے شرِ مناک جرم کو منظرِ عام پر لے آئے، جس کے بعد مجرم مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہے اس کے لیے وسم علی الخراطوم، اس کی ”ناک کا داغ“ ہے۔ حافظِ حقیقی ایسے ناک کے داغ سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے!

لہ فعلہ بعلامۃ یعرف بہا (داغ) لہزمہ عاد (لا ینبجی عنہ) (ایضاً) بنسبتین امرہا بیانا واضحا حتی یعرفوا فلا یحفی علیہم کما لا تحفی السمۃ علی الخراطوم (ابن جریر) قال فتادلا معنی ذلک شین لا یفادقہ (ایضاً) سلحق بہ شیئا لا یفادقہ (غازن) ہو عبادۃ ان یدلہ غایۃ الا ذلال (سیفناوی) خراطوم کی لفظ لانے میں جو لغت میں ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں، کمالِ حقارت اس کی منظور ہے۔ گویا وہ شخص انسانیت سے نکل کر خمیس ہونے میں مثلِ سور کے اور تکبر میں مثلِ ہاتھی کے ہو گیا ہے (شاہ عبد العزیز دہلوی) ہر جانور کی ناک اوپر کی طرف اٹھی ہوتی ہے، لیکن ہاتھی اور سور کی ناک نیچے کی طرف جھکی اور ٹٹکی رہتی ہے۔ سو خراطوم کے ذکر میں اُس کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی تمام ہمت پستی کی طرف رجوع تھی (ایضاً)

لہ مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کے ذریعہ سے وہ اپنی عزت قائم کرنا چاہتا ہے، وہی آخر اُس کی ذلت کا موجب بن جاتی ہیں (مولانا محمد علی لاہوری)

اعداء رسول کی ہجو

۲۷۲ اعداء رسول کی ہجو

جامعہ عثمانیہ کے ایک نوجوان 'ایم' اے، کا حیدرآباد سے مراسلہ ذیل وصول ہوا۔
 ”مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی محققانہ کتاب سیرت عائشہؓ
 میری نظر سے گزری، اس کے مطالعہ سے بیحد مستفید و محفوظ ہوا۔
 حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ادبی ذوق کے تذکرہ کے سلسلہ میں
 ص ۲۹۳ پر یہ عبارت ملی۔

”مشرکین قریش نے جب آنحضرت صلعم کی ہجو میں قصائد کہے
 تو مسلمان شعراء نے ان کا کیونکر جواب لکھا، یہ ہم کو صرف حضرت
 عائشہؓ کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔“

اس کے بعد ام المومنین کے الفاظ، داوین کے درمیان اس طرح
 درج کیے گئے ہیں:-

”ام المومنین بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کی ہجو لکھو
 کہ یہ حملہ تیر کی زد سے بھی زیادہ ان پر کارگر ہوگا۔“

رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد مبارک بہ زبان عائشہؓ نقل کیا
 گیا ہے، لیکن کتاب میں روایت کا ماخذ یا اس کا حوالہ درج نہیں
 ہے، جس سے روایت کی صحت و نوعیت کا اندازہ ہو سکتا۔
 براہ کرم اس سلسلہ میں حسب ذیل سوالات کا تشفی بخش جواب
 عنایت فرمایا جائے:-

یہ روایت کہاں سے لی گئی ہے، اس کی صحت و اہمیت کا کیا مرتبہ ہے! یہ نقلی ہے یا صرف مفہوم ادا ہوا ہے، خصوصاً کیا اثریاد بنوت میں، ”ہجو لکھو کے الفاظ میں، یا قریش کی ہجو کا جواب دو، مدافعت کرو، جیسے الفاظ ہیں، اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف مدافعت اور جواب تھا، تو یہاں یہ سوال ہے کہ جواب اور مدافعت کا ہجو ہونا ضروری نہیں، یہاں ہجو کا حکم ملتا ہے!

اگر روایت ہر طرح قابل یقین اور الفاظ بھی اصول روایت سے مستبر و صحیح ہیں، تو ارشاد ہو کہ ہجو کا حکم دینا اخلاق نبوی میں کیا محل و مناسبت رکھتا ہے، جسے انگریزی میں JUSTIFY کہتے ہیں؟ درآخراں لیکہ ہجو کا جواب ہجو سے دینا معمولی سنجیدگی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ہاں نفس مدافعت احسن ہے، لیکن ہجو کو لازم نہیں۔ اس حکم کا واسطہ علی ما تعلقوا و اجھرہم حجراً جمیلاً سے کس حد تک اور کس قسم کا تعلق ہے۔ یہی شبہ ہے جو عرض خدمت ہے۔ اعراض ہرگز مطلوب نہیں، تحقیق و تفتیش کی طلب ہے، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق ذات گرامی بنوت سے ہے، اس لئے بڑی غلط اور بچینی ہے،

شبہ کی ساری بنیاد اسی مفروضہ پر ہے، کہ ہجو فی نفسہ مذموم و معیوب ہے، اور جب یہ مقدمہ مان لیا گیا، تو ذہن کو قدرتاً یہ حیرانی ہوئی کہ ایک عیب کو پمیر برحق کی جانب کیونکر منسوب کیجئے۔ لیکن

اصلی سوال یہ ہے، کہ خود یہ مفروضہ بھی صحیح ہے؟ جو کہ بالذات اور علی الاطلاق معیوب ہونے پر کیا دلیل ہے؟ عقلی؟ نقلی؟ اور یہ دونوں بھی نہ سہی، عرفی سہی؟ جو کہ معنی بھی اسی قدر ہیں نہ کہ کسی چیز کی بُرائیاں، خرابیاں بیان کر دی جائیں۔ اور اگر وہ چیز واقعہً بُری ہی ہے، تو اُس کے اظہار میں کیا بُرائی ہے؟ عقل نے یا عقلاء نے اسے کب بُرا ٹھہرایا ہے؟ کیا بدی، بدکاری، بد اخلاقی، بد اعمالی، کی وجہ بالاتفاق تمام عقلاء نے نہیں کی ہے؟ کیا اطباء، مضر صحت اشیاء کی وجہ نہیں کرتے رہتے ہیں؟ کیا قانون کی ساری ضخیم کتابیں جرائم اور مجرموں کے مستقل دفاتر، وجہ نہیں؟ کیا تاریخ نے کبھی ظالموں، جابروں، جلادوں، غاصبوں کو اصلی خط و خال میں پیش کرنے سے انکار کیا ہے؟ کیا کسی فلسفہ اخلاق میں یہ تعلیم موجود ہے، کہ جھوٹ کو جھوٹ، زہر کو زہر، اور سیاہ کو سیاہ نہ کہا جائے کہ اس سے ان اشیاء کی وجہ نکلتی ہے؟ غرض، جو کو مطلقاً قابلِ وجہ، دنیا کی کسی عقل نے کبھی اور کہیں بھی نہیں قرار دیا ہے۔

اب عقل سے نقل کی طرف آئیے۔ کیا کلام مجید میں کہیں علی الاطلاق جو سے روکا گیا ہے؟ کہیں مطلق جو کو کسی درجہ میں بھی معصیت قرار دیا گیا ہے؟ خود قرآن کا عمل کیا ہے؟ کیا اس نے بدی اور بدوں، بدکاری اور بدکاریوں، گناہ اور گناہگاروں کے تذکرے کے موقع پر سکوت سے کام لیا ہے، یا اس کے برعکس

علی الا علان ان دونوں کی مذمت اور پردہ درسی کی ہے؟ قرآن کریم کا اسوۂ تو اس باب میں اتنا صاف اور واضح ہے، کہ اس نے صرف اجملاً ہی فاسقوں، ظالموں، کافروں، مشرکوں کی ہجو پر کفایت نہیں کی ہے، بلکہ شیطان اور شیطان صفت انسانوں، فرعون، اور قارون اور ہامان اور ابولہب کے نام لے لے کر اُن پر لعنت کے تیرے سائے ہیں، اور نفسیات بشری کا ہر طالب علم جانتا ہے، کہ ان بدکاروں کے اعمال شیطانی کی طرف سے نفرت دلانے کا یہی طریقہ بہترین اور موثر ترین تھا۔ پھر کیا رسول کریم صلعم کا یہ طریقہ تھا، کہ آپ بدی اور بدوں کے ذکر پر خاموشی اختیار فرما لیتے تھے، اور جرائم اور مجرموں دونوں کو اُنکے حال ہی پر چھوڑ دیتے تھے؟ تو یہ تو ہی نہ سہی، کوئی ضعیف روایت بھی حضورؐ کی بابت اس مضمون کی منقول ہے؟

عقل و شریعت، دونوں کے بعد اب دُنیا کے عرف عام کو، اور دوسری قوموں کے اکابر اور مقتداؤں کو لیجئے۔ توریت میں مجرموں اور عصبیاں شعاروں پر لعنت و ملامت کا کوئی درجہ اُٹھ رہا ہے؟ انجیل کی تعلیم انتہائی حلم و آشتی کی سمجھی جاتی ہے، اور حضرت مسیحؑ کی شیریں زبانی مشہور و متعارف ہے، اس انجیل میں بھی ریاکار فریسیوں اور مکار علماء و مشائخ کی پردہ درسی میں کتنی کسر اُٹھ رہی ہے؟ ہندوؤں میں راجنندرجی کی زبان اور

زبانِ عمل، دونوں نے راؤن اور راکشوں کی کچھ بھی مروت ملحوظ رکھی ہے؟ سری کرشن جی کی مشہور و معروف کتاب گیتا اول سے آخر تک بدکاری اور بدکاروں، شرارتوں اور شریریوں کا ایک مسلسل ہجوم نامہ نہیں تو اور کیا ہے؟ دُنیا کے جس گوشہ میں بھی، جس ملت اور جس فرقہ کے مصلحین پیدا ہوئے ہیں، سب نے بدی اور بدوں کی ہجو کرنی ہی ضروری سمجھی ہے، اور تو اور، خود گاندھی جی باوجود اپنے پیٹھے بول اور ”عدم تشدد“ کے ناقص فلسفہ کے، فرنگی اداروں اور لاندہ بانہ خیالات کی کیسی کیسی شدید ہجویں کر چکے ہیں۔ اور انگریزی حکومت ہند کو شیطانِ حکومت اور ابلیسی حکومت وغیرہ کے القاب سے یاد کر چکے ہیں (یہ بالکل الگ سوال ہے کہ وہ ہجو صرف اداروں کی کرتے ہیں، نفس ہجو میں تو بہر حال وہ سب کے ساتھ ہی شریک ہیں) غرض جہاں تک نفس ہجو، ہجو علی الاطلاق کا تعلق ہے، یہ مفروضہ کہ وہ ہر حال میں محبوب و قابل ہجو ہے، عقل، نقل، عروت، کسی معیار سے بھی قابل قبول اور باسند نہیں۔ جو شے منافی کمالِ اخلاق کہی جاسکتی ہے وہ اپنے ذاتی انتقام کے موقع پر ہجو کرنا یا کرانا ہے۔ منافی اخلاق یہ بھی نہیں، جس شخص کی عزت پر حملہ ہوا ہے، اسے پورا حق ہے، کہ اُسی درجہ کا جوابی حملہ وہ حملہ آور پر کر سکے۔ دُنیا کا کوئی صحیح فلسفہ اخلاق اسے منافی اخلاق نہیں قرار دیتا، البتہ کمالِ اخلاق کے منافی یہ ضرور کہا جاسکتا ہے۔

یہ صورت مسئلہ زیر بحث میں، پوری نہ سہی، اور پوری بھی کہاں پیدا ہوتی ہے؟ حضورؐ کا تعامل اپنے ذاتی معاملات میں یہ تھا، کہ کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ حدیث صحیح کے الفاظ میں کان لا ینتقم لنفسه فی شیء الا ان تفتیک حرمنا اللہ فینتقم فیہا للہ۔ عفو، حلم، و درگزر کی روایتوں سے صحاح کے ورق کے ورق لبریز ہیں، ذاتی طور پر اگر آپؐ کو کسی سے انتہائی رنج ہو سکتا تھا، تو وہ ابوسفیان، اور آپؐ کے محبوب چچا اور صحابی حمزہؓ کے قاتل وحشی اور ہندہ تھے۔ پھر ان لوگوں سے آپؐ نے کچھ بھی انتقام لیا؟ بس جہاں تک ذاتی پر خاش وعداوت کی بنا پر ہجو کا سوال ہے (اور یہی ایک شے لے دے کے منافی کمال کہی جاسکتی تھی) حضورؐ کی بابت کوئی سوال پیدا ہونا کیا معنی، شبہ سوال اور شبہ سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ ام المؤمنین والی روایت میں حضورؐ کی زبان سے الفاظ خواہ محض مدح و جواب دو منقول ہوں یا ”جواب میں ہجو کہو“ یا کچھ اور، (اور بعینہ حضورؐ کے الفاظ محفوظ ہونے کا دعویٰ تو مشکل ہی سے کسی حدیث کے متعلق کیا جاسکتا ہے) بہر حال وہ صورت ذاتی پہلو تو کوئی آس پاس بھی نہیں پیدا ہوتا (یہ ہجو، تو عین اہل حق کے دفاع میں تھی، اور اہل حق کا تحفظ موزیوں کے شروایا

سے تو اعظم مطلوبات اخلاق میں ہے۔

حضوؔ نے جس موقع پر اور جن لوگوں کے مقابلہ پر، ہجو کے موثر و کارگر حربہ سے کام لیا، وہ بھی بالکل ظاہر اور غیر اختلائی ہے۔ جرائم پیشہ دشمنان حق، دشمنان اخلاق، دشمنان دین و شمنان قانون کا ایک پورا مرتب و منظم جھگڑا تھا، جو ہر ممکن طریق پر سلمانوں کے ساتھ، مسلمانوں کے دین کے ساتھ، اللہ کے احکام و قوانین کے ساتھ دشمنی سا لہا سال سے کر رہا تھا۔ مسلمانوں پر اس کی ستم رانیاں اور جھگڑا کاریاں حد و شمار سے متجاوز ہو چکی تھیں، مار بوجھاڑ، کشت و خون، قتل و غارت، حبس و جلا وطنی، سب ہی کی نوبتیں تو آچکی تھیں، چھوٹے چھوٹے بچے اور معذور و ناتوان بوڑھے تک کسی کو ان انسان خا درندوں کے مظالم سے امان نہ تھا اور جان و مال کے ساتھ غرتوں پر بھی حملے جاری تھے۔ دو چار جن نہیں، چند ہفتے یا چند مہینے بھی نہیں، سا لہا سال تک مسلمانوں کو محض صبر و ضبط کی تعلیم ملتی رہی، اور رسول اسلام کا عمل و اصبر علی ما یقولون و اہجرھم ہجرًا جمیلًا کی ہدایت پر رہا۔ جب اندازہ دان فطرت کے اندازہ میں مسلمان خوب مجاہدے کر چکے، ان کے قلوب منجھے منجھے خوب نکھر چکے، ان کی نیاز مندی اور اخلاص پروری کا سونا خوب تپ کر نکھر اظہار ہو چکا۔ جب حکم ملا کہ اب دوسرے طریق علاج اختیار کرو،

جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم اور اشد علی
الکفار اور قاتلوا الذین یلوئکم من الکفار و لیجدو فیکم
غلظۃ اور قاتلوا المشرکین کافۃً وغیرہ۔ اب مبیین حکم
اسی شدت اور غلظت، اور جہاد و قتال کے نازل ہونے لگے،
اور جہاں پہلے انگلی ہلانا منع تھا وہاں اب تلوار اٹھانا
فرض ہو گیا! — اس کا اندازہ طبیب حاذق ہی کر سکتا
ہے کہ کب تبرید اور ٹھنڈائی پلانے کا موقع ہے اور کب
گرم گرم دوا میں دے کر مادہ نکالنے کا وقت ہوتا ہے۔
انتقام کی فرضیت کا موقع۔ جب انتقام کی یہ صورتیں بالکل
جائز، بلکہ بعض اوقات فرض ہو ہو گئیں، تو محض زبانی انتقام و نسبتاً
ہستہ ہی بلکہ اور کم درجہ کی چیز تھی۔ یہ چیز تھی ہلکی، لیکن ساتھ ہی
ضروری۔ مال و جان کی حفاظت کے ساتھ عزت کا تحفظ بھی رہتا
ضروری تھا، اور اس کا فیصلہ رسول اللہ صلعم ہی بہتر فرما سکتے تھے
کہ تحفظ عزت کی کیا صورتیں موثر ہو سکتی ہیں، اور ان کے کیا کیا
حدود قائم کرنے چاہیے۔ عرب کے اشعار عرب میں وہی کلام
کرتے تھے، جو آج متمدن دنیا میں اخبارات کرتے ہیں۔ آج
ٹیکور ہوں یا گاندھی، صدر جمہوریہ امریکہ ہوں یا وزیر اعظم برطانیہ،
پریس میں جب انکی تحریکات اور ان کے خیالات مسخ
کر کر کے پیش کئے جاتے ہیں، تو اس کا جواب وہ پریس ہی

کے ذریعہ سے دیتے ہیں، اور اسے کوئی بھی خلاف وقار یا خلاف متانت نہیں سمجھتا۔ بس یہی اُس وقت رسول خدا صلعم نے بھی کیا۔ شعر کا جواب شعر سے، ہجو کا جواب ہجو سے دلایا۔ اور اس جواب کی تفصیلات کی حدود کا تصفیہ حضور ہی بہتر کر سکتے تھے۔ ہم اور آپ اتنی دور بیٹھ کر، اور سڑے تیرو سو برس کے بعد بھلا کیا اندازہ کر سکتے ہیں!

جواب کا فلسفہ خود حضور کی زبان سے اُسی روایت کے اندر موجود ہے، قال فاجھوا قریشا فانہ اشد علیہا من دشق بالنبل (صحیح مسلم) آپؐ نے فرمایا کہ تم بھی قریش کی ہجو کہو، کہ یہ شے اُن پر تیر کی زد سے بھی بڑھ کر موثر ہوگی۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ جو نگاری کوئی فی نفسہ محمود شے ہے، بلکہ جن لوگوں کی اصلاح اور جن کے شر و فتنہ سے بچنا مقصود تھا، اُن کے حق میں ارشاد ہوا، کہ یہی طریق جواب سب سے زیادہ موثر و کارگر ہے۔ طیب سکھیا کو زہر قاتل کہتا ہے، پھر بھی جب ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اُسی سے علاج بھی کرتا ہے۔ آج بھی اخباری لوگ سب سے زیادہ اخباری سے ڈرتے ہیں۔ جنکی فطرت اس قدر مخ ہو چکی ہے کہ وہ دوسروں کی پگڑی اچھالنے میں بے باک ہو جاتے ہیں، وہ ڈرتے صرف اس سے ہیں کہ کہیں خود اُن کی پگڑی نہ اُچھلنے لگے۔ یہی حال قریش کے بہادر بزدلوں کا

تھا۔ دوسروں کی عزت اُتارنے سے روکنے والی کوئی شے اُن کے لئے نفعی ہی نہیں، بجز اس خوف کے، کہ کوئی اُن کی بھی عزت اُتارنے والا موجود ہے۔ اسلام کے مطب میں شریف رذیل دونوں کے امراض کا علاج شافی موجود ہے۔ تشریفوں کا اُن کے فراج و طبیت کے موافق، رذیلوں کا اُن کے فراج و اقبادِ طبع کے مناسب۔

حُسانِ شاعر تھے، آج کسی مُرد کے سامنے اُس کے شیخ کو بُرا کہا جائے، تو وہ آپے سے باہر ہو جائے۔ یہاں حُسان کے پیر کی نہیں، پیمبر کی ہجو ہو رہی تھی، جو ”محمد“ (تعریف کیا گیا) تھا، اُسے معاذ اللہ ”مذم“ (ذمت کیا گیا) کی شکل میں پیش کیا جا رہا تھا۔ حق تھا کہ شاعر کی زبان بھی بے قابو ہو جاتی، اور جو کچھ بھی جی میں آتا، زبان پر لے آتا۔ اور اُس وقت کی عربی تہذیب اسے بالکل جائز بھی رکھتی۔ لیکن اعجازِ نبوت کا کمال یہ تھا، کہ جو اشعار ہجو منقول ہو کر پہنچے ہیں، اُن میں کہیں ایک لفظ بھی نہ فحش ہے، نہ ایسا، جو اُس وقت کیا، اُجکل کے مذاق اور مصنوعی تہذیب پر بھی گراں گزرے۔ اسی روایتِ عائشہؓ میں، مسلم میں ۱۲-۱۳ اشعار نقل ہیں، شروع کے تین شعر ملاحظہ ہوں۔

جھوٹ محمدؐ اُفاجبتُ عنہ ۛ وعند اللہ فی ذالک الجنائزُ

تم نے محمدؐ کی ہجو کی، پس میں نے اُس کا جواب دیا۔ اللہ کے ہاں میرے اس کام کا اجر ہے۔

ہجوتِ محمدؐ اَبْرًا تَقْبِيًا : رسولِ اللہ شیمتہ الوفا
تم نے جو محمدؐ کی جو نیک اور پرہیزگار، خدا کے پیغمبر ہیں، اور انکی سرشت و نژاد انکا
خانِ ابی و والدہ و عظمیٰ : لعرضِ محمدؐ منکم و قفا
میرے باپ اور باپ کے باپ، اور میری عزت و حرمت، محمدؐ کی عزت
و حرمت کے لئے تمہارے مقابلہ میں سپر ہے !

اللہ اللہ ! یہ ”ہجو“، ہو رہی ہے ! ”ہجو“ کا نام سُنتے ہی،
آنکھوں کے سامنے اگر سودا و انتشار کی ہجویں پھرنے لگیں،
یا آج کل کے بعض ہجو پیشہ ایڈیٹروں کے کارنامے اور
دل ان سے تمہرانے لگے، تو ایک حد تک معذوری
ہے۔ اور کچھ عجب نہیں، کہ نیک طینت مر اسلہ نگار کا
ذہن بھی، ہجو کے لفظ سے ہجو نگاری کے انھیں گندے
منونوں کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔ لیکن یہ ہجو بھی آخر پیمبر کے
دربار کی تھی ! جو ”حمد“ کیا گیا تھا، اس کے متعلقات
و مشتبات میں کسی شے میں بھلا، ذم، کا پہلو کہاں سے
نکل سکتا ہے ! اس ہجو کی پاکیزگی پر دوسروں کی منقبت
سرائیاں اگر رشک کریں، تو حیرت نہ کیجئے !
معنی ہجو، مفہوم ہجو، موقع ہجو، کی ان وضاحتوں کے

بعد، آخری شبہ، لفظ ہجو کی بابت رہ سکتا ہے۔ اور کہا
 جاسکتا ہے، کہ سب کچھ ہی پھر بھی لفظ ہجو کیوں ایسے
 پاک موقع پر استعمال کیا گیا۔ جواب میں عرض ہے، کہ
 خیر یہ تو حدیث ہے، جس میں صحت لفظی کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا
 قرآن مجید کا تو لفظ لفظ، حرف حرف محفوظ ہے۔ اس میں سیئہ
 (برائی) کے عوض کاجاں جہاں ذکر ہے، بعینہ وہی
 لفظ، مثل کے اضافہ کے ساتھ ”ستیتہ مثلھا“ کہہ
 دوہرا دیا گیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اس لفظی سیئہ کو
 حقیقت سیئہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ کافروں کے عاجل
 سخریہ (متخر) کے مقابلہ میں مومنین کے بھی آجل ”سخریہ“
 ہی کا ذکر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حق تعالیٰ نے، خود اپنے
 متعلق کافروں اور مجرموں کے جواب میں بعینہ اسی قسم کے
 الفاظ دوہرا دیے ہیں۔ ”کید“ (انہم یکیدون کیدا
 واکید کیدا) ”مکر“ (مکروا و مکر اللہ و اللہ
 خیر الماکرین) ”خدع“ (ینجادعون اللہ و هو
 خادعہم) ”استہزاء“ (اللہ یتہزی بہم) اور ”فیئنا
 (الیوم ننسہم) یہ سب الفاظ تصریحاً استعمال ہوئے ہیں۔
 جب اللہ کے لئے اپنے موقع و محل پر، مکر و کید، خدع،
 و استہزاء کے الفاظ اس کے معروف معنی کے بالکل عکس

۲۸۴
مفہوم میں آسکتے ہیں، تو رسول کے لیے ایسے ہی مناسب
مواقع پر لفظ جو پر کیوں گرفت کی جائے،

مراسلہ نگار کا اصل سوال بھلا اللہ مع اطراف و جوانب کے
حل ہو چکا۔ لیکن یہ ساری تصریحات خشک عقلی پیرایہ میں رہیں۔
آخر میں ایک بات خالص صوفیانہ مذاق کی سُن لی جائے، جو ایک
زندہ عارف کے افادات سے ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے
کہ کسی نے حضرت عائشہؓ کی چوری کی۔ اُنھوں نے بدو عا کرنا تھا
آپؐ نے فرمایا کہ بدو عا کرنے سے اُس کی عقوبت میں تخفیف ہو جائیگی
اس سے عارفوں نے نتیجہ یہ نکالا ہے، کہ خود اگر انتقام کسی وجہ
میں لے لیا جائے، تو غضب خداوندی میں تخفیف ہو جائی
ہے۔ اور جب یہ معاملہ عقوبت عام مومنین کے ستانے والوں
کے ساتھ ہے، تو رسولؐ کے ساتھ گستاخی کرنے والوں کے لئے
کیا کچھ سزا میں نہ ہونگی۔ پس اس صورت حال کا اندازہ کر کے
اگر حضورؐ نے اپنے دشمنوں سے کسی قدر انتقام لے لیا ہو تو
اس میں عین اُنھیں کی ہوا خواہی ہے۔

بہ زبانِ اقبال

لطف و قہر او سراپا رحمت
آں بہ یاراں دیں بہ اعدا رحمت

اُسوۂ حسنہ

اسوہ حسنہ

امانت الہی - بزم کائنات اپنی ساری دلفریب زینتوں اور دلکش آرائشوں کے ساتھ سج چکی، طلسم خانہ فطرت اپنی تمام ندرتوں اور نیرنگیوں کے ساتھ تیار ہو چکا، نگار خانہ موجودات کا ایک ایک نقش آب و رنگ کی جگمگاہٹ سے چمک اٹھا اُس وقت مَآکَانَ وَمَا یَکُونُ کا سب سے زیادہ بے بہا، سب سے زیادہ عزیز الوجود گوہر ”امانت الہی“ کے نام سے کثرت کے بازار میں پیش ہوا، اور وحدت کے خلوت کدہ سے آواز آئی کہ ”ہے کوئی جو اس گوہر شرف کا حامل بن سکے؟“ ہے کوئی جو اس بارِ امانت کو اٹھا سکے؟ عالم ملکوت میں سناٹا چھا گیا، عالم ناسوت پر لرزہ پڑ گیا، پہاڑ تھر تھرائے، سمندر کی موجیں رُک گئیں، ماہتاب ماند پڑ گیا، آفتاب کی ہمت نے جواب دے دیا، اونچے آسمان نے اپنے دوش ناتوان کو اس کا اہل نہ پا کر آنکھیں نیچی کر لیں، پھیلی ہوئی زمین اپنے عجز و درماندگی کے احساس سے سمٹ کر رہ گئی۔ اُس وقت ضعیف و ناتواں کمزور و حقیر، ظلوم و جہول خاک کا پتلا آگے بڑھا، اور اپنی ہمت کے بازوؤں کو پھیلا کر یہ بارِ عظیم اپنے سر لے لیا۔

صبح محشر - خاک نثرِ آدم کی بے شمار نسلیں پیدا ہوئیں، اور

رحمت ہو گئیں، پھیلیں اور بڑھیں، اُبھریں اور مٹیں، یہاں تک کہ عالمِ عنصریات کی شبِ دراز ختم ہوتی ہے، اور صبحِ محشر کا طلوع ہو جاتا ہے۔ کمزور و جلد باز، خطا کار و نیاں شعار، انسانِ طلب ہوتا ہے، اور اُس کا ہر فرد ”امانت“ کا حساب سمجھانے حاضر ہوتا ہے۔ افراد کی تعداد حد شمار سے خارج ہے، ریاضی کا ہر عدد، سب کی گنتی بتانے سے قاصر ہے۔ اچھے اور بُرے، فاسق و فاجر، مومن و کافر، عالم و جاہل، شاہ و گدا، امیر و فقیر، حکیم و شاعر، عابد و زاہد، ولی و درویش، سب ایک ایک کر کے صف و در صف حاضر ہو رہے ہیں، لیکن کسی ایک کا بھی نامہ عملِ فطرت کے مجاہد پر پورا نہیں اُترتا کسی ایک کا بھی دامنِ امانت، خیانت کے داغ سے پاک نظر نہیں آتا۔ کسی ایک کی بھی فردِ اعمال ایسی نہیں جو دعویٰ کے ساتھ پیش ہو سکے، ہر سمت حسرتیں، ندامتیں، پشیمانیاں اور پریشانیاں ہیں، زاریاں اور بیقراریاں، افسردگیاں اور غمگینیاں ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ وہ نفوسِ قدسیہ تک، جو دوسروں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خلق ہوئے تھے اور جو عرش کا پیام لے کر فرش پر آئے تھے، آج اپنی اپنی حالت میں گرفتار ہیں اور زبانوں پر نفسی نفسی کا وظیفہ جاری ہے۔

گستاخ و شوخ چشم انسان، اُس وقت بھی ترم و خیرہ سری سے باز نہیں رہتا، اور سوال کر بیٹھتا ہے، کہ ایسی ناقص مہنتوں کے

وجود میں لانے کا کیا ثمرہ تھا، جن میں سے کوئی ایک بھی معیار کمال پر پوری نہیں اُترتی؟ اس بے شمار ابنوہ کو خلعت وجود سے مشرف کرنے کا کچھ بھی حاصل تھا، جس کی ایک فرد بھی اپنے مقصد آفرین کو پورا نہ کر سکی؟ حرمِ قدس سے آواز آتی ہے کہ دیکھو اے جاہل انسان، اور اپنی جہالت کا اقرار کر۔ مَن اے نادان آدم زاد اور اپنی نادانی پر شرم۔ یہ پیکرِ نورانی جو تیرے سامنے عرصہ محشر میں موجود، اپنی ذات کی طرف سے فارغ و مطمئن اور دوسروں کے نجات دلانے کی کوشش میں مصروف و سرگرم نظر آ رہا ہے، تیری ہی طرح ایک انسان تھا، تیری ہی طرح اس کا خمیر بھی آب و گل سے تھا، تیری ہی طرح خاک کے ذروں سے اپنے جدِ غفری کی ترکیب رکھتا تھا، لیکن ہمارا عبدِ کامل تھا، ہماری امانت کا پورا امین، اور اپنے عہد کو نباہنے والا، قیدِ عناصر میں داخل ہونے سے قبل ہر وقت ہماری حمد و ثنا میں مشغول رہا، تو ہم نے احمد (بہت تعریف کرنے والا) کے نام سے پکارا، اور اس کا صلہ یہ دیا، کہ جب عالم آب و گل میں یا بند بنا کر اُسے بھیجا، تو اُس کا لقب محمد (بہت تعریف کئے گئے) رکھا۔ دیکھ اے غافل انسان کہ آج نہ صرف ہم اپنے اس سب سے اچھے اور سب سے پیارے بندہ کو کیا درجہ نصیب کرتے ہیں، بلکہ جس کسی نے اس کی پیروی کی بھی کوشش کی، اس کے لیے بھی آج ہمارے ہاں کیا کیا سرفرازیں

اور سر بلندیاں موجود ہیں۔

دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے، حکیموں اور دانائوں کے
سوانح حیات پڑھ جائیے درویشوں اور عالموں کے کارناموں پر
نظر کر جائیے، حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوتوں سے وفیت
حاصل کر لیجئے، دنیا کی بڑی سے بڑی اصلاح، بڑے سے بڑے انقلاب
بڑے سے بڑے اجتہاد کا مطالعہ کر جائیے۔ ہر اصلاح، ہر دعوت،
ہر تبلیغ، کسی نہ کسی ملک، کسی نہ کسی قوم، کسی نہ کسی زمانہ کے
ساتھ مخصوص و محدود آپ کو ملے گی۔ حضرت مسیح صرت بنی اسرائیل
کے گلوں کی بھیڑوں کو بچانے کے لئے آئے تھے۔ حضرت ہودؑ،
حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ سب کا روئے سخن صرت اپنی اپنی
قوم کی جانب تھا۔ دنیا کے اس عالمگیر کلیہ سے اگر کوئی استثناء ہو سکتا
ہے، تو وہ محمد عربی (روحی فداہ) کی دعوت و پیام کا تھا۔ رسول
اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کسی ایک ملک کسی
ایک قوم، کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، ہر ملک، ہر قوم،
ہر زمانہ کے لئے ہے، تمدن انسانی کی ہر سطح کے متناسب حالت
بشری کے ہر درجہ کے لئے موزوں، اور معاشرت قومی کی
ہر شان کے شایاں۔

کمال اور ختم نبوت۔ سید المرسلین کا ایک لقب خاتم النبیین بھی
ہے۔ ختم نبوت کے معنی بالکل واضح ہیں۔ جب ایک پیام اس قدر

جامع و مکمل آچکا کہ اب اُس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش ہی نہیں باقی، تو کسی جدید پیام کا آنا سرے سے بے معنی ہو جاتا ہے۔ پیام کی ہمہ گیری کے معنی ہی یہ ہیں کہ آئندہ کے لئے سلسلہ پیامات منقطع۔ عرب کے اُمتی کے لئے جو پیام نے علی الاعلان اپنا دعویٰ ساری دُنیا کے سامنے پیش کر دیا، کہ میں ہر امکانی ضرورتِ زندگی کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہوں اور آج تک بڑے سے بڑا مخالف بھی اس دعویٰ کو کسی دلیل سے جنبش نہ دے سکا۔

پیام و پیامبر اس قدر جامع و مکمل پیام کے لئے ضروری تھا کہ اس کے لانے والے کی ذات بھی ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو، اللہ کا بھیجا ہوا پیام، لکھا لکھایا، مرتب کتاب کی شکل میں بھی کسی پہاڑ یا درخت پر آسمان سے اُتر سکتا تھا، لیکن حکیم مطلق کی مشیت نے ”پیام“ اور ”پیامبر“ دونوں کو ایک دوسرے کے لئے بطور لازم و ملزوم قرار دیا، اور دونوں کو ایک دوسرے کی تصدیق کا ضامن۔ لیکن ترتیباً پیامبر کا وجود پیام پر مقدم ہے۔ دُنیا کا یہ آخری ہادی و رہنما پورے چالیس برس اپنے ہمجنسوں کے درمیان رہ لیا، جب جا کر اس پر پیام حق نازل ہونا شروع ہوا، اور اس کے بعد تیس سال کی مدت اور اُس نے اپنے ہی جیسے انسانوں کے درمیان گزار دی۔ اکی پانچ پانچ

زندگی اس وقت بھی دشمنوں کے لئے ایک کھلے ہوئے چیلنج کی طرح موجود رہی، کہ کوئی اُٹھے اور اُس میں عیب نکالے، کوئی بڑھے اور اُس پر حرف گیری کرے، ابو جہل اور ابو لہب جیسے دشمن اُٹھے اور بڑھے، لیکن اس مقدس سیرت، اس پاکیزہ زندگی اور اس پاک معاشرت میں ایک بات بھی قابل گرفت نہ پاسکے۔

محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ بنا کر نہیں بھیجے گئے کسی دوسرے عالم کی مخلوق کی حیثیت سے نہیں اتارے گئے حاکم بشری سے بے نیاز ہو کر نہیں مبعوث ہوئے۔ انسان بنا کر بشریت کے تمام اوصاف و لوازم، تمام احتیاجوں اور ضرورتوں کے پابند بنا کر اس ظلمت کدہ گیتی کو مطلع انوار کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ شادیاں آپ نے نہیں، ایک نہیں کئی کئی، اولادیں آپ کے متعدد ہوئیں، بعض زندہ رہیں، اور بعض نے حضور کے سامنے وفات پائی۔ دوست بھی حضور کے بہت سے تھے، اور دشمن بھی تھے۔ مخلصین کا بھی ایک گروہ تھا، اور منافقین کا بھی۔ عسرت کا بھی زمانہ گزرا اور خوشحالی کا بھی۔ لڑائیاں بھی بہت سی تھیں اور امن کا زمانہ بھی گزرا۔ محاربات میں کبھی فتح بھی ہوئی اور کبھی اس کے برعکس۔ خلقت کے رد و انکار کا بھی تجربہ فرمایا، اور مقبولیت و مرجعیت کا بھی۔ غرض انسانی زندگی

میں گرم و سرد، نشیب و فراز کے جتنے موقع پیش آ سکتے ہیں سب سے ہو کر وہ پاک و طاہر زندگی گزری، اور اس طرح بے داغ گزری، کہ آج محض اس کا مطالعہ سارے عالم کے لئے ایک مستقل درس بن سکتا ہے۔

جامعیت۔ حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کی یہ جامعیت صرف اس لیے تھی، کہ ہر فرد بشر اس نمونہ کو اپنے پیش نظر رکھے، اور جہاں تک اس کا ظرف و بساط اجازت دے انھیں قدموں کے نقش پر چلے۔ گلستان دہریں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، لیکن موسم ربیع کا یہ گلہ ستہ ایسا ہے جو ہر ملک ہر زمانہ، ہر قوم کے مشام جاں کو معطر رکھے گا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی شامت یہی ہے، کہ اس نے سب سے زیادہ کامل و مکمل نمونہ کی طرف سے قطع نظر کر لی۔ غیروں کا ذکر نہیں، خود ہم کلمہ گویان اسلام کی بدبختی یہی ہے کہ ہم نے آفتاب ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں یا تو اندھیرے میں ڈال رکھا ہے، اور یا اگر روشنی کی طلب ہے بھی تو ٹٹماتے ہوئے چراغوں اور لالٹینوں پر قناعت ہے۔

ہم میں سے آج کتنے بدبخت سلمان ایسے ہیں، جو خوبی کمال کا معیار یورپ کے طور و طریق کو سمجھ رہے ہیں۔ قومی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ یورپ میں اس کا رواج ہے، معاشرت کو اعلیٰ

معیار پر اس لئے لانا چاہیے کہ یو تپ کا طرز یہی ہے، سود خواری
 اس لئے بہتر ہے کہ یو تپ اسی ذریعہ سے ترقی کر رہا ہے۔ یہ
 ہمارے دماغوں کا ایک عام طرز استدلال ہو گیا ہے۔ اس سے
 اتر کر وہ طبقہ ہے، جو مذہبی سمجھا جاتا ہے۔ ان بیچاروں کی ثبات
 یہ ہے کہ بجائے سرکار رسالت سے اکتساب فیض کرنے کے انھوں
 نے ساری جستجو، اور تک و دو محض کسی عالم یا درویش تک محدود
 کر رکھی ہے۔ حالانکہ کوئی اُمتی کتنا ہی بلند پایہ ہو، ظاہر ہے کہ
 رسول خدا صلعم کی نعلین مبارک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔
 اگر آج ہم اس بڑے ”امین“ کے نقش قدم پر
 چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت و بددیانتی کا گزرنہ ہوتا،
 اگر آج ہم اُس ”رؤف و رحیم“ کے پیرو ہوتے، تو
 ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی جانب سے
 بے اعتمادی و بدگمانی نہ ہوتی، اگر آج ہمسہم اُس
 غار حرا کے بیٹھنے والے کے آثار مبارک کو اپنا سریرہ
 چشم بنایا ہوتا، تو ہمارے باطن میں کسی قسم کی گندگی باقی
 نہ رہ جاتی۔ اگر آج ہم فاتح بدر کی عظمت دل سے کرنے
 والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلہ میں ہمیں شکستیں نصیب
 نہ ہوتیں۔ اگر آج ہم رحمۃ اللعالمین کے پیام پر سچے دل
 سے ایمان رکھتے ہوتے، تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ

ہمیں بیگانگی و مخالفت نہ ہوتی۔ اگر آج اپنے سچ بلنے والے اور سچ کے برتنے والے ہی کے طریقہ پر ہم قائم ہوتے، تو جھوٹ کا ہمارا سی آبادیوں میں نام و نشان ہی نہ ہوتا۔ اگر آج ہم کو اسم پاک احمد کی لاج ہوتی تو اللہ کی حمد و ثنا سے ہمیں اس قدر گریز نہ ہوتا، اگر آج ہم کو اسم گرامی محمدؐ سے عدا کوئی واسطہ ہوتا، تو اپنی موجودہ رستی و بدنامی سے یہ مراحل دور ہوتے۔ آج جبکہ سارے ملک میں میلاد مبارک کی محفلیں آراستہ ہو رہی ہوں گی، کیا یہ بہتر نہ ہوگا ان کے ساتھ ساتھ ہم اپنے خلوت خانہٴ قلب میں بھی کچھ دیر کے لئے ذکرِ پیغمبرِ یادِ رسولؐ کی محفل گرم کریں!

تَقْدِیْسِ رُسُولِ

تقدیس رسولؐ

پچھلے ہفتہ ایک کرم فرما کی طرف سے مراسلہ ذیل موصول ہوا:-

مخدومی و معظی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کئی روز سے کتاب ”رحلتِ مصطفیٰ“ دیکھ رہا ہوں۔ ص ۱۲ پر عبارت ذیل

پڑھ کر قلب کو جو تکلیف ہوئی، اُس کا اظہار کیونکر کروں۔

”غرض کہ لاش رکھی رہی یہاں تک کہ شکم مبارک پھول گیا، چھٹنگیا

میں کچی دکھائی دی، ناخنوں کا رنگ تبدیل ہو کر سبز ہو گیا“

معلوم نہیں کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ بعض صحابہ کرامؓ، اولیاءِ

کامبلین اور شہداءِ اُمت کی لاشوں کو دیکھا گیا، کہ صد ہا سال کے بعد

بھی جوں کی توں قبروں میں رکھی ہوئی پانی گئیں حتیٰ کہ کفن میں دھبہ تک

نہ لگا۔ چہرہ، بشرہ سے انخطاط کی علامات کا پایا جانا تو درکنار بلکہ

برعکس اس کے یک گونہ بشارت اور تازگی پائی گئی۔ برخلاف اس کے

وہ ذاتِ اقدس جس کی شان تو دراصل یہ تھی کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اُس کی لاش مبارک میں یوں تغیر پیدا ہونا کسی طرح جی کو نہیں بھاتا، امید کہ

آنجناب اپنے موقر جریدہ سچ کے ذریعہ اس روایت کی صحت یا عدم

صحت کے متعلق اپنی تحقیقات بالغہ سے اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں۔

فقط والسلام۔

مکمل مولوی عبدالرزاق بیچ آبادی مدیر روزنامہ ہندوستان۔

جو تکلیف مراسلہ نگار کے قلب کو موئی، یقیناً صد ہا دوسرے مسلمانوں کو بھی ہوجی ہوگی، اور جس کتاب کا یہ اقتباس ہے اُس کی تنہا یہی ایک عبارت تکلیف دہ نہیں، متعدد دوسری عبارتیں ایسی ہی، یا اس سے بھی کچھ بڑھ کر ملتِ اسلامیہ کے لئے دلخراش ہیں۔ مصنف (مولوی عبدالرزاق خان طبع آبادی) خود بھی مسلمان ہیں، اور اس لئے ان کی نیت یقیناً رسول کی توہین اور اُمتِ رسول کی دل آزاری کی نہ ہوگی، لیکن بعض لوگ قلم کے اس قدر بے قضا اور تمیز و تہذیب کے عام مقتضیات سے اس قدر بیگانہ ہوتے ہیں، کہ انکی تحریریں، اُن کے ارادہ کے بغیر دوسروں کے لئے جگر خراش ہو کر رہتی ہیں۔ حضور کی وفات کے سلسلہ میں اس قسم کی کریہ اور کخت سرخیاں قایم کرنا، ”کہ سمجھنے پر لوٹتے تھے“ ”زبردستی دو اپلائی گئی“ ”عباس، دوڑو“ ”گردن جھک گئی“ ”آنکھیں پھٹ گئیں“ ”منہ پیٹنے کھڑی ہو گئیں“ کوئی شائستہ و باادب قلم کیونکر گوارا کر سکتا ہے؟ اور پھر سب سے بڑھ کر، کمالِ منانت تحریر کا مظاہرہ تو صلا ۳۶ پر ذیل کے فقرہ میں کیا ہے جس کے نقل کرنے میں بھی اذیت ہو رہی ہے :-

”سب (ازواجِ مبہرات) کے ہاں باقاعدہ جانے تھے، حتیٰ کہ اس آخری بیماری میں بھی جب کہ چل نہیں سکتے تھے، کپڑے میں لدر کر کے گھر پہنچتے تھے۔“

رُسل اور پھر سید المرسلین کا مرتبہ تو خیر بہت بڑا ہے، یہ زبان دنیا کا کوئی باادب، شریف، متمیز دار انسان اپنے باپ اور چچا کے حق میں بھی استعمال کر سکتا ہے؟ پس ایسے مصنف کے قلم نے اگر وہ عبارت بھی لکھ ڈالی، جو مراسلہ میں نقل ہوئی ہے، تو یہ رنج و دہ اور افسوسناک کتنی ہی ہو، لیکن خلاف توقع بالکل نہیں۔

خیر، اب نفسِ سُلہ کو لیجیے۔ مراسلہ نگار کے فحوائے کلام سے معلوم ہوا کہ وہ جدِ مبارک میں تغیر ہی کو فی نفسہ منافی شانِ نبوت سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ کسی قدر محتاجِ تصحیح ہے۔ حدیث میں یہ بے شبہ آیا ہے، کہ قبور میں اجسادِ انبیاء کرام محفوظ رہتے ہیں، اور زمین انھیں نقصان نہیں پہنچاتی۔ سننِ نائی میں ہے،

عن اوس بن اوس عن النبی صلعم... قال ان اللہ عزوجل قد حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء علیہم السلام۔ اوس بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ حرام کر دیا ہے کہ وہ اجسادِ انبیاء کو کھا سکے۔ (کتاب الجمعہ باب ۱) اور سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز میں ہے۔
عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلعم....

ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء
حضرت ابو الدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ اجسادِ انبیاء کو گزند پہنچ سکے۔

اور اسی کے قریب ایک دوسری روایت بھی سنن ابن ماجہ ہی کی کتاب الاقامۃ میں ہے، یہ تین روایات صحاح کی ہوئیں، ان کے علاوہ سنن دارمی، مسند احمد وغیرہ میں اور بھی روایات موجود ہیں۔ پھر مشاہدہ بھی اسی کا مؤید ہے۔ انبیاء علیہم السلام کیا معنی، صالحین و شہداء انک کی نعشیں محفوظ پائی گئی ہیں، لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مواعید پل نیز مشاہدہ سے جو شے ثابت ہے وہ ہے کیا؟ وہ صرف تحفظ اجسام مبارکہ بعد دفن ہے۔ صرف زمین کے گزند پہنچانے سے ان کی محفوظیت مانتا ہے، نہ یہ کہ اجسام مبارکہ قبل وفات، یا بعد وفات، سرے سے کسی تغیر ہی کو نہیں قبول کرتے، امراض کا اثر آخر اجسام مبارکہ پر ہوتا ہی رہا ہے اور خود حضور کے جدِ افریہ ہوا ہے۔ پس اگر اسی قبیل کا کوئی اثر جہاں پر بعد وفات، مشاہدہ میں آیا ہو تو یہ ذرا بھی منافی شان نبوت نہیں اور اس کے لئے نہ کوئی اقتناع عقلی ہے، نہ شرعی۔

لیکن امکان کا ثابت ہو جانا، وقوع کے متکرم نہیں اور اصلی سوال یہی ہے کہ آیا ایسا واقعہ ہوا بھی ہے؟ محدثین کبار نے حیات مبارکہ و وفات مبارکہ کے ادنیٰ ادنیٰ جزئیات ضبط کر دیے ہیں یہاں تک کہ بعض محدثین نے جنازہ نبویؐ، غسل شریف وغیرہ پر منتقل ابواب قائم کئے ہیں، لیکن یہ روایت کسی محدث نے بھی درج کی ہے؟ بطور روایت قوی کے نہ سہی، بہ طور روایت ضعیف کے بھی؟ اصحاب صحیحین نے نہ سہی، اصحاب سنن نے سہی؟

انہیں بھی چھوڑیے ان سے کمتر درجہ کے محدثین نے بھی؟ حضورؐ سے متعلق کسی ایسی روایت کا کیا وزن، عالم نہیں، عامی کی نظر میں بھی رہ سکتا ہے، جسے بڑے، چھوٹے، محقق، غیر محقق، کسی ماہر حدیث نے بھی نہ قبول کیا ہو؟ ضخیم و فائز و اسفار حدیث کو بھی چھوڑیے، کتب سیر پر آئیے سب کو معلوم ہے کہ اہل سیر مغازی کا معیار احتیاط، حضرات محدثین سے بہت فروتر ہے اور اہل سیر نے بہ کثرت ان روایات کا کما کٹ اپنے ہاں لے لیا ہے، جنہیں حضرات محدثین مردود و غیر مقبول قرار دے چکے تھے۔ اب گزارش ہے، کہ اس روایت کو اہل سیر میں سے بھی کس نے لیا ہے؟ ابن اسحق تو اس وقت ناپید ہے لیکن اس کی یادگار ابن ہشام موجود ہے۔ اور سیرت کے موجودہ ذخیرہ میں وہی سب سے زیادہ مستند تسلیم کی جاتی ہے، پھر کیا اُس میں یہ روایت موجود ہے؟ اس سے بھی قطع نظر کیجیے، سیرت نبویؐ پر اور جتنی مشہور، متداول و مستند کتابیں ہیں، روض الانف (سہیلی) مواہب لدنیہ (مطالع) شرح مواہب (زرغانی) وغیرہ۔ سب کا جائزہ لے ڈالیے کہیں بھی یہ روایت آپ کو نظر نہ آئے گی

مصنف نے یہ روایت یقیناً اپنے دل سے نہیں گروہ لی ہے، سند وہی ہے۔ لیکن سند نہ کسی بڑی چھوٹی حدیث کی کتاب کی، نہ اعلیٰ و ادنیٰ کسی سیرت کی کتاب کی، بلکہ طبقات ابن سعد کی، جو نہ حدیث کی کتاب ہے نہ سیرت نبویؐ کی، بلکہ جیسا اُس کے نام سے ظاہر ہے

محض صحابہ و تابعین پر ہے، اور حضور کے حالات ابتداء میں محض ضناً اور گویا سلسلہ بیان قائم کرنے کو درج کر دیے گئے ہیں! ایسی کتاب روایت کا، جو سرے سے اُس فن اور اُس موضوع پر ہے ہی نہیں، شہادت میں جو درجہ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ پھر ابن سعد کو اپنی ذات سے بڑے ثقہ اور مستند شخص ہیں، لیکن محققین نے اُن کے حال میں یہ تصریح کر دی ہے، کہ روایات وہ ضعیف الروایت لوگوں سے بھی قبول کر لیتے ہیں۔ *هو ثقة لكنه يروى عن الضعفاء*۔ اسی کے ساتھ یہ اہم حقیقت بھی واضح رہنا چاہیے، کہ طبقات ابن سعد، چند سال قبل تک دنیا کے لئے ناپید تھی۔ یورپ کے بعض عربی دانوں نے اس کا پتہ لگایا، اور حکومت جرمنی نے دنیا کے مختلف حصوں سے اُسکے مختلف حصے نقل کرا کے منگائیے، اور انھیں جمع کرا کے شائع کیا۔ نقل۔ مقابلہ، تصحیح، تہذیب کے یہ سارے مراحل انھیں ہاتھوں سے طے پائے، جنہیں اسلام و پیغمبر اسلام سے محبت و عقیدت ہونا الگ رہا اگر کچھ تھا تو تعصب و عناد ہی تھا، اُس قوم کی دیانت و احتیاط کا یہ عالم ہے، کہ اپنی آسمانی کتاب میں سلسل تحریف سے بھی نہیں چوکتی! ایسے بے احتیاط لوگوں اور دشمنان دین کی شائع کی ہوئی کسی کتاب پر بھی آنکھ بند کر کے اعتماد ہو سکتا ہے، اور مجر د اس کی کوئی روایت قابلِ قبول ہو سکتی ہے، جب تک اُس کی تائید دوسرے ذرائع سے بھی نہ ہو لے؟ ان سب سے بھی قطع نظر، جو دو روایتیں ابن سعد نے درج کی ہیں،

ان دونوں میں آخری راوی، یعنی کسی صحابی، کسی چشم دید گواہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں! ایسی بے سرو پار روایت، بے دھڑک نقل کر دینے اور پھر اپنی کتاب میں یہ تصریح کر دینے کی، کہ

”ہم نے وہی روایتیں لی ہیں، جو ہماری تحقیق میں صحیح ثابت ہوئیں“
جرات صرف ”رحلت مصطفیٰ“ کا مصنف ہی کر سکتا تھا! (ص ۷۱، دیباچہ)

احادیث و سیر کی مستند روایات تو سب اس متفق ہیں کہ جو زندگی میں پاک و پاکیزہ تھا، وہ وفات کے بعد بھی ویسا ہی پاک و پاکیزہ رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ عین جس وقت روح مبارک نے ملا، اعلیٰ کی جانب صعود کیا ہے، ایسی خوشبو پھیلی، کہ میں نے تمام عمر ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی! ابن ہشام، جو اہل سیر میں سب سے زیادہ مستند ہیں، ابن السخنی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ غسل کے وقت (اور ظاہر ہے کہ غسل کا وقت، تغیر جسد مبارک کے وقت سے متاخر ہی تھا) جسد مبارک میں اس قسم کی آلائشیں بھی نہیں دیکھی گئیں جو عموماً میتوں میں نمودار ہوتی ہیں۔ وَلَمْ يُرَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ بِمَا يُرَى مِنَ الْمَيِّتِ (غسل کے وقت، جسم اطہر سے کوئی ایسی چیز نہیں ظاہر ہوئی، جو مردوں سے ظاہر ہو ا کرتی ہے!)

آنا ہی نہیں، بلکہ غسل دینے والے حضرت علیؓ تھے، اُن سے یہ مقولہ عین غسل کے وقت کا نقل کیا ہے،

وَعَلَى يَقُولُ بَابِي أَنْتَ وَاعْنِي مَا اطْبِيبَا حَيًّا وَمَيِّتًا
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ زندگی میں بھی کیسے پاک و صاف
تھے، اور وفات پر بھی کیسے پاک و صاف ہیں!

تغییر جہد والی روایت میں اگر خدا نخواستہ صداقت کا کوئی جزو بھی
ہوتا، تو وہی لوگ جن سے وہ روایت منقول ہے، امیر المؤمنین حضرت علیؑ
کو اُسی وقت جھٹلانہ دیتے؟

حضرت علی مرتضیٰؑ کے یہ الفاظ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ثابت
بالہ نہیں بھی نقل کئے ہیں، اور اہل سیر کی شہادت سے بھی بڑھ کر یہ کہ
خود محدث ابن ماجہ نے بھی تابعی سعید بن المسیب کے حوالہ سے علی مرتضیٰؑ
رضی اللہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں،

عن علي ابن ابی طالب قال لما غسل النبي صلعم ذهب
يلتمس مند ما يلمس من الميت فلم يجد فقل بآبي
الطبيب طبت حياً وطبت ميتاً (كتاب الجنائز، باب ۱۰)
جب آنحضرت صلعم کو غسل دیا گیا تو تلاش کی گئی اُس چیز کی جو میت میں
تلاش کی جاتی ہے (آلایش وغیرہ) سودہ کچھ بھی نہ ملی، اس پر علیؑ پکار
اُٹھے میرے باپ آپ پر قربان آپ کیسے پاک و صاف ہیں زندگی میں
بھی، اور موت میں بھی!

اور محدث جلیل قاضی عیاض مالکیؒ، شفا میں کسی قدر تغیر کے ساتھ
علی مرتضیٰؑ کا قول یوں نقل کرتے ہیں، غسلت النبي عليه الصلوة والسلام

فَذَهَبَتْ لَا تَنْظُرَ مَا يَكُونُ مِنَ الْمَيْتِ فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا فَتَلَّتْ طَبْتَ
 حَيًّا وَفُتِيئًا۔ پھر جب حضورؐ کی وفات کے کچھ دیر کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے اگر جسم اطہر کو بوسہ
 دیا ہے تو انھوں نے بھی یہی الفاظ کہے! (شفا، باب فصل ۳) اور طہار علی قاریؒ نے شرح
 شفا میں ابن عمرؓ کی حدیث اسی معنی میں، محدث بزار کے حوالہ سے پیش کی ہے۔
 اتنی صراحتوں کے ہوتے ہوئے وہ لغور روایت اس قابل ہی نہیں جاتی
 کہ اسے چند لمحوں کے لئے بھی قابل اعتناء خیال کیا جائے۔

افسوس ہے کہ شہاب خفاجی کی شرح شفا (نسیم الریاض) ان سطور
 کی تحریر کے وقت پیش نظر نہیں، لیکن ایک معتبر صاحب علم کی تحریر میں جتنا
 نسیم الریاض کا یہ قول اس لغور روایت سے متعلق دیکھنا مجھے اچھی طرح یاد ہے،
 کہ هَذَا ذَلَّةٌ قَبِيحَةٌ لَا يَنْبَغِي التَّحَدُّثُ بِهَا، یہ مزخرف و لغور روایت ہرگز
 اس قابل نہیں کہ اسے بیان بھی کیا جائے۔

اور غالباً نسیم الریاض ہی میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ وکیع بن جراح
 نے اول اول جب یہ لغور روایت مکہ میں بیان کی ہے، تو اُس وقت کی حکومت
 نے انھیں قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا۔ پھر انھوں نے مدینہ میں پناہ لی، یہاں
 اُن کی سنگساری کا تہیہ کیا گیا، اس پر وہ بھاگ کر کوفہ پہنچے۔ وکیع کی یہ
 خاص سرگزشت اپنے جزیات کے ساتھ صحیح ہو یا نہ ہو، بہر حال اتنا تو اس سے
 نکلتا ہی ہے، کہ سلف میں اس یادہ گوئی پر سخت نکیر ہو چکی ہے، اور اسلامی
 حکومت اگر آج قائم ہوتی، تو شاید اس آزادی و بے باکی کے ساتھ آج
 بھی ان خرافات کی اشاعت ممکن نہ تھی!

احمد ندیم قاسمی کی سکرلہ آرائیٹ

گرداب

یہاں کے مسائل الگ تھے۔ ماحول الگ تھا۔ لوگوں کی ذہنیتیں الگ تھیں۔ یہاں پتلونوں کی جمی ہوئی لکیروں اور بالوں کی متناسب لہروں کے تذکرے تھے۔ تصنع تھا۔ تکلف تھا۔ ریاکاری تھی۔ اور ان کے ساتھ ساتھ علم و فن کے چرچے تھے۔ یہاں نئی نئی سازشوں کے راز فاش ہو رہے تھے۔ مُصفا چہروں کے پیچھے سماج کا پیلیگ قفن پھیلا رہا تھا۔ اور لباسِ حریر کے نیچے زخمی روحیں ہلک رہی تھیں!

لیکن بہر حال یہاں بھی انسان ہی بستے تھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا۔ جو کچھ سنا اور جو کچھ محسوس کیا وہ کہانیوں کی شکل میں پیش کر رہا ہوں۔ میں یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ کہ یہاں رستے ہوئے ناسوروں پر بھی غارے کی تہیں چمکا دی جاتی ہیں تاکہ فیشن کے مذہب کا پورا پورا اترام ہو سکے! قیمتِ دورِ وہیہ آٹھ آنے۔

ملنے کے پتے [ادارۃ اشاعت اُردو عابدرو ڈھیر آباد دکن
شیخ عبدالرزاق تاجر کتب عابدرو ڈھیر آباد دکن]

